۷۸۶

اسلام
بیسویں صدی میں
اور
(مسائل حاضرہ پر جدید علماء، مولانا تقی امینی، مولانا مودودی)
کا
حرف آخر
مؤلفہ و مرتبہ
ایم محی الدین لکھنوی بی۔اے۔ ایل ایل بی
(جملہ حقوق اشاعت محفوظ)

۱۹۶۱ء
۱۳۸۱ھ

ترتیب

★

الناشر

ادارہ اوراق زرّیں ۲۸ ریلوے روڈ لاہور

فون نمبر ۶۶۲۷۴

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع ——— ثنائی پریس سرگودہا

کاتب ——— منوّر احمد

قیمت ——— چار روپے پچاس پیسے

تاریخ اشاعت ——— نومبر سنہ ۶۱ء

★

ہ

ش

میری ابتدائے نگارش یہی ہے :

ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں ؎

اپنی امّی جان کے نام ——————!

(باب سوئم)

اسلامی ریاست میں موجودہ مسائل کا حل

(حرفِ آخر)

مسائلِ حاضرہ و موجودہ تقاضوں پر علماءِ موصوف کا اظہارِ خیال

(سوال و جواب کی شکل میں)

تعارف

اور

چند مقتدر علماء کے خطوط سے اقتباسات

زیرِ نظر تصنیف جناب محمد محی الدین صاحب کی نوجوان امنگوں اور دورِ طالبعلمی
میں دینی جذبہ اور اسلام کی سربلندی کے لیے ان کے احساس کا پہلا عملی ثبوت
ہے۔ اس احساس کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلہ میں آپ نے جو مسائل حاضرہ پر
ایک سوالنامہ پاک و ہند کے بیشتر مقتدر علماء و ہر مکتبِ فکر کو ارسال
کیا۔ ان میں سے چند نے بکمال مہربانی اس کا جواب دے کر اس دور کے "افاضوں"
کا جو حل پیش کیا ہے۔ وہ ان کی بیدار مغزی اور اسلام کے سرمایۂ افکار
کے وقیق تحقیقی مطالعہ کی غمازی کرتا ہے۔ لہٰذا ان علماء مذکورہ کے خیالات اور
مصنف موصوف کے تحقیقی مقالات شائع کرتے وقت ناشر اپنا یہ بھی اولین فرض
منصور کرتا ہے کہ وہ مصنف کا بھی مختصر تعارف کرا دے۔

جناب محی الدین صاحب لکھنؤ کے ایک متوسط زمیندار خاندان کے چشم و چراغ
ہیں۔ سنہ ۱۹۴۰ء کی پیدائش ہے۔ اور اپنے والدین کے واحد اکلوتے فرزند
ہیں۔ سنِ بلوغت سے ہی چند بزرگ حضرات کی شفقت و عنایات حاصل
رہیں۔ بالخصوص آپ پر قبلہ حضرت بہار شفیع میاں سلسلہ چشتیہ کے مقتدر

اس اشاعت خاص کے ادارہ کو جناب
فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان کے
اُن ایمان افروز الکلمات سے بڑی تحریک و
تقویت ملی جو موصوف نے اپنے متحدہ

عرب جمہوریہ اور سعودی عرب

کے سرکاری دورے پر احیائے اسلام
اور پاکستان میں نظریہ پاکستان کی
بقا کے سلسلہ میں ارشاد فرمائے
راقم کی یہ پہلی کوشش صدر
موصوف کے اسی نظریہ کی تشریح و
توضیح کے لئے وقف ہے ؛

مؤلف

پاس کرنے کے بعد ڈی مونٹ مورنسی کالج سرگودھا سے ۱۹۵۴ء میں زندگی کے ایک نئے باب کی ابتدا کی۔ چونکہ سکول سے ہی مباحثوں و ادبی محفلوں و مجلسوں میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ کالج میں اس ذوق کو جلا ملی اور آپ نے ادبی تنقیدی محفلوں و دیگر مہموں سے حصہ لینے کے ساتھ ساتھ دینی اجتماعات میں بھی سرگرمی سے حصہ لیا اور کالج ہذا کے کئی تنظیمی عہدوں پر ذمہ دارانہ حیثیت سے اپنی کارکردگی کا ثبوت پیش کیا۔ اس دوران بالخصوص دو شخصیات نے آپ کے کردار پر گہرا اثر چھوڑا۔ ان میں سے ایک خود جناب ڈاکٹر عابد احمد علی صاحب پرنسپل کالج ہذا (و سابق ایڈیٹر اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی لاہور) اور میجر امتیاز الحق صاحب (مقیم حال کراچی) ہیں۔ زندگی کا یہی وہ اہم دور ہے جہاں آپ کو اپنا کردار بنانے کے تمام مواقع میسر آئے۔ آخر پولٹیکل سائنس، اسلامیات اور فارسی مضامین میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اور ۱۹۵۹ء میں ایشیا کی مشہور و پرانی درسگاہ لا کالج لاہور میں داخلہ لے کر یونیورسٹی کیریر کی ابتدا کی۔ جہاں آپ کی تحمل مزاجی، بردباری اور صلاحیت کار اور ادبی ذوق رکھنے کی وجہ سے لا کالج کے مجلہ ادبیہ "المیزان" کے معاون ایڈیٹر بنا دیئے گئے۔ زندگی کے نئے اور تعلیمی دور کے اس آخری موڑ پہ لاہور کی ادبی فضا میں آپ کو مختلف بلند پایہ مغربی و مشرقی اسکالرز مستشرقین اور متقدر علماء کرام کو سننے اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملتا رہا۔ چونکہ ادبی مطالعہ کے

بزرگ کی نظرِ کرم رہی جن سے آپ کی والدہ ماجدہ بیعت تھیں۔ نہ صرف ابتدائی
تعلیم و دینی درس و تدریس آپ کی والدہ ماجدہ نے کی۔ بلکہ اعلیٰ اوصاف
کردار پیدا کرنے میں بھی انہوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ باقاعدہ تعلیم کا
سلسلہ حسین آباد گورنمنٹ ہائی سکول لکھنؤ سے شروع ہوا۔ لیکن تقسیم کے
بعد وہاں قیام کرتے ہوئے ۱۹۴۹ء میں اپنے والدین کے ہمراہ سرگودھا
پاکستان تشریف لے آئے۔ کہاں لکھنؤ اور کہاں سرزمین پنجاب کا یہ خطہ؟
بہر نوع نئے حالات و نئے ماحول میں مقامی گورنمنٹ ہائی سکول میں چھٹی جماعت
سے پھر سلسلہ تعلیم شروع کیا۔ سکول ہذا کے ایک شفیق استاد چودھری
سلطان صاحب کی نظرِ التفات سے کلامِ اقبال نے آپ کے دل میں بھی گھر کیا۔
چونکہ استادِ مکرم کو اقبال سے والہانہ عشق تھا اور روزانہ کلامِ اقبال کا
درس دیا کرتے تھے۔ لہٰذا بیت بازی وغیرہ میں سکول ہذا سے خاص شہرت
حاصل ہوئی۔ بچپن سے ہی چونکہ شرارت پسند تھے۔ اس لیے فطرتاً کبھی باز نہ آتے
اور استادِ مکرم کو شرارتیں ایک آنکھ نہ بھاتیں۔ لاکھ سمجھانے بجھانے کے
بعد آخر مجبور ہو کر اقبال کے اس شعر سے بیزاری کا اظہار فرمادیا ؎

ممکن ہے کہ ٹل جائے جبل اپنے مقر سے
لیکن کبھی تبدیل جبلت نہیں ہوتی

اقبال کے اشعار سے گو روحانی لگاؤ پیدا ہو چکا تھا لیکن
مندرجہ بالا شعر کی صداقت سے انکار کرکے اپنی فطرت خود بدلنے اور
اپنا کردار سنوارنے کا عزمِ صمیم کیا جس میں کامیاب رہے۔ میٹرک

جناب محی الدین صاحب نے طویل استفسار ایک سوالنامے کی شکل میں جن علماء کو روانہ کیا اُن میں خاص طور پر مولانا ابوالحسن ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ مفتی عمیم الاحسان ڈھاکہ مشرقی پاکستان۔ مولانا محمد تقی امینی صاحب اجمیر شریف، مولانا عبدالماجد دریا بادی لکھنؤ۔ مولانا سید علی نقی النقوی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ .... مفتی محمد شفیع صاحب کراچی۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب دارالعُلوم دیوبند۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کراچی۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایڈیٹر برہان کلکتہ۔ مولانا کفایت حسین صاحب لاہور، مولانا ادریس کاندھلوی صاحب لاہور مولانا داؤد غزنوی صاحب لاہور، غلام احمد پرویز صاحب لاہور اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لاہور، شامل ہیں۔ ان متذکرہ بالا علماء میں سے جدید تقاضوں کا حل صرف تین علماء ہی پیش کر سکے جنھوں نے اپنا نہایت قیمتی وقت صرف کر کے طویل استفسار کا بالتفصیل حل پیش کیا جو کہ نہ صرف اسلام کے اُردو ذخیرہ افکار میں اضافہ ہے۔ بلکہ موجودہ دور کے مسلم بالخصوص پاکستان کے ترقی پسند خواتین و حضرات کو جن کا نظریہ ہے کہ اسلام آج کے نئے تقاضوں کا حل پیش نہیں کر سکتا۔ اور اسلامی نظام میں معاشی۔ سیاسی اور معاشرتی ترقی ناممکن ہے اُن کو علماء کا یہ "حرف آخر" ایک لمحہ فکریہ فراہم کرتا ہے۔ اسی استفسار کے سلسلہ میں جن علماء نے اپنے خطوط میں قاضی محمد محی الدین صاحب کی بابت نیک جذبات اور پاکیزہ خیالات اور شفقت آمیز ہمدردانہ رویہ

ساتھ مذہب کی جانب رجحان اور دینی علوم سے وابستگی بچپن سے ہی پیدا ہو چکی تھی اسلئے کالج اور یونیورسٹی کیریر میں مطالعہ وسیع کرنے کا موقع میسر آیا کالج میگزین کے لیے بیشتر ادبی و مذہبی مضامین اور مقالات لکھتے رہتے تھے آخر حالات حاضرہ پر نظر رکھتے ہوئے اور عام مسلمانوں کی معاشی، معاشرتی سیاسی اور مذہبی ناگفتہ بہی بالخصوص اپنے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کی بے راہ روی سے متاثر ہو کر زیر نظر کتاب مرتب کرنے کا خیال راسخ شکل اختیار کر گیا اور دور طالب علمی ہی میں اسے مرتب کر دیا ــــ ۲۱ سال کی عمر میں ایل ایل بی پاس کر کے سرگودھا کی ضلعی مجلس وکلاء (District Bar) کے سب سے کمسن ممبر بنے۔

چونکہ آپ کا بھی یہی پختہ عقیدہ ہے کہ اسلام، قرآن اور اسوۂ حسنہ ہی موجودہ بے راہ روی کو دور کر کے دنیاوی مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور اسلام چونکہ بحیثیت مجموعی ایک مکمل انسانی ضابطۂ حیات ہے جو آج بھی دورِ سابقہ کی طرح قابل عمل ہے۔ لھذا اسی ضابطۂ زندگی کے چند اہم ترین پہلو پر بحث کر کے اسلام کی سربلندی آپ نے اس دور میں بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ مسائل حاضرہ اور جدید تقاضوں پر اپنی رائے زنی کرنے سے قبل آپ نے یہ بہتر سمجھا کہ ان پر پاک و ہند کے مقتدر علمائے ہر مکتب فکر کی راہنمائی بھی حاصل کی جاوے تاکہ اُمتِ مسلمہ کے سامنے اُن کے خیالات رکھے جا سکیں کہ وہ کس صورت سے جدید تقاضوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر

غلطیاں سہواً رہ گئی ہیں۔ اُمید ہے قارئین کرام انہیں ضرور بکمال شفقت آگاہ فرمائیں گے۔ تاکہ نظرثانی شدہ تصنیف کو مستقل حیثیت حاصل ہو جائے۔

النّاشِر

ادارۂ اوراقِ زرّیں، لاہور

کا اظہار فرمایا ہے۔ انہیں سے کچھ تاثرات اقتباسات کی شکل میں نقل کیے جاتے ہیں۔ جس سے مصنف و مؤلف موصوف کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات وکردار اور ان کی اولوالعزمی پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ خاص طور پر آپ کی تصنیف کے لیے جو پیش لفظ (Foreword) غازی سراج الدین منیر صاحب اعظم گڑھی (مقیم حال لائل پور) نے لکھا ہے وہ بھی ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اصل پیش لفظ انگریزی میں اس کتاب کے انگریزی متن کے لیے روانہ کیا گیا ہے جس کا ترجمہ زیر نظر تصنیف کی زینت ہے۔ غازی صاحب موصوف خود قاضی صاحب موصوف کے مداح ہیں۔ کیونکہ غازی صاحب کا مشن دراصل نوجوان طبقہ کی اصلاح کے لیے سرگرم عمل ہے۔ وہ خود غازی ہیں اور نوجوانوں کو مجاہدین پاکستان کی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں جو ستاروں پر کمند ڈالیں اور دنیا میں اسلام کی سربلندی کے لیے کوشاں ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف پاکستان کے طلباء کے طبقہ میں مشہور ہیں بلکہ ملک کا پڑھا لکھا سنجیدہ طبقہ اور غیر ملکی سفراء تک آپ کو قدر منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے ادارہ غازی صاحب موصوف کا جہاں شکریہ ادا کرتا ہے، وہاں جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا محمد تقی امینی صاحب کا بھی ممنون ہے جنھوں نے اس تصنیف کے لیے اپنا قیمتی اور عزیز وقت صرف کیا اور جناب محی الدین کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ادارہ مؤلف کی کاوش کو سراہتے ہوئے ان کی ترتیب و تالیف شائع کر رہا ہے۔ گو ابھی ان کے قلم میں ناپختگی ہوگی۔ لہٰذا جو

تفصیلی گفتگو ہو جائے تو انشاءاللہ آپ اسلام و پاکستان کے ایک مفید خادم بن کر رہیں گے ——— میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ اور اسی اللہ تعالیٰ نے آپ کو میری طرف رجوع کرایا ہے میرے لیے آپ عطیۂ الٰہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان کے ساتھ ایک کامیاب و مفید زندگی اور عمر دراز عطا کرے۔ آمین

——— قبلہ خان صاحب[1] کو آپ کا خط دکھلا دیا تھا۔ پڑھ کر اس قدر متأثر ہوئے کہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اسے دو بارا اور پڑھا۔ دوسرے ایک دوست بیٹھے ہوئے تھے انہیں بھی پڑھایا۔ اور فرمایا کہ "اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ مغربی تعلیم یافتہ طبقہ سے بھی اسلام کے لیے ہیرے اور جواہرات ملیں گے"۔ خان صاحب نہایت مخلص و صادق انسان ہیں اور اسلام کے فدائی، شیدائی، آپ کی طرح وہ بھی علماء و پیروں[2] سے مایوس تھے۔ پھر بھی وہ اچھے علماء کی برابر خدمت و امداد فرماتے رہے ———

——— اور آپ کے دینی ذوق و شوق سے بے حد خوش ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جذبۂ خیر کو اور ترقی دے۔ آمین ———

لیکن واضح رہے کہ ہمارا دین اسلام دنیا و آخرت دونوں کے لیے ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دینِ اسلام کی خاطر

---

[1] خان احمد اسلام خان صاحب آفیسرز کالونی لائل پور
[2] علماء و پیروں سے مراد وہ حضرات جو اسلام کی خدمت کی بجائے خود غرضی سے اسلام اور مسلمانوں کے ضعف کا باعث بنے۔

صدر مرکز تحریک الاسلام المجاہدین
لائل پور

عزیزی محبّی فی الاسلام قاضی محی الدین حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و دعائے خیر

یقین مانیے آپ کا خط میرے لیے ہزار عید اور شب برات کی خوشیوں سے زیادہ مسرت و انبساط کا باعث ہوا ہے۔ خط کا لفافہ دیکھتے ہی آپ کی شکل و صورت مع (Personality) کے میری آنکھوں کے سامنے آگئی۔ گورنمنٹ کالج سرگودھا میں آپ سے کئی بار ملاقات اب تک یاد ہے اور آپ کے سوالات کی بوچھاڑ کا ذکر کئی بار میں نے اپنی تقریروں میں (بغیر آپ کا نام لیئے ہوئے) کئی مقامات پر کیا ——— اللہ تعالیٰ آپ کے صدق و خلوص کو قیام و دوام عطا کرے۔ اور میرا ایسا ساتھی بنائے جس پر میں اور تاریخ فخر کریں ——— آمین ——— صدق و اخلاص کے پیکر انسانوں کی تلاش میں بارہ سال تک میں پاکستان میں مارا مارا پھرتا رہا ہوں۔ آپ پہلے نوجوان ہیں جس نے میری رفاقت پر کمر ہمت باندھی ہے اللہ تعالیٰ آپ کے صدق و خلوص کو بڑھائے اور عزیمت و استقلال عطا کرے۔ آمین ——— زدوبدو

مسلمانوں کو جان و مال نہیں بلکہ اللہ و رسولؐ پیارا ہونا چاہیئے۔ اسی طرح نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ وغیرہ مقصدِ اسلام نہیں، بلکہ اعلیٰ انسانی اخلاق و روحانیت تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ شعائرِ اسلامی end نہیں بلکہ means ہیں۔ اعلیٰ انسانی کردار کے حصول کے لیئے مختصر یہ کہ اسلام کا مقصد کائنات کی تمام چیزوں کو مسخّر کر کے اللہ و رسولؐ کے بتائے ہوئے راستوں میں انسانی عظمت و سربلندی کے لیئے استعمال کرنا ہے۔ اقبالؔ نے اسی بات کو یوں کہا ہے :۔ ۵۰

ہرکہ او را قوّتِ تخلیق نیست
پیشِ ما جز کافر و زندیق نیست

اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتے ہوئے ہمیں ہمیشہ سچ بولنا چاہیئے۔ اور امانت و دیانت کی زندگی گزارنی چاہیئے۔ پاکستان کا تمام مسلمانوں کے لیئے باعثِ رحمت سمجھیئے۔ ہمیں پاکستان کو مضبوط بنانا چاہیئے تاکہ ہم یہاں سے ساری دنیا میں اسلام پھیلا سکیں ——

—— ہم اپنا روحانی ورثہ بھی کھو بیٹھے ہیں اور مادی ترقی میں ہم روس و امریکہ سے تین صدی پیچھے ہیں۔ افسوس ہے کہ ؎

"قومی بہ جد و جہد گرفتند وصالِ دوست
قومی دگر حوالہ بہ تقدیر می کنند"

سب سے بڑا کام میرے سامنے یہ ہے کہ میں اپنوں اور غیروں کو یہ

دنیا پر غلبہ بھی حاصل کریں۔ دین بھی اللہ تعالیٰ کا ہے اور دنیا بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اور دونوں ہم انسانوں کے لیے ہیں ———

——— میری مخلصانہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پابند صوم صلوٰۃ بنا دے اور آپ کے کردار کو اور چمکا دے۔ آمین

افسوس ہے کہ آپ کا قیام مختصر رہا اور گفتگو تفصیلی نہ ہو سکی مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سے ایک تو وہی بات ہے جو آپ نے پہلے خط میں تحریر فرمائی تھی۔ کہ ہمارے علماء اور پیروں نے اسلام کو مسجدوں اور خانقاہوں میں محصور کر رکھا ہے یہ بھی ہماری غلطی ہے کہ ہم نے دین کو دنیا سے اور دنیا کو دین سے جدا کر رکھا ہے۔ زمانہ یعنی Time کے متعلق صحیح سوجھ بوجھ نہ ہونے کے باعث ہم نے سلف پرستی اور ماضی پرستی شروع کر رکھی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ماضی، حال مستقبل یعنی پورے زمان کا خالق و مالک ہے Time کی Continuity یعنی تسلسل کا تصور سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ جدید و قدیم

دنیا اور دولت کی محبت ہمارے دلوں میں اس قدر گھر کر گئی ہے کہ توحید و رسالت پر ہمارا عقیدہ بالکل سطحی اور رسمی بن کر رہ گیا ہے۔ دولت زندگی کا مقصد نہیں بلکہ خدمت انسانیت کا ذریعہ ہے

طلوعِ اسلام
قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر
مورخہ ۷ جنوری سنہ ۶۱ء

محترمی! السّلام علیکم

آپ کا خط مجھے مل گیا تھا۔ یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کا سٹڈی سرکل کمیونزم، لادینی اور تہذیبِ فرنگ کے طوفان کو روکنے کے لیے اپنی بساط بھر کوشش کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ نوجوانوں کے عزائم میں برکت عطا فرمائے۔ ہماری نسل میں آپ جیسے نوجوانوں کی موجودگی ہمیں مستقبل کی طرف سے مایوس نہیں ہونے دیتی۔

آپ کا یہ منصوبہ بھی قابلِ ستائش ہے کہ اس قسم کی تصنیف ہونی چاہیئے جس سے مغربی مستشرقین کے اسلام کے خلاف اعتراضات کے اطمینان بخش جوابات دیئے گئے ہوں اور یہ کہ اس کی اشاعت عام کی جائے۔

والسلام

پرویز

۱/۶۱

یقین دلاؤں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ایک حقیقت اور یہ کہ وہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ بندوں کو ایک حد تک (Free will) حاصل ہونے کے باوجود آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

دوسرا کام یہ ہے کہ ہم دنیا کو یقین دلائیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اسوۂ حسنہ پر چلے بغیر بنی نوع انسان کی نجات ناممکن ہے ——
———— اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان اور علم و عمل کی دولت سے مالا مال کرے۔

آمین والسلام

مخلص :-

نازی سراج الدین منیر
لائل پور

بسم اللہ

۱۸ دسمبر ۱۹۶۰ء

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

لفافہ پہنچا۔ یاد فرمائی کا شکریہ

بڑی مسرت ہوئی کہ مسلم معاشرہ میں آپ جیسے حساس دل و بیدار مغز دماغ افراد پیدا ہو رہے ہیں۔ جن سے بڑی توقعات وابستہ ہیں اور مستقبل قریب میں آپ ہی جیسے حضرات سیادت اور قیادت کے اہل قرار پائیں گے۔

بالخصوص آپ کے مضمون[1] کو پڑھ کر خوش آئند مستقبل کی بشارت دینے کو جی چاہتا ہے۔

اللّٰھم زد فزد

والسلام

محمد تقی امینی

دارالعلوم معینیہ درگاہ شریف
اجمیر

---

[1] "اقبال کا اسلامی نظریۂ ریاست سیاست": المیزان، مجلہ ادبیہ پنجاب یونیورسٹی لا کالج لاہور

"صدق جدید" دریاباد ضلع بارہ بنکی
یو-پی - انڈیا
۲ر نومبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

عزیزم مکرم! وعلیکم السلام

طویل مکتوب، اور اس کے ساتھ پڑھ کر طویل و عریض منشور manifest موصول ہوا۔ پورا پڑھنے کے لیے مستقل وقت لگانا پڑا۔ جزاک اللہ۔ لیکن اگر آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس طرح کی کوئی جامع برطرح فاضلانہ کتاب یا انسائیکلوپیڈیا، چند گھنٹوں، چند دنوں یا چند ہفتوں میں قلم برداشتہ لکھی جا سکتی ہے تو یہ خیال تمام تر خام ہے۔ اس کے لکھنے کے لیے پورا وقت دینے اور تلاش، تحقیق، تدوین، اگر برسوں نہیں تو مہینوں تو بہرحال دینے کی ضرورت ہے۔

اپنی اردو تفسیر پر جو کہ مفصل، نظر ثانی کر رہا ہوں امید ہے کہ اس سے بھی منشیہ سوالات پر ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی جائے گی، لیکن ظاہر ہے کہ وہ محض ضمنی یا اجمالی ہوگی۔ تفصیلی تحقیقی جواب کیلئے کسی اور صاحب قلم کو آمادہ کیجئے۔ شرعی یا کسی حد تک معلوماتی امداد میں کچھ خدمت کر سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ کا نہ اہل ہوں نہ وقت رکھتا ہوں۔

دعاگو:- عبدالماجد
دریاباد ضلع بارہ بنکی

L 6347 ۸۶

ہے وہ اسلام کو نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن جو کوئی بھی اُن کی سیرت کا گہرا مطالعہ کریگا وہ قرآن اور اسلام دونوں کو اچھی طرح سمجھنے کی اہلیت حاصل کر لیگا۔ مختصر یوں سمجھئے کہ رسول کریمؐ کی ذاتِ گرامی عملی طور پر اسلام کا ایک جیتا جاگتا اور مکمل نمونہ ہے۔ اسلام حقیقت میں ایک دینِ فطرت ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی رہنمائی اور بہتری کے لیے اس دنیا میں ایک لاثانی دستور العمل پیش کیا تاکہ انسان اس کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں برتے اور انسانیت کا وہ نمونہ پیش کر سکیں جس کا اشارہ خود انسان کی تخلیق کے فلسفہ میں بھی موجود ہے۔ اسلام صرف ظاہری رسم و رواج کا نام نہیں بلکہ اس کے اندر ایک عملی روح پوشیدہ ہے۔ نماز روزہ، زکوٰۃ اور حج، یہ سب ارکان انسان کو روحانی اور اخلاقی بلندیوں اور بہتری پر پہنچانے کا زینہ ہیں اور ان ارکان کی پابندی کی بدولت اسلام کے ذریعہ مسلمان انسانیت سے زیادہ قریب ہو جاتے ہیں۔ جب ہم کسی کی وفات کی خبر سنتے ہیں۔ تو ہم فوراً کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ (ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے) اور صرف اسی ایک جملہ سے انسان کی زندگی کی حقیقت اور اس کی اصلیت کے راز سے واقف ہو جاتے ہیں۔ دہریوں کی طرح ہم مسلمان اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ نہ ہم کہیں سے آئے ہیں اور نہ ہم بعد مرنے کے کہیں جائیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ خالق کل ہے جو قادرِ مطلق بھی ہے اور جو سمک سے لیکر لامکاں تک اور اس سے بھی کہیں آگے

۷۸۶

ابتداء اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے

پیش لفظ

اسلام سے متعلق اس دلچسپ اور مفید عام کتاب کا "پیش لفظ" لکھنے میں مجھے بڑی خوشی محسوس ہوئی ہے جو میرے عزیز قاضی۔ ایم محی الدین صاحب لکھنوی نے تالیف کی ہے۔ میں ان کو گذشتہ چار سال سے جانتا ہوں اور وہ ایک ذہین اور محنتی انسان ہیں۔ گو میں وقت کی کمی کے باعث کتاب ہذا کا مسودہ تو نہیں پڑھ سکا۔ لیکن وہ چونکہ ایک راسخ العقیدہ اور پرخلوص مسلمان ہیں۔ لھٰذا میں خیال کرتا ہوں کہ انھوں نے کتاب ہذا میں کوئی ایسی چیز پیش نہیں کی ہوگی۔ جو قرآن مجید اور سنت رسولؐ کے مطابق نہ ہو۔ لیکن یہ بات بھی نظر انداز نہیں کیجا سکتی۔ کہ وہ ایک انسان ہیں اور بحیثیت ایک انسان کے اُن سے کبھی سہو اور غلطی سرزد ہونیکا احتمال ہے۔

" اسلامؐ دین الٰہیہ کے نزول کے سلسلہ میں آخری مکمل دین اور جامع ضابطۂ حیات جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ رسول کریمؐ نے اپنے اقوال کو مکمل طور پر عملی جامہ پہناکر خود اس کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جو شخص رسول کریمؐ کی سیرت سے ناواقف

ایک بہت بڑا اور اہم کام سرانجام دینا ہے۔

لیکن ہم مسلمانوں کی پیدائش کا جو مقصد ہے ہم نے اُسے بالکل بھلا دیا ہے میں نے مبلّغ اسلام کی حیثیت سے جگہ جگہ کا سفر کیا ہے۔ اور ہر طرح اور ہر خیال کے لوگوں سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کا حکم اولین کیا ہے۔ یقین کیجئے کہ ان لوگوں میں سے جن سے میں نے اس سوال کے متعلق استفسار کیا۔ کوئی بھی اس کا جواب نہ دے سکا۔ اب تک میں نے پاکستان میں لاکھوں مسلمانوں کو اس امر سے آگاہ کیا ہے کہ قرآن مجید میں پہلا حکم جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے وہ سورۃ "العلق" کی پہلی پانچ آیتوں میں موجود ہے،

"پڑھو خدا کے نام سے جو پیدا کرنے والا ہے۔ اور جس نے پیدا کیا انسان کو ایک قطرہ سے اور پڑھ کہ تیرا خدا بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا اور اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔" XCVI

ہر مسلمان مرد اور عورت کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے متعلق ہر قسم کی معلومات اور واقفیت بہم پہنچائے۔ ہر علم کا مبداء اللہ تعالیٰ ہے، کیونکہ

ہر چیز کا مالک ہے اور قدرتِ کاملہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں بار بار بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قدرتِ تمام رکھتا ہے اور وہ مالکِ کل بھی ہے۔ انسانی جسم میں روح اور اس کے علاوہ عقل انسان کو اشرف المخلوقات بناتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ فرشتوں کو حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس طرح اس کے لیے یہ اعزاز کافی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ قرآن مجید میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ خالق نے مخلوق کو ایک خاص منصوبہ کے تحت پیدا کیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہم اس عملِ تخلیق کو ایک سرسری نظر سے نہ دیکھیں اور نہ ہی آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کو: کیا ہم نے زمین اور آسمانوں کے درمیان جو حرکت پذیر ہے۔ پیدا نہیں کیا"۔ (۱۶ : ۲۱)

انسان کی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے قادرِ مطلق اور خالقِ کل کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کی کوشش کرے کہ اللہ کی مخلوق میں اس کا درجہ اور مرتبہ کیا ہے؟ یہ ہمارا فرضِ منصبی ہے کہ ہم اس دُنیا میں ہر چیز کو پرکھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور نیز اس کا صحیح استعمال اور مقام تلاش کریں۔ کیونکہ مکھیوں اور مچھروں کو پیدائش کے پس پشت بھی ایک مقصد کارفرما ہے۔ اسی طرح اسلام "ترکِ دُنیا" کو منع کرتا ہے۔ یعنی وہ تارک الدنیا ہونیکا حکم انسان کو نہیں دیتا۔ کیونکہ ہم مسلمانوں کو خدا کی کائنات میں

سائنس کو بُرا سمجھتے ہیں اور اسے نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں۔ ہر مسلمان کو اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے کہ سائنس بھی ایک علم ہے اور بعض اشیاء ان کے خواص ان کی ہیئتِ مجموعی اور ان کے استعمال وغیرہ کا اجتماعی نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے دنیا میں پیدا کی ہیں۔

کوئی شخص آگ کو بُرا نہیں کہتا جو اچھے اور بُرے دونوں مقاصد کے لیے کام آتی ہے۔ جب ہم ایک چیز کو اچھائی کے لیے یعنی تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں تو ہم احکامِ خداوندی کو بروئے کار لاتے ہیں اور اگر ہم اس چیز کو ایک غلط طریقہ سے اور تخریبی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں تو ہماری فطرت شیطانی طاقتوں کو بروئے کار لانے میں صرف ہوتی ہے اس لیئے سائنس کے انکشافات اور ایجادات میں کوئی خرابی یا بُرائی مضمر نہیں ہے بلکہ وہ بُرائی یا خرابی ہماری ہی ذہنی خلش ہے جب ہم کسی چیز کو کسی تخریبی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہونے کی وجہ سے ہم کو چاہیئے کہ ہم اس کی تخلیقات کو مفید اور کارآمد مقاصد کے لیے استعمال کریں۔

صرف اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ اللہ تعالےٰ کس حسن و خوبی سے کون و مکان اور ارض و سماء کی تخلیق اور دُنیا میں زندگی کے آثار کے بارے میں بیان فرماتا ہے۔

"کیا وہ جو کہ یقین نہیں رکھتے جانتے ہیں کہ ارض و سما ایک تھے ہم نے اُن کو جدا کیا اور ہم ہی نے ہر جاندار شئے پانی سے بنائی۔ کیا وہ پھر بھی یقین نہیں کریں گے"

۲۱ : ۳۰

قرآن پاک کلام اللہ ہے۔ اور تمام مخلوق اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ روئے زمین پر اللہ تعالےٰ کے ارشاد اور احکام میں کیسے فرق ہو سکتا ہے۔ جبکہ حکم (کلام) بھی اس کا ہے اور حاکم بھی وہی ہے۔ ہم آج اسلام شناسی سے اس قدر دُور ہو گئے ہیں اور ہمارا خیال ہوتا ہے کہ سائنس شاید کوئی شیطانی کارنامہ ہے۔ جب میں مسلمانوں سے پوچھتا ہوں کیا شیطان نے کوئی چیز پیدا کی ہے؟ تو فوراً جواب ملتا ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں!! لیکن اس کے باوجود وہ

اور تم اس کی عنایات اور برکات کے طلبگار رہو اور تم کو اس
کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اس نے تمہارے واسطے بے شمار اور
بے حساب نعمتوں کو جائز کیا۔ اور جو کچھ اس دنیا و ما فیہا میں
ہے وہ سب اسی کا ہے اور اس سے ہی ہے اور یہ سوچنے
والوں کے لیے محلِ غور و فکر ہے۔ (X ۱۳۱-۱۱ : [illegible])

ہمارے لیے رسول کریمؐ کے معراج کی بڑی اہمیت ہے انہوں نے معراج
کے سفر اور اس آمد و رفت کے سلسلہ میں زمان و مکان کی حقیقت سے
ہمیں آگاہ کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ "مقامِ معراج" اور عرشِ معلیٰ رب العلیٰ
تک وہ اتنے قلیل عرصہ میں پہنچے کہ جب وہ واپس تشریف لائے تو

۱۔ اُن کے مکان کے دروازے کی زنجیر ہل رہی تھی

۲۔ اُن کا بستر استراحت ہنوز گرم تھا۔

۳۔ ان کے وضو کا پانی ہنوز بہہ رہا تھا ——— اور یہ اس لیے
کہ آپ کی سواری یعنی براق کی رفتار اتنی زیادہ تیز تھی کہ اس کے ایک قدم
کا فاصلہ حدِ نظر سے زیادہ تھا۔ کچھ مسلمان علماء نے نظریہ اضافیت کو
اسی سبب سے دنیا کے سامنے پیش کیا نہ کہ البرٹ آئن سٹائن نے۔
مادی دنیا کو نہ تو نگاہِ حقارت سے دیکھنا چاہیئے اور نہ ٹھکرانا چاہیئے
کیونکہ یہ تمام عالم کی تخلیق کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ ہم کو اس دنیا میں اپنی جگہ
اور اپنا مقام قرآن اور سنتِ رسولؐ کی روشنی میں تلاش کرنا چاہیئے
اور تمام دنیا کے مقابلہ میں اس کو حاصل کر کے اپنی فوقیت اور برتری

"وقت" (زمان) ہمارے لیے کوئی اجنبی چیز نہیں وہ انسان اور غیر انسانی اجسام کا ایک جُزو ہے۔ دن و رات کا ہونا اسی پہ ہی منحصر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے جو سورج چاند اور زمین وغیرہ کی حرکات سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ ہم قرآن کی مندرجہ ذیل آیات کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔ "زمینوں اور آسمانوں کا اصلی فرمانروا اور بادشاہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہی قادرِ مطلق ہے۔ ارض و سما کی تخلیق اور دن و رات کا ظہور اس کی قدرتِ کاملہ کی علامتیں ہیں کیونکہ ذی فہم اور سمجھدار لوگ جو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہیں وہ کھڑے بیٹھے یعنی ہر حالت میں آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے متعلق غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے پروردگار تو نے یہ چیزیں بے کار نہیں بنائیں۔ سب بزرگی عظمت اور کبریائی صرف تیری ذاتِ پاک کے لیے مناسب اور موزوں ہے اور تو ہمیں بربادی کی آگ سے بچا۔" (۳: ۱۸۹-۱۹۱)

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم انسان اس کی کل مخلوق پر حکومت کریں اور اس آیت سے فضیلت انسانی صاف اور نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے یہ تنبیہ اور آگاہی کے واسطے ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی باتوں پہ یقین نہیں کرتے اُن کے لیے تباہی اور بربادی ہے اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے جہاز بنائے اور ان کو سمندروں پہ چلایا

جائزہ خیال نہیں کرتے۔ میں یہ بات بخوبی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں محض اسلام کے نام یا چند اور دور افکار باتوں کی تبدیلی کا حامی نہیں ہوں۔ لیکن میں اس بات کا بڑا حامی ہوں کہ بدلتی ہوئی دُنیا کے تقاضوں کے ساتھ ہمیں بھی چلنا چاہیئے۔ بشرطیکہ وہ راہِ راست ہو۔ ماضی ہمارے لیے ایک اچھا رہنما ثابت ہو سکتا ہے جبکہ ہم اپنے حال اور مستقبل کو حالات اور زمانے کے مطابق ٹھیک طور پہ ڈھالیں۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ میں ایسے مفکروں سے مؤدبانہ طور پر معافی کا خواستگار ہوں۔ اسلام کو نہ صرف زمانۂ حال کے تقاضوں کے مطابق بغیر کسی خاص بنیادی تغیر و تبدل کے اختیار کریں۔ بلکہ ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں کہ لوگ عملی طور پہ اسلام سے مستفید اور مستفیض ہوں نہ کہ صرف "اسلام" کتابوں میں اور لوگوں کی زبانوں پر ہو۔ ہم عمل کے مسلمان بنیں اور خالی باتوں کے دھنی نہ بنیں۔ احساسِ کمتری جو ہم میں بدرجہ اتم موجود ہے اس کو یکلخت ترک کرنا چاہیئے کیونکہ ہم خدا کے بندے اور رسولِ کریمؐ کے غلام ہونیکے شرف سے بہترین انسان ہیں۔ نہیں بلکہ اگر ہم حقیقت میں

کا ثبوت فراہم کرنا چاہیئے اور زندہ رہنا چاہیئے۔ کیونکہ ہم سب اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اس کی ہی طرف جانا ہے۔

میں قاضی محی الدین صاحب کی تالیف "اسلام بیسویں صدی میں" کا بڑا معترف اور مدّاح ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کے پڑھنے والے بھی اسلام کے اصلی سر چشمے سے یعنی قرآن حکیم اور سیرتِ رسولِ کریمؐ کے عمیق مطالعہ سے اچھی طرح اپنی پیاس بجھائیں گے، ہمارا مقصد بنی نوع انسان کی رہنمائی کرنا ہے اور اُن کی خوشی اور بہبودی میں اضافہ کرنا ہے۔ موجودہ دنیا میں اسلام کو ایک بہت زبردست روحانی اور اخلاقی کردار ادا کرنا ہے۔ ہم لوگ جو مسلمان ہیں اُنہیں چاہیئے کہ وہ پھر ایک دفعہ متحد ہو کر ذات پات کے جھگڑوں کو مٹائیں۔ کیونکہ تمام انسان حضرت آدم اور حضرت حوّا کی اولاد ہیں۔

اب جبکہ مغربی تہذیب کا دیوالہ نکل چکا ہے اور مستقبل قریب میں وہ فنا و برباد ہونے والی ہے۔ تو پھر دنیا کی پیشوائی اور رہنمائی کا کام مسلمانوں کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے یہاں پر ایک نکتہ مزید قابلِ غور ہے۔ اسلام خدائے باقی اور غیر فانی کی طرف سے بنی نوع انسان کے لیے ایک تحفہ ہے۔ اس لیے اسلام کو بھی فنا نہیں ہے۔ ہم اسلام کو اب تک ایک محدود قسم کا مذہب سمجھتے ہیں اور بدلتے ہوئے حالات میں بھی بعض اہم اور ضروری تبدیلیوں کو بھی جگہ دینا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

باب اوّل

اسلام اور خارجی اثرات

"اسلام" نے انسانیت کے سامنے ایک مکمل ضابطۂ حیات پیش کر کے خطۂ عرب کی پس ماندہ قوم کو ایک اعلیٰ کردار کے سانچے میں "اُمتِ مسلمہ" کے نام سے ڈھالنے کی جو سعی کی اُس کے نتائج میں اقوامِ غیر اور قیصر و کسریٰ کی نامور سلطنتیں زیر نگیں ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں۔ یہ فتوحات شمشیر سے کہیں زیادہ اخلاقی اور روحانی قدروں اور مسلمانوں کے اعلیٰ اوصاف و کردار کی مرہونِ منت ہیں کیونکہ اسلام کی سیلانی حالت کے مقابلہ میں بوسیدہ عقائد فرسودہ نظام اور تحریف شدہ

مسلمان ہوں تو اللہ تعالےٰ کے منتخب اور برگزیدہ بندے ہیں۔
میں ایک بار پھر قاضی ایم محی الدین صاحب لکھنوی کی
کوششوں کو سراہنا چاہتا ہوں تاکہ ہماری نسل کی نئی پود دین اسلام
سے زیادہ رغبت اور دلچسپی پیدا کر سکے۔ اور اس کے زریں
اصولوں پر چل کر اپنی زندگی کو اس دنیا اور اس کے بعد بھی
کامیاب بنا سکیں۔

غازی سراج الدین منیر اعظم گڑھی
صدر تحریک اسلام والمجاہدین پاکستان

لائل پور، مغربی پاکستان

۸ اگست سنہ ۱۹۶۱ء

بھٹکا ہوا مغلوب اقوامِ مغرب ہے؟

مسلمانوں کے زوال کی ابتدا، اُس وقت سے ہوتی ہے جب اسلامی نظامِ خلافت کی جگہ نظامِ ملوکیت" لے لیتی ہے اور اس طرح مسلمانوں سے "آئین" کا چھن جانا اُن کے انحطاط کا باعث بنا۔ اس دورِ ملوکیت کی فتوحات میں کردار کی جگہ شمشیر سے کام لیا گیا اور اس طرح دور دراز علاقوں کے مکیں یا غیر مذاہب کے افراد کو مفتوح کر کے ایک طرف تو اسلام پیش کیا جاتا لیکن اُس کے سودے میں اُن کا کلچر اُن کی رسُومات اور ان کی تہذیب خریدی جاتی۔ یہی خارجی اثرات آگے چل کر اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کی ذلت پشیمانی اور خود فریبی کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ اس طرح اسلام میں جب ایک نیا عنصر ملنا شروع ہوا تو اختتامِ خلافت کے چند ہی سال بعد اُس نظریاتی تضاد اور بدعتی ماحول میں "یزیدیت" پرورش پاتی ہے۔ جس کے دور رس نتائج صرف نگاہِ حق اور چشمِ بصیرت ہی بھانپ سکتی تھی۔ پس رسُول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم اور خلفائے راشدین کے بعد اسلام جس کس مپرسی کی حالت کا شکار ہو رہا تھا اُسے اس سے بچانے کیلئے ایک عظیم قربانی ناگریز تھی ــــــ اس طرح اِس قربانی کے لئے وہ خون کام میں لایا گیا جس کی آبیاری دورِ نبوت میں رسولِ خدا صلعم کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ لہٰذا اُن خارجی نظریات کے خلاف اسلام کی حمایت میں آوازِ حق کس مقصد کے تحت بلند کی گئی؟ ــــــ کیا مذہبی عقائد یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں فرق آگیا تھا جس کیلئے اہل بیت کے ایک ایک فرد کو جان نثار کرنی پڑی؟ ــــــ کیا رسولؐ کے نواسوں کو ذاتی شان و شکوہ اور حکومت کا لالچ تھا جس کے لئے اُس ماحول کے خلاف آوازِ حق بلند کی؟ ــــــ نہیں! ــــــ بلکہ یہ آوازِ حق اسلامی آئین کے بدل جانے کے خلاف تھی آپ غلبہ اسلام میں نئے عنصر کا میکسچر دیکھنا کس طرح گوارا کر سکتے

مذہب کے علمبردار خس وخاشاک کی طرح بہ گئے۔ ایک فاتح قوم کی حیثیت سے مسلمانوں نے
مفتوح اقوام سے سلوک و برتاؤ پر انسانی قدروں کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اگر وہ
غیر مذاہب کے افراد کو مذہبی و شہری آزادی دینے یا اُن کے مال وجان کی حفاظت کرنے
سے قاصر رہتے تو اُن سے وصول کیا ہوا جزیہ تک واپس کر دیا جاتا۔ بیرونی یلغار سے ان اقلیتی
فرقوں کو بچانے کے لئے فقط مسلمان ہی سینہ سپر ہو کر جان کی بازی لگا دیتے تھے۔ آج کی
مہذب تعلیمیافتہ و ترقی یافتہ قوم جس نے ایٹم بم جیسی طاقت ہاتھ آجانے پر ہیروشیما و ناگاسا
کی پرگرا کر تین لاکھ افراد کو موت کی نیند سُلا کر آئندہ نسلوں تک کو تباہ کرنے سے گریز نہ کیا
کے مقابلہ میں وہ عرب جو کہ بربری اور جاہل قوم کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ اسلامی
جھنڈے تلے فتح مکہ کے وقت اپنے ان دشمنوں، جنہوں نے دس سال قبل انہیں جلاوطن
کر کے ہر قسم کے ظلم و استبداد و آلام و مصائب کا نشانہ بنایا تھا۔ کہ خون کا ایک قطرہ تک بہائے
بغیر نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اسلام کے دشمن عظیم ابوسفیان کے گھر کو "دارالامن" بنا دیا۔ اپنے
دورِ فتوحات کے وقت کسی مفتوحہ قوم کے بوڑھوں، لاچار و اپاہج خواتین و بچوں پر ظلم و تشدد
کا ہاتھ نہ اٹھایا۔ انہوں نے ان کی فصلیں اور ہری بھری کھیتیاں نہ جلائیں۔ یہ کردار اس
مذہب کے پیروکاروں کا تھا جس نے غلام و آقا کو ہم رُتبہ کر دیا مقتول اور قرض داروں
کو معاف کر دیا اُس نے عورت کو معاشرہ میں ایک باعزت مقام عطا کیا جس نے انسان کو
انسانیت کی معراج عطا کی جس نے ایک ضابطۂ حیات دے کر انہیں صراط مستقیم پہ گامزن
کیا جس نے اعزہ و اقربا، شان و شوکت، مال و دولت پر اسلام کو ترجیح دینا سکھایا۔۔۔ لیکن
آج حق و انصاف کی داعی اعلیٰ کردار کی حامل "امتِ مسلمہ" کی ناکامی کی آخر وجہ؟ آج کیوں
مسلمان اپنے اسلاف کے کردار کو فراموش کر کے ذلت و تاریکی کی اتاہ گہرائیوں میں

عالم انسانیت کے لئے وہ قانون چھوڑا جس کے اعلیٰ معیار پر انسانیت اگر آئندہ دو ہزار سال میں بھی آجائے تو یہ بڑی باعثِ مسرت کامیابی ہوگی۔"

آج جس قدر افریقہ میں اسلام کی تبلیغ کی ضرورت ہے اسی شدت کے ساتھ امریکہ و یورپ کے لوگوں کو اسلامی ضابطۂ حیات سے روشناس کرانے کی۔ لیکن افسوس ہے کہ دینی تبلیغ پر اقوام مغرب مسلمانوں کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر کس طرح اسلام کی طرف راغب ہو سکتی ہیں ؟ ـــــ آج بھی اگر مسلمانوں کے تمام فرقے بالخصوص اہل تشیع و اہل سنت جو کہ سب ایک ہی شاخ کے پروردہ ہیں خود غرضی، تنگ نظری، تعصب اور تبرے بازی سے باز آکر اپنے ذہنوں میں ہم آہنگی پیدا کریں تو یہ کیسے ناممکن ہے کہ یہ درخت پھر بارآور نہ ہو ؟ اور جس کے پھلوں کی مٹھاس اور رحمتوں، برکتوں کی شگوفہ بار ی میں اقوام غیر بھی خوشہ چینی پر مجبور نہ ہوں؟ اس عظیم مقصد کے لئے شریعت کی حدود اور اسلام کے بنیادی اصول جن پر تقریباً سب کا ایمان اور اعتقاد ہے کو برقرار رکھتے ہوئے حالات و افکار و نظریاتی کشمکش میں اجتہادی راہیں نکال کر ذلت خواری جہالت اور تنگ نظری پر مبنی فرقہ بازی اور فروعی اختلاف سے بالاتر ہو کر اجتماعی طور پر انسانیت کی اس معراج کی طرف پرواز کریں جس کی راہ دنیا کے مکمل ترین شخص اور اللہ کے آخری پیغمبر نے دکھائی کیونکہ اس معراج انسانیت تک رسائی سوائے اسلام کا سہارا لئے کسی اور مذہبی نظریہ، یا ازم کے توسط سے ممکن نہیں کیونکہ ہم نے دیکھ لیا کہ مسلمانوں کے زوال کے بعد اب تک اس ترقی یافتہ، مہذب تعلیمی سائنسی اور ایٹمی دور میں بھی انسان کو اصل معراج نصیب نہ ہو سکی۔ اسی لئے آج اس دنیا میں پس ماندہ اقوام کی فلاح ترقی اور انسانیت کی بہتری اور اُلجھے ہوئے مسائل کو حل کرنے کی بجائے وہ ستاروں کی طرف راہ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے۔ جس طرح ایٹم اور

تھے؛ آپ نے یہ بھانپ لیا تھا کہ جس قوم کا بنیادی آئین تبدیل ہوجائے وہ قوم اپنے اصل مذہب، تمدن اور اعلیٰ اوصاف کردار سے محروم ہوجاتی ہے۔ اور یہی فلسفۂ شہادت ہے۔ کیونکہ ہمیشہ قربانی کے بعد ہی نظریات کو جلا ملتی ہے۔

"اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ مسلمان اُس وقت غور کرتے کہ اسلام کیا تھا اور کہاں پہنچا دیا گیا؛ غیر اسلامی خارجی عناصر کو پھونک دیا جاتا اور اپنی قوتِ کردار سے پرچمِ اسلامی کی سربلندی کے لئے متحد ہو کر سرخروئی حاصل کی جاتی۔ لیکن بدقسمتی سے امت فلسفۂ کربلا کو فراموش کر کے اپنی بدحالی اور بے سروسامانی کا ماتم کرتی رہی اور اس گریہ وزاری میں امام حسینؑ کے اس مقصد کو جس کے لئے انہوں نے صدائے حق بلند کی تھی پس پشت ڈال دیا۔ اس طرح تقویٰ اور جہاد کا دامن چھوڑ کر صرف ہر سال سابقہ ظلم و تشدد کے ماتم پر اکتفا کر کے امتِ مسلمہ کی یکجہتی پس پشت ڈال کر آئندہ نسلوں کو متحد ہو کر ایک ذہن سے سوچنے اور مداوا تلاش کرنے کیلئے ہمیشہ کو مایوس کر دیا۔ تفرقہ بازی کی اس ابتدا سے بچا کھچا گروہ مختلف خیالات و نظریات کے حامل اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مساجد بنا بیٹھے۔ انہوں نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے تقاضوں کو سمجھنے کی کبھی تکلیف گوارا نہ کی اور ہر مقلد اپنے ائمہ گروہ اور فرقہ کے اصولوں پر شدومد سے اس طرح اڑ گیا کہ اجتہاد کا دروازہ ہی اسلام پر بند ہو گیا۔ اسلئے تباہی، ذلت اور خرابی کی راہ پر کچھ ایسے گامزن ہوئے کہ دنیا میں اپنا ہر مقام اعزاز، حکومت، سرداری سب کچھ اقوامِ غالب کو سپرد کر کے اپنے ذہن اور افکار تک کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا ——— اس کے بعد آج تک دنیا کو انسانیت کا وہ اعلیٰ معیار نصیب نہ ہو سکا۔ جس کی تعریف میں پروفیسر سپیرل صدر لاء کالج جنیوا ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"پوری نسل کو اسلام کے پیغمبر محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) پہ فخر کرنا چاہیئے کیونکہ آپؐ نے

اور نئے تقاضوں کے مطابق تیئس سال میں وقتاً فوقتاً نازل فرمائے. لہذا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بدلتے ہوئے تقاضوں کے تحت اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں رہ کر اجتہاد کرنے کی اور اپنے حالات کے مطابق حل تلاش کرنے کی اجازت ہے اور سابقہ اجتہادی فیصلوں کو نئی اسلامی آئینی حکومت اپنے علاقے و نئے حالات اور ماحول کے مطابق ڈھال سکتی ہے اجتہادی فیصلے مسائل کا حل اور شریعت کی حدود کی صراحت ہمیں صرف نصوص قرآنیہ سے ہی ملتی ہے ـــــ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مکمل ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے قرآن ایک اصول یا جہاں ضرورت ہو تھوڑی تفصیل پیش کرتا ہے لیکن ضابطہ ہائے زندگی کے تمام اصولوں کی تفصیل اور جامع ہدایات تفصیلاً موجود نہیں اس کے لئے ہمیں احادیث یا قرآن کی تفسیر پر تکیہ کرنا پڑتا ہے اس طرح قرآنی آیات کی تاویلات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے. تاویلات اور تفسیر بیان کرتے وقت مختلف علماء نے تنگ نظری، خود غرضی اور کسی نظریہ یا عقیدے سے لگاؤ کی وجہ سے ایک ہی آیات کی مختلف تاویلیں کیں چونکہ عوام کو ان تاویلات پر تکیہ کئے بغیر چارہ نہ تھا اس طرح غلط تاویلات کرکے بعض علماء فرقہ بندی کا موجب بنے اور اس طرح ملتِ اسلامیہ جذباتی نعروں کا شکار ہو کر فرقہ بندی میں پھنس کر رہ گئی. غلط تاویلات کا دوسرا سبب یہ ہے کہ مفسرین عربی زبان میں ملکہ نہ رکھنے اور اس زبان کی سلاست، فصاحت و بلاغت اور محاورات صرف و نحو پر عبور حاصل کئے بغیر ان آیات قرآنی کی افہام و تفہیم کے میدان میں اتر تو آئے لیکن اس زبان کی روح کو پہنچنا ایک عجمی کے بس کی بات نہ تھی نیز یہ کہ کلام الٰہی ہونے کی وجہ سے خود عرب ماہر زبان تک آیات قرآنی کی ایک ہم شکل آیت بھی پیش کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اسی لئے قرآن میں فرمایا گیا کہ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (بنی اسرائیل)

ہائیڈروجن بموں، جاسوسی (Espionage) سرد جنگ اور نظریات کی کشمکش نے اس دنیا کا امن وچین تلپٹ کر رکھا ہے۔ شاید یہی حشر سیاروں اور ستاروں پر بھی برپا کرنے کی اُن سے توقع کی جاسکتی ہے۔ آج انسانیت جس کرب وبلا سے افریقہ، الجزائر و دیگر خطوں میں تڑپ رہی ہے اس کی موجودگی میں یہاں انسانیت کو معراج نصیب نہ ہو سکی تو خلائی تلاش سے کیسے ممکن ہے؟ ——— لیکن آج امتِ مسلمہ پھر خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنا کھویا ہوا مقام تلاش کرنا چاہتی ہے۔ جس میں اُسے شاید زیادہ دیر نہ لگے کیونکہ اس نے روحانیت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آج ہمارے علماء روحانیت کے ساتھ ساتھ مغربی علوم اور سائنس سیکھ کر اجتہاد کی مدد سے قوم کو از سر نو صراطِ مستقیم پر گامزن کر سکتے ہیں۔ ان کو مساجد میں ممبرِ رسول کا ناجائز استعمال کرنے اور حجروں میں مقید رہ کر اپنی ذہنی اور تخلیقی قوتوں کو مفلوج کرنے کی بجائے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں دور بین لے کر فضا تسخیر کرنا ہوگی تاکہ وہ قوم میں پھر اعلیٰ کردار اور اوصافِ انسانی پیدا کر کے مذہب اور مادیت پسند طبقہ کے درمیان عظیم تفاوت کی دیوار کو گرا کر پرچم اسلام کو چاند اور دیگر ستاروں و سیاروں پر لہرانے کے لئے تیار کر سکیں۔ اور دنیا و مافیہا کا صحیح وارث ثابت کر سکیں۔

آیاتِ قرآنی کی غلط تاویلات

مسلمانوں میں افتراق اور فرقہ بندی کی وجہ بہت حد تک آیات قرآنی کی غلط تاویلات بھی ہے۔ کلام حکیم چونکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس لئے ہر پہلو سے انسان اُس سے راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ چونکہ عربی ایک فصیح اور بلیغ زبان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے احکامات ایک دن یا ایک ہی وقت میں نہیں بلکہ مختلف اوقات میں نئے حالات واطوار

کلام حکیم میں اگر ایک جگہ اللہ تعالیٰ ضمناً ذکر کرتے ہیں تو اُس کے آگے کہیں تشریح و توضیح بھی آجاتی ہے لہٰذا شجرالخلد کا ذکر بھی آگے چل کر قرآن پاک میں یوں ہوا ہے۔

یٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا یَبْلٰى

"دکھا، آدم! بھلا ئیں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی (کا ثمرہ) دے اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو" لہٰذا یہاں گندم، انگور یا کھجور کی تعبیر سے شجرالخلد کا مفہوم ادا نہیں ہو سکتا بلکہ اُس درخت سے یہاں انسان کی اُس جبلّت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کہ ابتدائے آفرینش سے دو چیزوں کی گرفتار خواہش رہی یعنی ایک تو نہ فنا ہونے والی ابدالآباد کی زندگی اور دوسری سلطنت وحکومت یا دوسروں پر سرداری یہی آج بھی انسانی فطرت کا خاصہ ہیں اور یہی دو محرکات ہیں جن سے انسان ہمیشہ خود مختاری دوسروں پر حکومت کرنے کا خواہاں رہنے کے ساتھ ساتھ کوتاہیٔ عمر پر کفِ افسوس مَلتا رہتا ہے پس یہ تھی نفسِ انسانی وجبلّتِ خاکی جسے شجرالخلد میں اللہ تعالیٰ نے سمو دیا جس کی تاویل دانۂ گندم سے نہیں ہو سکتی پھر دوسری جگہ اسی دانۂ گندم کو مفروضہ مان کر یہ تاویل بھی کی گئی (دیکھیے کتاب اختیار و مشیت مرتبہ عزیز الکریم انصاری کراچی صنـ۱۰۱)

غرض جب حضرت آدمؑ جنت سے نکال کر دنیا میں بھیجے گئے تو حضرت جبرائیلؑ آپ کے پاس آئے اور ہل چلانے اور کاشتکاری کے طریقوں سے آپ کو آگاہ کیا" یہاں بھی یہ چیز نہ قرآن سے پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے اور نہ کسی روایت سے کہ کاشتکاری کے گُر سکھانے کی ابتداء اللہ کے ایماء پر حضرت جبرئیل کے توسط سے حضرت آدم کے ہاتھوں ہوئی۔ یہ تاویل تو محض کوتاہ بین ملّاؤں کی ہے جو بجائے خویش "تقدیر و تدبیر" کے موضوع تک کو سمجھنے سے قاصر رہے بلکہ اس موضوع کی بحث اور تجسس سے بھی گریز کرتے ہیں۔

" یہ اس قرآن کی مثال پیش نہیں کر سکتے اگرچہ اس معاملہ میں وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے رہیں"۔ اس طرح قرآنی آیات کی اصل اسپرٹ کو برقرار رکھنے کے لئے ہمیں سابقہ دور کی بے محل و بے مقصد توضیح و تشریح اور غلط تاویلات جس نے ایک ہی لڑی میں پروئی ہوئی امتِ مسلمہ کو تفرقہ بندی اور ہٹ دھرمی کے اتاہ غار میں لا دھکیلا یہ اس پر سطورِ قرآنیہ کی روشنی میں نظرِ ثانی ناگزیر ہے تاکہ یہ مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کا موجب ہو۔ غلط تاویلات کی ایک دو مثالیں ثبوت میں یوں پیش کی سکتی ہیں

(۱) مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے خلد بریں سے نکالے جانے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ جس "شجرالخلد" کا ذکر فرماتے ہیں اُس کی تاویل یوں کی گئی ہے (سورۃ اعراف ۲۰ تا ۲۲)

"جب اُس نے قسم کھا کر کہا کہ دانۂ گندم کھا لینے سے وہ ہمیشہ کیلئے جنت میں رہنے کے مستحق ہو جائیں گے" ——— یعنی شیطان کی قسم کھانے کو حضرت آدم و حوّا نے صحیح جان کر دانۂ گندم کھا لیا اور نافرمانی کی پاداش میں انہیں جنت کو خیرباد کہنا پڑا۔ لہٰذا شجرالخلد کی تعریف "یہاں کے علماء نے تشریح دانۂ گندم سے کی جو کہ ناقابلِ فہم اور متروک ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اس کرۂ ارض کے مختلف خطوں کے مسلم علماء اپنے اپنے علاقوں کی مرغوب غذا کے نام سے ہی شجرالخلد کی تاویل کرتے آئے ہیں کسی نے انگور سے تشبیہ دی تو کسی نے کھجور سے اور ہم ہندیوں نے دانۂ گندم سے تاویل کی حالانکہ سطورِ قرآنیہ کہیں بھی اس کی گواہی نہیں دیتیں کہ وہ درخت "گندم" تھا جس کا دانہ کھانے سے جنت میں قیام ناممکن کر دیا گیا اور ستر ننگا ہو گیا اگر یہی سچ جان لیا جائے تو جو سُرخ و سفید مُلکی و غیر ملکی گندم کا لیل و نہار استعمال کرتے ہیں ان کا حشر کیا ہوگا؟ ——— عربی زبان میں گندم کیلئے "قمح" لفظ موجود ہے لیکن اُسے کیوں اللہ تعالیٰ نے استعمال نہ کیا؟

نبوت اُن پر ختم نہیں ہوتی جوازاً نبی آسکتے ہیں اس طرح کوئی تو نبوت سے انکاری ہے
تو کوئی نبوت کا داعی۔ پس ہم نے دیکھ لیا کہ ان کوتاہ بین علمائے سلف نے غلط تاویلات
سے انتشار میں پڑ کر دین اسلام کو ضعف پہنچانے کا موجب ہوئے حالانکہ اگر خاتمؐ سے مراد لے
بھی لی جائے اور دل میں منافقت نہ ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرمؐ ایسی مہر ہیں جو کہ تھیلی
پر لگا دی جاتی ہے جس میں سے نہ کچھ باہر آسکتا ہے اور نہ کچھ اندر داخل کیا جا سکتا ہے اس طرح
نبوت پر آخری مہر ثبت (seal) کرنے والے آپ ہی ہیں اور آپ کے بعد دین میں اضافہ
کیلئے کوئی نبی نہیں آسکتا۔ حتیٰ کہ مسئلہ مہدی کا حل بھی یہی ہے کہ وہ تشریف لائیں گے۔
لیکن وہ دین میں اضافہ نہ کریں گے۔ بلکہ آنحضرتؐ کی اتباع کر کے اسلام کی سربلندی
کا باعث ہوں گے! اسی قسم کی دیگر تاویلات مسلمانوں کے زوال کا ایک سبب بنیں۔

مسلمانوں کو اسلام کا مکمل ضابطۂ حیات اپنا کر جو معراجِ انسانیت نصیب ہوئی
تھی اس نے دنیا پر واضح کر دیا تھا کہ اسلام ہی ایسا واحد نظام حیات ہے جو انسان کو دنیا میں
جینے اور رہنے کا ایک مکمل دستور دیتا ہے۔ کیونکہ دیگر نظام ناقص اور نامکمل ہونے کے
سبب انسانیت کو معراج نصیب نہ کرا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک مسلمان اپنے نظریہ
سے چمٹے رہے وسائل و ذرائع کی کمی کے باوجود دُنیا کی کسی قوم سے پیچھے نہ رہے لیکن جونہی
اس سے دامن کشی کی تو زوال پذیر ہونا شروع ہو گئے پس دور خلفائے راشدین کے بعد
اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کے انحطاط کے اصل چار اسباب رونما ہوئے۔ اوّل وجہ
تو خود مسلمانوں کی خارجی اثرات سے وابستگی۔ دوئم یہ کہ "صحیفۂ اسلامی ضابطہ حیات"
(قرآن حکیم) کے زرّین اصولات کی غلط تاویلات اور اُن کی تشریح و توضیح کے نتائج۔ سوم
خود ہمارے دنیادار علماء جو کہ مبلغ اسلام کی حیثیت سے کبھی مجاہدین کے ضمرہ میں شمار

(۲) اسی طرح ایک جگہ قرآن میں آیا ہے یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ (القلم ۴۲) ترجمہ:۔ جس دن پنڈلی سے کپڑا اٹھا دیا جائے گا اور کفار سجدہ کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ـــــ کتنی گمراہ کن تاویل ہے۔" کشف عن ساق" کی حالانکہ یہ ایک عربی زبان کا محاورہ ہے اور محاورات کا لفظی ترجمہ نہیں کیا جاتا۔

پنڈلی کھول دینے سے مراد صعوبت حال ہے یعنی جب قیامت برپا ہو گی تو مردے قبروں سے گھبراہٹ میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور کفار پر ذلت چھا رہی ہو گی کیونکہ انہوں نے دنیا میں جب صحیح و سالم تھے اللہ تعالیٰ کو سجدہ سے گریز کیا۔ اب اس تباہ حالی میں کس طرح سجدہ کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں ـ اگر" کشف عن ساق "کا بامحاورہ ترجمہ یعنی" صعوبت حال" نہ لیا جائے تو لفظی ترجمہ یعنی" پنڈلی ننگی کرنا" سے کچھ مفہوم پیدا نہیں ہو سکے گا۔ یہاں ننگی پنڈلیوں سے مراد خود لوگوں کی بدحالی ہے نہ کہ جیسا چند تاویلات کرنے والوں نے اللہ تعالیٰ کی پنڈلی سے مراد لیا (نعوذ باللہ) کہ اللہ تعالیٰ کی ننگی پنڈلی کو دیکھ کر کفار کو سجدہ کرنے کو کہا جائے گا۔ کیونکہ کلام پاک میں فرما دیا گیا کہ" لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ" کہ اللہ تعالیٰ کسی طرح کی شکل سے بری ہے" یعنی ہماری عقل و سمجھ سے بالا جیسا کہ اُس کی شان ہے اسی کے مطابق اس کا وجود ہے۔

(۳) کلام پاک میں جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو" خاتم النبیین" کے نام سے یاد کیا گیا لوگوں نے خاتِم (خَتَمَ) یعنی آخری نبی سے مراد نہیں لیا بلکہ انہوں خَاتَم (زبر سے معنی انگوٹھی نگینہ سے لیا۔ اس سے مراد اُن کی یہ تھی کہ وہ آخری نبی تو نہیں (نعوذ باللہ) بلکہ نبیوں میں نگینہ کی مانند اعلیٰ یا خاص مقام رکھتے ہیں۔ اس طرح ان کی تاویل سے

باب دوم

اسلام اور دیگر مذاہب

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اس دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران وقتاً فوقتاً تبلیغ دین کے لئے مبعوث کئے گئے اُن میں اکثر پیغمبران کسی خاص وقت اور خاص خرابی کی اصلاح کے لئے مامور ہوتے۔ مثلاً حضرت شعیب علیہ السلام کو اہل مدین کی طرف ماپ تول درست کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو قوم لوط کی ہم جنس بدفعلی

ہوتے تھے۔ میدانِ عمل سے گریزاں اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد سنبھال کر جب حجروں میں محصور ہو گئے تو خود غرضی، تنگ نظری اور نفس پرستی کا شکار ہوئے اور عام قابل عمل اسلامی اصولات کو پھیلا وا بنا کر مسلمانوں کی اصل اسلامی روح کے مطابق رہنمائی کرنے سے قاصر رہے۔ آخری وجہ یہ کہ خود مسلمان فرقہ بازی اور گروہ بندی میں پھنس کر اجتہاد کا دروازہ بند کر کے اسلام کے اصل کاز کو آگے بڑھانے سے محروم ہو گئے ــــــ یہی وہ چار وجوہات ہیں جو مسلمانوں کے زوال کا باعث بنیں۔ ایسی صورت میں جبکہ مسلمانوں نے "معروف" اور "منکر" کے سبق کو فراموش کر دیا۔ تو ان کے مقابل غلط نظریہ اور فرسودہ نظام کے پیروکار مادیت کا سہارا لیکر ترقی کے منازل طے کرتے رہے۔ چونکہ خود اللہ تعالیٰ کا بھی یہ اصول ہے کہ جب کوئی قوم اپنے اصل مقصد (آئیڈیالوجی) کو فراموش کر کے بھٹک جاتی ہے تو یا تو اللہ تعالیٰ اس پرانہی میں سے ایک جابر حکمران مسلط کر دیتا ہے ورنہ دنیا کی امامت اور سرداری اس سے چھین کر دوسری قوم کو خلافت عطا کر دیتا ہے۔ مسلمان جو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی حیثیت سے اس دُنیا میں امامت و سرداری کے حقدار رہے۔ آج دونوں حوادثات کا شکار ہونے کے بعد بھی اگر نہ سنبھل سکے تو یہ اس کی ستم ظریفی اور بدقسمتی ہی تصور ہو سکتی ہے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ؛ نہ ہو جسکو خیال اپنی حالت کے بدلنے کا

ہم اب مسلمانوں کی ترقی و زوال سے قطع نظر کر کے دیگر مذاہب و غیر اسلامی نظریہ حیات کا اسلام سے تقابلی مقابلہ کر کے اسلام کے مکمل ضابطۂ زندگی کے چند خصوصی پہلوؤں پر بحث کریں گے۔ تاکہ دیکھا جا سکے کہ کیا اس اچھوتے نظام حیات پر آج بھی عمل ہو سکتا ہے آیا موجودہ مسائل اور جدید تقاضوں کا حل دیگر نظریات یا دہریت کی مدد سے ممکن ہے نیز کیا دنیا کو ان کی بدولت معراجِ انسانیت نصیب ہو سکتی ہے؟

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر مکمل کر دی اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دین کے پسند کیا۔"

چونکہ اسلام سابقہ ادوار کے محرّف مذہبی عقائد کو خواہ وہ عیسائی، اسرائیلی پارسی و یہودی مذہب سے متعلق ہوں صحیح شکل میں پیش کرتا ہے۔ اور اس اسلامی ضابطہ ہائے زندگی پر عمل پیرا ہو کر خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عملی نمونہ پیش فرمایا اس لئے غیر مذہب والوں کو اسے مکمل دین کی حیثیت سے من و عن قبول کرنا چاہیئے جبکہ خود ان کا مذہب اور اُن کی مذہبی کتب اسلام کی آمد اور آخری نبیؐ کی آمد کے ظہور کی تصدیق کرتی ہیں۔ اور اسلامؐ اُن کے مذہب اور اُن کی الہامی کتب کی تصدیق کا واحد مبین ثبوت ہے۔ تو پھر اس جدید مکمل اور تمام مذاہب سے جامع اور افضل مذہب کی پیروی چھوڑ کر سابقہ فرسودہ روایات اور تحریف شدہ مذہبی عقیدوں سے چمٹے رہنا دانشمندی کی دلیل نہیں۔ آج کی مہذب دُنیا سائنس کے میدان میں جب کسی سربستہ راز کی حقیقت کو پا لیتی ہے تو ان کے لئے یہ کسی بڑے معجزے سے کم نہیں ہوتا۔ لیکن پھر بھی وہ سند کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُن کی ریسرچ اُن کے علوم اور تحقیق بالکل صحیح ہے کیونکہ اکثر انہیں ذہنی تجسس کا شکار ہونا پڑتا ہے چونکہ وہ وحی - Divine guidance) پر ایمان نہیں رکھتے اور صرف ذہن انسانی پر اکتفا کرتے ہیں اس لئے اصل حقیقت تک رسائی ممکن نہیں کیونکہ ذہن انسانی کی رسائی جہاں پر ختم ہوتی ہے وہاں سے "وحی" کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس لئے تمام مسائل حقائق اور نیچر کے سربستہ رازوں کی راہنمائی کسی مافوق البشر، God کی ہدایت و راہنمائی کے بغیر ممکن نہیں اور یہ ہدایت (Guidance) (وحی) ہمیں الہامی کتب سے ملتی ہے۔ کاش! آج کی مہذب دنیا خدا کی جدید ترین راہنمائی (Latest Divine revelation) یعنی تیرہ سو سال قبل کی

اور بداطواری سے چھٹکارا دلانے کے لئے مامور کیا گیا کہیں موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی سرکشی سے بنی اسرائیل کو نجات دلانے اور کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود و نصاریٰ میں محبت و آشتی کا درس دینے کے لئے متعین کیا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بت شکن بنا کر اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا گھر "خانہ کعبہ" تعمیر کرنے کے لئے اور حضرت اسحاق علیہ السلام ظلم و استبداد کو ختم کر کے حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوئے جن کے بعد اُن کی اولادوں میں جو پیغمبروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اُس کی انتہا حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچتی ہے۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے آخری مہر نبوت ثبت فرما دی۔ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نہ صرف نبوت کی آخری کڑی ہیں بلکہ جو مشن حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا اور مختلف پیغمبران اُس کو پروان چڑھانے کی سعی فرماتے رہے آنحضرتؐ نے اُس تمام مشن کو ایک مکمل ضابطہ حیات کی شکل میں پیش فرمایا۔ اس طرح آپ کسی ایک خاص اصلاح یا کسی خاص قوم کے لئے مبعوث نہیں ہوتے بلکہ دین کو جامع مرتب اور مکمل کر کے تمام انسانیت کے سامنے پیش فرمایا۔ اس طرح آپؐ رحمۃ اللعالمین کے خطاب سے سرفراز ہوتے۔ چونکہ تمام مذاہب میں اسلام آخری اور جدید ترین مذہب ہے جس نے دیگر مذاہب پیغمبران اور انبیا کی تصدیق کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف سابقہ پیغمبران کے پیش کردہ احکامات وقوانین کی تصدیق کر کے ایک منضبط ضابطۂ حیات کی شکل میں پیش کیا بعض حرام اشیاء کو جو بعض سابقہ انبیا نے حلال روا رکھا تھا۔ آپؐ نے حرام قرار دیا اور بعض حرام اشیا کو حلال اس طرح چونکہ آپؐ نے سابقہ احکامات کو حالات و ماحول کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالا اور دین کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آخری شکل دی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدہ)

کالی ماتا یا دُرگا۔ کشمیر میں شیو جی، ان کی بیوی پربتی اور اُن کا فرزند گنیش اور اُتر پردیش (یو۔پی) میں ہنومان جی اور کرشن مہاراج کی پوجا اتنی عروج پر ہے کہ جتنی اصل تین پرمیشوروں کی بھی نہیں۔ ہندو عقیدے کی اس بے راہ روی کا زور اتنا بڑھا کہ اسی مذہب کے پیروکاروں نے سورج، سانپ، پیپل، برگد، گائے اور آگ وغیرہ کی پوجا شروع کر دی۔ گنگا دریا سے تو اتنی عقیدت ہے کہ جو نہا لیا گویا اُس کی زندگی کے تمام گناہ دھل گئے۔ ہندو فلسفہ کی انتہا یہ ہے کہ اپنے وجود و خواہشات کو ختم کر کے اپنی روح کو برہما پرمیشور میں ملا کر یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اُن کی روح کو دوبارہ پیدا کر کے (Hindu Philosophy of rebirth) تکلیف میں نہ ڈالا جائے۔

(۳) بُدھ مت

"بدھ مت" کو تو ایک مذہب کی حیثیت سے تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مہاتما بدھ نے جس طرح ریاضت سے اپنی روح کو تکلیف دے کر خود ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا اور لوگوں کو ہدایت کی تلقین کی اسی طرح انہوں نے ہندو مت کی بے راہ روی کو سُدھارنے (Reform) کی جو جد و جہد کی اُس کی رُو سے اُن کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اسی سلسلہ میں روح کی نجات کا سبق جین مت سکھاتا ہے تاکہ انسان اپنی روح کو نجات دلوا کر ہمیشہ کے لئے آزاد کر دے اور وہ دوبارہ نچلے ذات کے انسانوں اور جانوروں میں دوبارہ منتقل ہو کر تکلیف نہ اٹھائے یہ بھی ہندو مذہب کی درستی کی تحریک تھی ـــــ پس یہ مذاہب صرف چند عقائد، پوجا پاٹ، رسوم اور نفس کشی کے علاوہ انسان کو کچھ نہیں دیتے اس طرح ان سے دُنیا کے مسائل کا حل تو کیا معراجِ انسانیت کا

تاریخ اسلام اور اوراقِ قرآن حکیم کا مطالعہ اور اُس میں غواصی کرتی تو آج فطرت کے تمام سربستہ راز اس پر روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتے۔ جن کی تحقیق کی ابتدا ذہن انسانی کی مدد سے اِس سائنسی دور میں وہ کر چکی ہے۔ اس جدوجہد میں اس نے کچھ تو پا لیا لیکن بڑا حصہ ایسا ہے جس کے لئے اُس کی عقل جواب دے چکی ہے۔ لیکن پھر بھی برسرپیکار ہے۔ کسی مذہب نے اِتنے مستند اور سائنٹیفک نظریات اور فطرت کے قوانین نہیں پیش کئے جتنے اسلام نے ہمیں آج سے چودہ سَو سال قبل عطا کئے اس طرحِ دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی افادیت واضح ہوجاتی ہے ———— ذیل میں دیگر مذاہب کا اجمالی خاکہ اور بالخصوص عیسائیت کی تفصیلی تحقیق اسلام کے مقابلہ میں پیش کی جاتی ہے جو کہ موجودہ مہذب و ترقی یافتہ دنیا کو ایک لمحۂ فکریہ کی دعوت دیتی ہے

۱۔ ہندومت

ہندو خدا کی وحدانیت کو تین مختلف پرمیشوروں (Gods) میں تقسیم کرتے ہیں

(ا) برہما (پیدا کرنے والا)

(ب) وشنو (پالنے والا یا حفاظت و دیکھ بھال کرنے والا)

(ج) شیوا (تباہ و برباد کرنے والا) ———— خدا کی وحدانیت کی تقسیم کے بعد اِن پرمیشوروں کو مٹی کے بتوں کی شکل میں پوجا پاٹ کا جو رواج شروع ہوا تو حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ اگر کوئی قومی ہیرو قومی بھلائی کا کام کرتا تو اُس کی بھی پوجا شروع ہوجاتی اس طرح اِن تین پرمیشوروں کے علاوہ بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مختلف ذاتوں کے درمیان پچاسوں پرمیشوروں کی پوجا کی جاتی ہے۔ مثلاً بنگال میں

پیغمبران میں کسی کا رتبہ حد سے زیادہ بڑھا دیا اور اکثر نبیوں کو پیغمبری کے رتبہ سے گرا کر اُن کی حرمت و تقدس کی تذلیل کا باعث بنے۔ لیکن قرآن نے جہاں سابقہ مذاہب اور الہامی کتب کی تصدیق کی وہاں ان پیغمبران کی عظمت کی گواہی بھی دی۔ اور عیسائیت کو روحانی سہارا اور اس کے اصلی مذہب کی صداقت صرف قرآن اور اسلام سے ہی ملتی ہے۔

عیسائیت کی حقیقت

ہمارا یہ ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور سچے نبی تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے "انجیل" کی کتابی شکل میں اپنا دین نازل فرمایا جس کا ثبوت خود خدائے تعالیٰ کی واحد سچی کتاب قرآن سے بھی ملتا ہے۔ لیکن اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت کوئی جامع مذہب اور یا تین زندگی کا کوئی منضبط لائحۂ عمل پیش نہیں کرتی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں اپنی قوم نصاریٰ کو محبت و آشتی کا درس دینے کے لئے اور ان پر نزولِ رحمت کے لئے دُعاؤں کا مجموعہ لے کر مبعوث ہوئے جبکہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات پیش کر کے نوامیسِ الٰہی کو آخری شکل دیتا ہے۔ یہ ضابطہ کسی ایک قوم یا نسل کی زندگی کے کسی ایک پہلو کی اصلاح کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ یہ تمام نسلِ انسانیت کے لئے مستقل (final) راہِ عمل متعین کرتا ہے ——— ہماری مراد یہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دین کی اس مکمل شکل سے نابلد تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کو یہ کام اپنے آخری نبی حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھوں کرانا مقصود تھا۔ اسی لئے خود عیسیٰ علیہ السلام نے فرما دیا۔

نصیب نہیں ہو سکتی۔

(۱۳) عیسائیت

"مذہب عیسائیت" میں یسوع مسیح نے خدا کی وحدانیت کی دعوت دی لیکن نصاریٰ نے اُن کی وفات کے بعد مذہب کی اصل شکل کو مسخ کر دیا اور بعد میں مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔ عیسائیت کا نظریہ یہ ہے کہ خدا جو ہے وہ یسوع مسیح میں سما چکا ہے (God in one) اور پھر یسوع مسیح اپنے تین مشہور پیروکاروں میں سما چکے ہیں (One in three) اس طرح خدا کی وحدانیت کو اس مذہب میں بھی تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ جو "عیسائیت" کا "نظریہ تثلیث" کہلاتا ہے ـــــــ قرآن جو کہ اللہ تعالیٰ کی آخری ہدایت (Latest message) ہے جس کی پیش گوئی بائبل نے کی تھی۔ خود ہی عیسائیت کے اِن فرسودہ نظریات کی نفی کرتا ہے ـــ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ بتا دیجئے لوگوں کو خدا احد ہے ـــــ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔ نہ اُس نے کسی کو پیدا کیا (جنا) اور نہ وہ کسی سے پیدا ہُوا (جنا گیا begotten) ـــــ چونکہ خود بائبل اللہ تعالیٰ کی اب مستند کتاب تسلیم نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس میں کئی مرتبہ ترمیم ہوئیں اُس کے بعد کئی ایڈیشن (Testaments) موجود ہیں جو کہ ایک دوسرے سے بہت بہت حد تک مختلف ہیں اس کے مقابلہ میں قرآن اپنی الہامی شکل میں لفظ بلفظ بغیر کسی زیر و زبر کی تبدیلی کے جو چودہ سو سال قبل نازل ہُوا اُس روز سے بعینہٖ لاکھوں لوگوں کے سینوں میں (حفّاظ کے سینوں میں) محفوظ چلا آ رہا ہے۔ لہٰذا قرآن کی کتابی صورت میں فنا یعنی تبدیلی کا امکان باقی نہیں رہ جاتا۔ عیسائیت و دیگر مذاہب والوں نے سابقہ

اُن سے باغی ہو گئے لیکن اللہ اور حضرت موسیٰ کے وعدہ کو بھولے بغیر پھر انتظار میں لگ گئے
تو یہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق پیشگوئیوں سے بھرپور ہے اگر یہ کہا جائے
کہ ہر نبی کی بعثت کے اللہ تعالیٰ نے دو مقصد قرار دیئے تھے تو بے جا نہ ہوگا اوّل بنیادی
دعوتِ وحدانیت " وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ
لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۔ (انبیاء ۲۵) "اور آپ سے پہلے ہم نے کوئی بھی رسول
نہیں بھیجا مگر اُس کی طرف ہم نے وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی اللہ نہیں پس تم میری ہی
عبادت کرو" دوم نبی کریم صلعم کے متعلق پیشگوئی تاکہ قوم یہود اور اُن کے اثر سے دوسری
اقوام اپنے آپ کو ذہنی اور روحانی طور پر تیار کر لیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث
ہوں تو ان کی تعلیم سے پورا استفادہ کریں " وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ ۔ الخ
آلِ عمران ۸۰ ۔ ترجمہ :۔ اور وہ وقت یاد کرو جبکہ اللہ میاں نے تمام انبیاء سے وعدہ
لیا تھا کہ تمہارے پاس کتاب اور حکمت کی باتیں آئیں گی پھر اِس کے بعد ایک رسول آئے
گا تم اُس رسول پر ضرور ایمان لانا اور اُس کی ضرور مدد کرنا۔

یہودیوں کا گروپ تقریباً ۶۸ A.D. میں بحرِ مردار فلسطین Dead Sea-Palestine
کے شمالی ساحل پر آباد ہوا ۔ یہ ایسائینز (Essenes) کہلاتے تھے ۔ اُن کا نظریہ یہ
تھا کہ آنے والا رسول خدا کا بیٹا ہوگا وہ دوبارہ واپس آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی حکومت کی
داغ بیل ڈالے گا ۔ بعد ازاں مختلف نظریات کی موجودگی میں حالات و ماحول کی مناسبت سے
نصاریٰ نے اپنے مذہبی عقیدے میں تبدیلی لانے کی کوشش کی ۔ ان تبدیلیوں کی وجوہات
یونانی تمدن اور ماحول کا نتیجہ تھیں اِس طرح حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے انہی خیالات کو
مے کر قلمبند کرنا چاہا اور اپنی من گھڑت کہانیوں عقائد خیالات و ماحول کے مطابق اللہ

خدا کی سلطنت قریب ہے تم لوگوں کو اُس کے لئے تیاری کرنی چاہیئے ہیں تم کو تمام حقیقت بتا سکتا لیکن ایک آدمی آئے گا اور تمام حقیقت سے تم کو آگاہ کر دیگا (بائبل) گو بائبل جو کہ الہامی کتاب نازل ہوئی تھی زمانے اور یہود و نصاریٰ کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہی لیکن پھر بھی اُس میں بعض جگہ ایسے جواہر ریزے درخشاں و تابندہ ملتے ہیں جن سے نور کی نرم پھوٹ پھوٹ کر ضیاء پاشی کرتی ہیں۔ یہ اصل احکامات الٰہی کا نمونہ ہیں جو لوگوں کی دست بردسے محفوظ رہے خاص طور پر ملاحظہ ہو حوالہ Deut XVIII : 15-8

بحر لوط کے مخطوطات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دورِ حیات میں کوئی پیغام (Gospel) ضبطِ تحریر نہیں کروایا اور نہ ہی یہ چیز پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ کسی نے آپ کی حیات میں اُس کو قلمبند کیا ہو۔ آپ کے حواریوں میں ایک گروپ ایسا بھی تھا جس نے یہود و نصاریٰ کی ریشہ دوانیوں سے ہٹ کر کسی حد تک عیسیٰ علیہ السلام کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی ٹھانی اور خود کو تزکیہ نفس کے لئے تیار کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق آنے والی الٰہی حکومت کے لئے محوِ انتظار رہے۔ توریت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے اسی انتظار میں صدیاں گزار دیں کہ ایک سچا مکمل اور آخری نبی مبعوث ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد غالباً کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس نے یہ پیشگوئی سُنا کر یہود کو اس نبی کے لئے جو مثلِ موسیٰ ہوگا۔ آمادہ اور تیار نہ کیا ہو چنانچہ حضرت عیسیٰ پر بھی اُن کو اُس نبی کا شبہ ہوا (John ۱۹ : ۲۳) جب اُنہیں یقین ہوگیا کہ یہ وہ نبی نہیں ہے جو انہیں پھر سلطنت دیں گے۔ تو وہ انتہائی یاس میں

بحثوں سے لوگوں کا شبہ بڑھتا گیا تو اس کو نزول وحی (Divine revelation) کے دائرے سے خارج کر دیا گیا۔

موجودہ دور میں عیسائیت کے عقائد اور بائبل کے لفظ بلفظ صحیح ہونے پر سب سے بڑی ضرب کاری ملکہ میں تو کہوں گا کہ ان عیسائی مذہبی عقائد کے تابوت میں آخری کیل بحرِ لوط کے مخطوطات (Dead sea scrolls) نے لگائی جس نے حقائق سے پردہ اٹھا کر مذہب عیسائیت اور ان کی من گھڑت عقائد کا پول کھول کر رکھ دیا ——— یہ مخطوطات فلسطین میں بحر مردہ (Dead sea) کے ساحلی علاقہ میں واقع پہاڑی چٹانوں کی چند غاروں سے دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ پرانی دستاویزات (scrolls) ۶۸ A.D. کے زمانے کی ہی ثابت ہیں جبکہ پہلی مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغامات کو ضبط تحریر میں لایا گیا تھا اور آج جن کے مطالعہ کی کوشش سے (کیونکہ وہ نہایت پرانی عبرانی زبان میں مرقوم ہیں) آہستہ آہستہ اِس مذہب کا موجودہ مسخ شدہ چہرہ عیاں ہوتا جا رہا ہے۔ یہ وہی مخطوطات (scrolls) ہیں جو ایسینز (Essines) نے جب ٹائیٹس (Titus) نے ۷۰ A.D میں فلسطین پر حملہ کیا تو قمران کے اِس علاقہ کے ہزارہا لوگ راہِ فرار تلاش کرنے لگے ایک طرف مصر تھا اور دوسری طرف رومن تھے صرف اُن کو ساؤتھ کی جانب ہی محفوظ علاقہ نظر آیا جدھر وہ ہجرت کر گئے۔ یہی ایسینز (Essines) حضرت عیسیٰ ع کے زمانہ کے حواری تھے جو نئی سلطنت اور آنے والے رسولؐ کی انتظار میں یہاں آباد ہوئے تھے۔ اور صحیح پیروکار تھے۔ جنہوں نے سب سے پہلے اُن الہامی احکامات کو چمڑوں اور کپڑوں و دیگر ٹکڑوں وغیرہ پر بائبل کی اصل عبرانی زبان میں قلمبند کیا تھا۔ چونکہ بہت زیادہ اور ضخامت کے لحاظ سے بھاری تھے۔ حملے کے دوران اُنہیں بھی

تعالیٰ کے پیغام کو نئے قالب میں ڈھال دیا۔ اس وقت وہ پیغامات جو کہ ضبط تحریر کئے گئے تھے کی تعداد بیس کے قریب تھی یعنی پہلی مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے (عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ انہیں صلیب دی گئی قرآن اس کی نفی کرتا ہے) اڑسٹھ سال بعد یہ پیغاماتِ یسوع مسیح جن کو "gospels" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ضبطِ تحریر میں لائے گئے اور آخر تھوڑا عرصہ قبل تک اِن انجیل کے صحیفوں (gospels) کی تعداد بیس سے صرف چار تک محدود کر دی گئی ——— ایک مشہور عیسائی نقاد کے خیال کے مطابق اِن موجودہ چاروں صحائف (gospels) کا مجموعہ جو کہ نیا ایڈیشن (new testament) کہلاتا ہے میں سینکڑوں مقامات پر چاروں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ کا پیغام (Divine message) دیا تھا لازمی طور پر اُسے ایک شکل میں ہونا چاہیئے تھا تو پھر یہ ایک ہی عقائد و خیالات دپیغام کی چار اقسام (gospels) چہ حقیقت دارد؟ اُس پر طرّہ یہ کہ ۱۹۱۳ میں پوپ نے اپنے اعلامیہ میں کہا تھا کہ اس نئی مرتب شدہ بائبل میں انجیل کے بالکل وہی الفاظ ہیں جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ جن میں ایک لفظ بھی بڑھایا یا گھٹایا نہیں جا سکتا۔ حالانکہ خود اس نئی مرتب شدہ بائبل (new testament) میں پچاسوں تبدیلیاں کی گئیں جن کے لئے باقاعدہ حکومت نے اسکالرز اور عیسائی علماء مقرر کئے جن کا تاریخی ثبوت موجود ہے۔ ان مذہبی نمائندوں و مفکرین قوم نے یکجا ہو کر نئے مسائل خیالات اور ترقی پزیر ماحول کے مطابق اُس کو آخری شکل (Version) میں پیش کیا اس پر بھی نقادوں نے تنقید شروع کی جس میں "روح اللہ" (soul of God) اور مسئلہ تثلیث (Trinity) وغیرہ زیر بحث آئے اس طرح جب ان تنقیدی

اس علم کی بنا پر جو علمائے یہود میں سینہ بسینہ چلا آتا تھا وہ پورے طور پر اور صحت کے ساتھ واقف تھے کہ نبی کریم صلعم کہاں اور کس زمانہ میں مبعوث ہونگے اور آپؐ کی قوم آپؐ کے ساتھ کیا کرے گی حتیٰ کہ اُنہیں نبی کریم کا حلیہ تک معلوم تھا۔ ایسا کہ وہ آپ کو اِس طرح پہچان سکتے تھے جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰـھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ (بقرہ ۱۴۶) "جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس رسولؐ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح کہ یہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں"۔۔۔۔۔ توراۃ کی بعض آیات میں ایسے اشارے تھے جن سے انہوں نے اندازے لگا کر تقریباً نبی کریمؐ کی بعثت کا صحیح وقت معلوم کر لیا تھا۔ توراۃ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک مرقوم تھا یہ حلیہ موجودہ سیرت النبی سے مشابہ ہے۔ تمام انبیاء کرام میں سے صرف حضورِ اکرم صلی اللہ عَلَیہ وسلّم کا حلیہ مبارک معہ سیرت موجود ہے۔ حضرت عیسیٰؑ حالانکہ بہت بعد کے زمانہ کے نبی تھے۔ جبکہ دنیا نے نئے دور میں قدم رکھ لیا تھا۔ لیکن اُنکے حُلیے وسیرت کی ایک صفت بھی ہم تک نہیں پہنچی بلکہ اُن کے بعد تابعین نے مذہب کی طرح اُن کے حُلیے و سیرت کو بھی مسخ کر کے حقیقت سے، ورا پہنچا دیا۔ یہی وہ یہود تھے جنہیں معلوم تھا کہ اس وقت پیدا ہونے والا نبی جس کی آمد کی خبر تمام انبیا علیہ السلام دیتے آئے تھے۔ اور جس نبیؑ کے متعلق انہیں پورا یقین تھا کہ وہ اُن کے دُشمنوں کا قلع قمع ہی نہ کرے گا بلکہ دُنیا میں اللہ کے بندوں کے ذریعہ جن میں وہ خود کو شامل کرتے تھے۔ اللہ کی حکومت کو تا ابدالآباد بھی قائم کرے گا۔ (۸۲ : ۸، Pasal ۷-۹:۶، Isaiah ۱۹ : ۱۴، Exodus) ان حقائق کی بنا پر یہ چیز پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ یقیناً یہود کا ایک گروہ بالخصوص اہل یہود کے مذہبی علما کی ایک جماعت

لے کر بھاگ نکلنا ناممکن تھا اس لئے یہ مرقوم پلندے مٹی کے بڑے بڑے جاروں میں منہ بند کر کے اُن کو قمران کے ساحلی غاروں میں چھپا دیا تھا اور غاروں کے منہ بھی بند کر دیئے گئے تھے۔ اس طرح آج جب انہی ایسینز (Essenes) لوگوں کے کھنڈرات اور ان کی بستیوں کے نشانات ملے تو اسی جستجو میں اُن غاروں سے یہ مخطوطات (scrolls) سلنڈر نما جاروں میں دستیاب ہوئے جن کا اب شد و مد سے مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اِن عیسائیوں اور یہودیوں کی اصل حقیقت کا پردہ کھول کر اصل دین کی تحقیق کی ایک اور راہ دکھا دی ہے۔ یہ چیز باعث افسوس ہے کہ اس تحقیقی مطالعے میں کوئی عبرانی زبان جاننے والا مسلمان شامل نہیں تاکہ اصل حقیقت اور قدیمی مذہبی عقائد و احکامات پر دینِ اسلام کی موجودگی میں اس پر روشنی پڑ سکتی ہے۔ چونکہ اس کا مطالعہ کر کے تحقیقی مضامین لکھنے والے صرف یہی عیسائی ہی ہیں جن کی نگارشات اور اُن تحریروں کا ترجمہ کتابچوں (Dead sea scrolls pocket book series) کی شکل میں چھپ کر آ رہا ہے (ان کا مطالعہ دلچسپی اور تحقیق سے خالی نہیں)۔ اس طرح اگر یہ لوگ نیک نیتی اور تنگ نظری سے بالا ہو کر صحیح ترجمہ پیش کریں تو مذہب عیسائیت کا تار و پود بکھر جانا ناگزیر ہے۔

..یہی ایسینز مذکورہ (The above Essenes) جو جنوب کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ وہ یہودی تھے جنہیں معلوم تھا کہ فلاں وقت میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق ایک نبی آئے گا۔ اُسی نبی کی تلاش میں اور حکومت الہیہ کی تلاش میں اُن کا جذبہ جوش و خروش انہیں حجاز تک لے آیا جن کا ذکر آنحضرت صلعم کی پیدائش کے بعد قرآن حکیم میں بار بار آتا ہے اور جنہوں نے اسلام بھی قبول کیا اور اس طرح وہ اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کر سکے۔

تفاسیر کبھی بھی اصل عبارت کی روح کو نہیں پہنچ سکتیں اسی لئے قرآن جو کہ توراۃ اور انجیل کی طرح الہامی کتاب ہے۔ دُنیا کے کسی بھی گوشے میں جہاں ایک بھی مسلمان آباد ہو خواہ وہاں کی زبان کچھ بھی ہو قرآن کے مطالعہ کے وقت اُسے اصل زبان عربی ہی میں مطالعہ کرے گا ——— اِسی لئے اس کی اصل روح برقرار رہی اور تاقیامت اسمیں تحریف ناممکن ہے

بائبل کے دو حصّے ہیں عہد قدیم (old testaments) اور عہد جدید (new testament) ——— عہد قدیم زیادہ ضخامت میں پائی جاتی ہیں (بیس صحائف) اور اُس کے مقابلہ میں یہی الہامی کتاب عہد جدید کی شکل میں نہایت کم ہے (چار صحائف)

عہد قدیم ——— توراۃ (یہودیوں کے صحائف) پر بھی مشتمل ہے جبکہ عہد جدید کو چوتھی صدی عیسوی میں ایپی فینس (Ephhikanius) اور ایتھناسیس (Athanasius) نے موجودہ شکل میں ترکیب دی (chamber Encyclopedia Bible) حالانکہ عہد قدیم (old testament) ہی پہلی اور دوسری عیسوی میں عیسائیوں کی اصلی مذہبی کتاب تھی۔ اُسے یہودیوں نے مندرجہ ذیل تین حصّوں میں تقسیم کیا۔ ۱۔ توراۃ (قانون یا شریعت (Law) ۲۔ صحائف انبیاء (Prophets) ۳۔ صحائف مقدسہ (Hagiographa) یا محض (writings) لہٰذا توراۃ نہ تو بائبل ہے اور نہ ہی کل عہد قدیم (کیونکہ اُس میں اور بھی صحائف ملتے ہیں) توراۃ کو روایتہً موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اُس میں اصل توراۃ پانچ صحائف پر مشتمل ہے جو صحائف "موسیٰ علیہ السلام" یا "صحائف خمسہ" کہلاتے ہیں

نے عراق و شام سے حجاز خصوصاً یثرب کا رُخ کیا ہوگا جو کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آمد کے منتظر رہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیدائش کے بعد ستاروں کے علم سے یہود نے نبی کی پیدائش کا اندازہ لگالیا تھا اور اُن کو پالینے اور اُن کا اتباع کرنے کے لئے اُن کی تلاش میں رہے۔ جب حضور صلعم نو سال کی عمر کو پہنچے تو آپؐ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ شام کو جانے والے تجارتی قافلہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ راستے میں بُحیرہ راہب نے آپ کو دیکھ کر اور اپنے علوم و حساب کی مدد سے اس کے پاس موجود حلیہ کی تفصیل کے مشابہ آپ کو پایا اور اس نے اعلانیہ آپ کے نبی آخر الزمان ہونے کی تصدیق کی اور حضرت ابو طالب کو آگاہ کیا کہ انہیں شام نہ لے جائیں مبادا انہیں کچھ ضرر پہنچے —— ان تمام ثبوت کے باوجود چونکہ یہودی فطرۃً سرکش واقع ہوتے ہیں اور پھر جب انہوں نے دیکھا کہ وہ نبی اُن میں سے نہیں بلکہ بنو اسماعیل میں سے مبعوث ہوئے ہیں تو اُن کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی اس لئے جس چیز کی اُنہیں عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے تلاش تھی۔ اُسے پالینے کے باوجود تعصب تنگ نظری اور فطری کمزوریوں کی بنا پر دینِ اسلام قبول نہ کرسکے۔ اور ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے۔

بائبل (انجیل مقدس) میں تبدیلی کے ثبوت

تمام بائبل عبرانی زبان میں نازل ہوئی۔ موجودہ بائبل کا انگریزی ترجمہ جو تمام دُنیا میں رائج ہے کس طرح اصل بائبل کہلاسکتی ہے۔ ایک پیغام اپنی اصلیت پر صرف اُسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک کہ اُسی زبان میں اُسے پڑھا اور سمجھا جائے۔ ترجمہ اور

۱۵۵ تا ۱۵۰) ـــ متی (بائبل ۲۳: ۳۳ تا ۳۹) ـــ (اشعیاء ۲۸ تا ۳۴ اور آرمیا ۹: ۸ تا ۱۵) جہاں اُن کے اِس قسم کے اعمال اور اُن کے کرتوت کی وجہ سے انہوں نے توراِیت کو محرف اور متغیر کر کے اس کو اصلی وحی کی حالت میں قائم نہیں رکھا (سورۃ ۵: ۱۴ اور سورہ ۴: ۴۵) اسی طرح عہد قدیم کے ذکر صحائف سے متشرح ہوتا ہے کہ تحریف کا آغاز بہت ابتدائی زمانہ سے ہونا شروع ہوا۔ بعض انبیاء بنی اسرائیل نے خود اعتراف کیا (اشعیاء ۲۴: ۵-۱ ارمیاہ ۲۳: ۳۶) لیکن یہود ونصاریٰ اُسے اصل وحی لفظ بلفظ ثابت کرتے ہیں۔

آریگن ۱۸۵ تا ۲۵۴ (Origen) پہلا عیسائی عالم ہے جس پر صاف طور پر منکشف ہو کہ بائبل خصوصاً "عہد قدیم" میں بعض عبارتیں ایسی ہیں جو یا تو معنوی اعتبار سے صحیح نہیں یا اخلاقی اعتبار سے پست و مذموم ہیں (E.B. Bible) لیکن اس نے فیلو (Philo) کا طریقہ تمثیل (Method of Allegory) کر کے اپنی تسلی کی ـــ یہی بظاہر الفاظ سے ماوراء معنیٰ آگسٹس (Augustine) (۳۵۴ تا ۴۳۰) اور ٹامس ایکوناس (Aquinos) (۱۲۲۵ تا ۱۲۷۴) نے اختیار کیا E.B Bible) یہود و نصاریٰ نے اس نظریہ میں سولھویں صدی کی مسیحی اصلاح تحریک (reformation) تک کوئی شک و شبہ نہیں کیا۔ سوائے پورفری (Porphyry) (۲۳۳ تا ۳۰۴) نے خیال ظاہر کیا تھا کہ صحیفۂ دانیال (Daniel) (بابل) کی جلاوطنی کے زمانہ میں نہیں لکھا گیا بلکہ چار صدی بعد ضبط تحریر ہوا۔ اس طرح ہسپانوی عالم دین عزراء ۱۰۹۲ تا ۱۱۶۷ نے تحقیق کی کہ صحائف خمسہ (Pentataeuch) موسیٰ علیہ السلام کے بعد کی تالیف ہیں۔ اس طرح تنقیدی مطالعۂ تاریخ دور جدید کے

۱۔ تکوین (Genesis) جس میں آلِ یعقوب کی اہمیت اور مذہب میں اخلاقی مرتبہ پر بحث کی ہے۔

۲۔ خروج (Exodus) یہ صحیفے ولادتِ موسیٰ، مقدس میثاق وقوانین پر مشتمل ہے۔

۳۔ لاوی سیس (Leviticus) بنی اسرائیل کے لئے قوانین عبادت ہے۔

۴۔ اعداد (Numbers) اس میں خروج کے واقعات وتاریخ وتبصرہ ہے۔

۵۔ تثنیہ (Deuteronomy) تاریخی پس منظر مجموعۂ قوانین و وفات موسیٰ علیہ السلام

اس طرح کل مکرر صحائف کی تعداد چوبیس بنتی ہے لیکن انگریزی بائبل میں ان صحیفوں کو مزید تقسیم کرکے ۲۹ صحائف پر شمار کیا گیا ہے لیکن یہ ترتیب بھی ردو بدل کی نذر ہوتی رہی ہے۔ مثلاً عہدِ قدیم (Old Testament) کا ترجمہ یونانی زبان میں پہلی اور تیسری صدی ق م کے درمیان کیا گیا۔ تو ان صحائف کو موضوع کے اعتبار سے ستر مترجموں نے مل کر مکمل کیا تھا (گویہ بھی غلط ہے) (E.B : Septuagint)

یعنی تین حصوں پر مشتمل ہے (۱) تاریخ (۲) ایثار (۳) پیشگوئیاں (Prophecy)

قرآن سے ثابت ہے کہ خدا نے وحی تمام انبیاء پر نازل فرمائی (کما اَوْحَیْنَا اِلیٰ نُوحٍ وَالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ) موسیٰ علیہ السلام کے بعد دو صحیفے زبور اور انجیل نازل ہوئے۔ لیکن شریعت موسوی جو کہ توراۃ میں نازل ہوئی برقرار رہی۔ قرآن کی رو سے ثابت ہے کہ توراۃ چالیس دنوں میں نازل ہوئی۔ قرآن کے علاوہ کوئی مذہبی کتاب ایسی نہیں جس نے توراۃ کی تعریف کی ہو لیکن پھر قرآن نے اعلان کردیا کہ بنی اسرائیل اپنی سرکشی اور قتل انبیاء کی بنا پر مردود و مغضوب ہو گئے (قرآن سورۃ ۲)

دراصل ان حوادثات کی تاریخ وہ ہے جو یہودی قوم پر متعدد بار نازل ہوئی مختصراً ۱۰۰۰ ق م سے ۱۳۵ء تک فلسطین متواتر مختلف حملہ آوروں اور فاتحین کی جولان گاہ بنا رہا۔ اس میں سناخریب (Senacheril) اور بخت نصر قابل ذکر ہیں جنہوں نے یروشلم کو تباہ کیا۔ اس تباہی میں تورائیت خاکستر ہو گئی تھی اور یہودیوں کو مملکت بابل میں جلاوطن کر دیا اس کے بعد یہودی واپس فلسطین آئے ۵۳۶ ق م کے ایران و روما سکندر اعظم کے زیر نگیں رہا —— ۶۳ ق م میں پامپی Pompey نے یروشلم فتح کیا۔ ہیکل دوبارہ تعمیر ہوا۔ پھر ۷۰ء میں ٹائیٹس Titus نے معبد ہیکل (Temple synagogue) کو تباہ کیا۔ پھر ہیڈرین Hadrian نے یہودیوں کی جداگانہ حیثیت کو فنا کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہودیوں کے اصل صحائف مقدس ان حوادث زمانہ کی نذر ہو گئے اور بعد میں تالیف و مرتب ہوئی —— (قرآن کی طرح تورایت زبانی حفظ نہ کرتے تھے اس طرح اس کو دوبارہ اصلی شکل میں تالیف کرنا ناممکن ہے) عام خیال ہے کہ عذرا Ezra نبی نے اُن کو دوبارہ معرض وجود میں لائے اور مستند قرار دیا ایک روایت ہے کہ عذرا نے ۹۴ صحائف کو چالیس دن میں پانچ کاتبوں میں دوبارہ لکھوایا (۲۴ صحائف عہد قدیم اور ستر صحائف جو بعد میں غیر مستند Apocryphel قرار دیئے گئے) لیکن یہ —— بھی افسانہ ہے یہ ظاہر ہے کہ عذرا نے منقول کیا ہو گا نہ کہ بحر وحی سے نازل ہوا اور عذرا کے بعد تین بار پھر تباہی آئی لیکن یہ نقلی حالت میں ہم تک پہنچ گئے۔

اس کتاب مقدسہ کا عبرانی متن جو اس وقت مخطوطات اور مطبوعات کی شکل میں چھٹی اور ساتویں صدی کے درمیان متعین کیا گیا۔ عبرانی متن کو منضبط کرنے

علوم اور فلسفہ نے قوت فکر کو آزاد کیا۔ اور حقائق سامنے آئے۔ فرانسیسی عالم کاپلو (Capellus ۱۶۴۴) نے ثابت کیا کہ توراۃ کا اصل عبرانی متن بغیر ماثوری (Massoretic) اعراب کے اور طریقوں پر بھی پڑھی جا سکتی ہے نیز یہ کہ جو عبرانی متن موجود ہے وہ بھی حتمی طور پر صحیح نہیں ہے۔ ایک اور فرانسیسی عالم موری نُس (Morinus) ۱۶۴۴ نے ثابت کیا کہ یونانی سبعین (septuagint) کی عبارت اکثر جگہ عبرانی متن سے زیادہ صحیح ہے۔ ایک اور عیسائی عالم رچرڈ سائمنس (Richard Simon ۱۶۸۵) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ بائبل کا مطالعہ تاریخی تنقید کے اصولوں پر ہونا چاہئے۔ اس طرح تنقید کی ابتداء ہوئی اور ایک فاضل جرمن عالم رائمارس (Reimarus) نے ۱۷۶۴ میں ایک ضخیم کتاب میں بائبل کی منزل من اللہ (Revelation) ہونے سے انکار کیا۔ ایک اور جرمن عالم لیسنگ ۸۱-۱۷۲۹ (Lessing) نے بھی دعوٰے کیا کہ واقعات مندرجہ بالا اعتبار سے محقق نہیں ہیں۔ لہٰذا کسی مذہبی عقیدے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اس تنقید کا سترھویں اور اٹھارھویں صدی کا زمانہ نہایت اہم ہے جبکہ فلاسفر مثلاً سپنوزا (Spinoza) وہابس (Hobbes) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جدید تنقید اور تحقیق نے ثابت کر دیا کہ موجودہ توراۃ بعد دیگر صحائف عہد قدیم مذہبی عقیدے کے اللہ کا کلام نہیں بلکہ انسانوں نے مختلف زمانوں میں تالیف و تصنیف کیا موجودہ توراۃ موسیٰ کے بعد کی تالیف ہے۔

علی ھٰذا القیاس بائبل کی ہر کتاب و صحیفہ بلا استثنٰی انسانی تالیفیں ہیں جو ان نبیوں کے بہت بعد کے زمانہ میں مرتب ہوئیں۔ اور یہ قرآن سے بھی واضح ہے قرآن سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ توراۃ حوادث زمانہ کے ہاتھوں کئی بار تلف ہوئی

جدید تحقیق و تنقید نے یہ ثابت کر دیا کہ توراۃ بمعہ مختلف صحائف وحی اللہ کی جانب سے نہیں جہاں تک یہود و نصاریٰ کا تعلق ہے پوپ لیو سیزدہم ۱۸۷۸ تا ۱۹۰۳ Leo XIII نے حال ہی میں ان کا موقف واضح کر دیا کہ یہ مطلق غلط اور ممنوع ہے کہ وحی کو کتاب مقدسہ میں فقط چند مقامات کے لئے محدود کر دیا جائے ۔ یا یہ تسلیم کیا جائے کہ کسی صحیفہ کے مصنف سے غلطی سرزد ہوتی ہے ———— یہ اعلان ایک خاص فرمان میں کیا تھا ۔
جمہور نصاریٰ (رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ) نے تاحال اختیار کیا ہوا ہے

(E.B. Bible)

"It is absolutely wrong and forbidden either narrative inspiration to certain parts only of Holly scripture or to admit that sacred writer has erred."

لیکن اب بھی یہود و نصاریٰ اتنی تحقیق کے ہوتے ہوئے بھی قرآنی دعوے کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے بلکہ اکثر نے تو قطعی طور پر وحی سے انکار کر دیا چہ جائے کہ وہ تسلیم کرتے کہ توراۃ لفظاً و معناً منزل من اللہ ہے۔

اس مادہ پرستی کے زمانہ میں بھی بعض لوگوں کی کوتاہ بین نظر یہ دیکھنے سے قاصر رہی کہ جہاں توراۃ میں انسانی ہاتھوں کی لکھی ہوئی تحریریں موجود ہیں وہاں اس میں اب بھی وحی الٰہی کے جواہر ریزے چمک رہے ہیں جن کی تصدیق اور بعض تحریف شدہ بیانات کی تصحیح قرآن کریم کرتا ہے (سورۃ طٰہٰ : ۴۸ اور سورۃ ۷۸، ۷۷) قرآن نے توراۃ میں داخل غلط باتوں کی تصحیح کی مثلاً قرآن کریم نے انبیاء کے متعلق جو نازیبا باتیں اس

کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اصل عبرانی کتاب Script میں حرکات
نہیں ہوتی تھیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد الفاظ اور عبارتوں
میں غلط معانی ہونے لگا۔ کیونکہ یہ مختلف طریقوں سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ لہذا علمائے
یہود نے پانچویں اور نویں صدی عیسوی کے درمیان علامات و حرکات یعنی Accents
Vowel signs ایجاد کئے۔ لہذا اس طرح معنوں کے تعین کرنے اور
تاویل کا بہت دخل ہوا۔ موجودہ عہد میں بہت سی ایسی مثالیں ایسی ہیں جن میں غلط
حرکات لگ جانے سے عبارت بے معنی ہو گئی ہے ——— بہرحال بڑا کام یہ کیا گیا کہ عبرانی
متن کو متعین کر دیا گیا۔ اس متن کو massoretice text کہتے ہیں۔ عہد قدیم
کا قدیم ترین نسخہ عبرانی قلمی نسخہ ۹۱۶ عیسوی میں تحریر ہوا۔ دوسری صدی عیسوی سے قبل
جو مخطوطات تھے وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں ——— سامری توراۃ
Samartan versions اور خصوصاً یونانی سبعین Septuagint
کی قدیم روایتیں ہم تک پہنچتی ہیں۔ ان کے اختلاف کا ثبوت ملتا ہے۔ عبرانی متن میں
ایسے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ جن سے یہ بھی ہوتا ہے کہ اوائل زمانہ میں مختلف وجوہ
کی بنا پر متن میں ردوبدل کرنا جائز سمجھا جاتا تھا ——— اتنا تو علمائے یہود تسلیم
کرتے ہیں کہ توراۃ میں اٹھارہ جگہ ایسی ہیں جہاں اوائل زمانہ میں کاتبوں نے
عمداً تبدیلیاں کیں جن کا ثبوت ہمارے پاس ہے۔ اس کے علاوہ کتنے تغیر و تبدل
کا ثبوت حکایتیں ہیں۔ اس ماسوروی متن کے علاوہ قدیم زمانہ میں اور بھی علامتیں
تھیں جو اب ناپید ہیں۔ اور یہ روایتیں ایک دوسرے سے اہم اختلاف رکھتی ہیں۔

حوالہ (Literature of the D.T: E.B. Bible - materially
Bruer)

اسلام

(تصوّرِ وحدانیت)

اشیائے کائنات پر غور فرمائیے یہ ابتدائے آفرینش سے ایسی نہیں تھیں جیسی آج نظر آرہی ہیں۔ سورج، چاند، ستارے، زمین پر خشکی تری، پہاڑ اور صحرا وغیرہ ابتدا میں کچھ تھے اور اُس کے بعد نامعلوم کتنے ارتقائی منازل طے کر کے موجودہ شکل کو پہنچے اور نامعلوم کتنے مزید مراحل طے کر کے انجام کو پہنچنا ہے۔ کائنات کی ساری تگ و تاز اور سعی و کاوش "ربّ" سے ہوتی ہے کیونکہ سب کچھ قانونِ خداوندی کے مطابق سرانجام پا رہا ہے اور یہی "ربّ العٰلمین" کے معنی ہیں اسی لئے وہ درخود ہزار حمد و ستائش ہے۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ ذہنی اختراع اور بعض نظریات نے کسی بھی ایسے "ربّ العٰلمین" کی حیثیت سے مطلق انکار کر دیا اُن کے نظریہ کے مطابق یہ دنیا و مافیہا آپ ہی آپ وجود میں آگئے

وقت توراۃ میں درج ہیں انکا صحیح مقام دنیا کو دکھایا۔۔۔۔۔ مثلاً اس میں اکثر ایسی ہیں جنہیں کوئی مسلمان زبان پر لانا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر یہ قطعات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ تکوین : ۳۲ (متعلق ہارون علیہ السلام)

۲۔ سیموئل ۱۱ : ۲ تا ۱۳ (متعلق داؤد علیہ السلام)

۳۔ سلوک ۱۱ : ۴ (متعلق سلیمان علیہ السلام)

۴۔ تکوین ۱۹ : ۳۱ تا ۳۴ (متعلق لوط علیہ السلام)

۵۔ تکوین ۲۷ (متعلق یعقوب علیہ السلام) وغیرہ

جب کتاب مذکور نے ان نبیوں کی عظمت سے انکار کیا اور نبوت سے انکار کیا تو قرآن نے تصدیق کی۔۔۔۔۔ بروقت ظہور اسلام یہودیوں کے پاس کچھ اصل توراۃ موجود تھی۔ لہذا بعد ازاں توراۃ کا بقایا حصہ بقول قرآن سورۃ ۵ : ۴۳ اور سورۃ ۵ : ۴۴ کا محافظ قرآن بنا دیا۔۔۔۔۔ یہ قانون قدرت ہے کہ جب کسی چیز کی افادیت ختم ہو جاتی ہے تو وہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔ نوع بنی نوع البشر کے لئے جو چیز مفید ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے۔

وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ط سورۃ ۱۳ : ۱۷

اور جو چیز انسانوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں قرار پکڑتی ہے۔

(ماخوذ۔ اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ باب توراۃ)

جو فنا سے مُبرّیٰ اور سب صفات سے متصف ہو تاکہ اس کائنات میں کچھ معنیٰ پیدا ہوں ــــــ اس طرح اللہ تعالیٰ کا وجود اظہر من الشمس ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اپنا اقتدار اعلیٰ (sovereignty) لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کرنے اور اصلاح اقوام کے لئے اپنے نیک اور صالح بندوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا کر انسان کو روحانی قدروں سے آگاہ کیا اور اپنی وحی (guidance) کے ذریعہ قوموں کو ایک لائحۂ عمل دیا ــــــ اس طرح اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں یہ بھی واضح فرماتا ہے کہ وہ "وحدہٗ لاشریک" ہے اس کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں۔ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان ــــــ وہی خالق ہے ــــــ وہ ہی رازق ہے اور حاجت روا بھی ــــــ وہ جو چاہے تو کسی کی مجال نہیں کہ روک سکے اور اگر نہ دے تو کوئی دلوا نہیں سکتا ــــــ ہر جاندار کی حیات و ممات اُس کے قبضہ میں ہے ــــــ دونوں جہان اس کے حکم سے برسرپیکار ہیں ــــــ "حیّ" صرف وہ ہی ہے "قیوم" صرف اسی کی ذات ہے ــــــ اجرامِ فلکی، دریا، پہاڑ، سمندر اور ہوائیں سب اسی کے حکم سے عمل پیرا ہیں تمام کائنات پر اسی کی حکومت اور خدائی ہے اس میں کوئی شریک و ساجھی نہیں ــــــ وہی "عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃ" ہے ــــــ کونین کی تمام مخلوق اُس کی تابع اور محتاج ہے اور اس کے سوا کوئی انسان ایک مکھی یا بھنگے تک کو پیدا نہیں کر سکتا۔ پیدا تو کیا اگر وہ ان سے کچھ لے اڑے تو اُن سے واپس لینے کی طاقت تک نہیں رکھتا۔

مشیّتِ ایزدی اور اختیارِ انسانی

انسان کو جہاں کچھ اختیار حاصل ہے وہاں وہ مشیتِ ایزدی کے آگے سرِ خم کئے بغیر صحیح مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں سطحی مطالعہ رکھنے والے اکثر علماء مسئلہ تقدیر و تدبیر کی تشریح و توضیح کرنے سے کتراتے ہیں یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کا حل نکالنے اور اُس پر عمل پیرا ہونے سے زندگی کا اصل مقصد اُس کے سامنے آجاتا ہے ــــــ جہاں

اور اس کائنات کا خدا اور رب خود انسان ہے ـــــ اگر ہم تعصب سے بالا اور ذہن کو ہر نظریہ سے آزاد کر کے غور کریں تو خدا کے وجود کو ثابت کرنا ذرا بھی مشکل نہیں۔

گو خدا کا وجود کسی مادی طور پر ثابت کرنا ناممکن ہے لیکن مظاہر اور اثرات سے بہت حد تک ممکن ہے ـــــ کیا کسی نے بجلی کو دیکھا ہے؟ جس طرح بجلی نظر نہیں آتی لیکن ہم پنکھا چلتے دیکھ کر یا روشن بلب سے اندازہ لگاتے ہیں کہ اس کی پشت پر کوئی قوت کارفرما ہے اسی طرح کیا مٹھاس مٹھائی سے علیحدہ یا مٹھائی سے باہر کوئی وجود رکھتی ہے؟ کیا خوشبو کی پھولوں اور عطر سے باہر کوئی ہستی ہے؟ اگر آپ ان سوالات کا جواب دیں تو خدا کی ہستی ایک الگ حقیقت کی حیثیت سے مسلم ہے۔ پھر یہ بھی سوچئے کہ کیا ہر شے بذات خود کوئی وجود رکھتی ہے یا انسانی ذہن کے ذریعہ وجود میں آتی ہے۔ اس سلسلہ میں اگر ہم تسلیم نہ کریں کہ مٹھاس ایک تجرید (abstraction) ہے لیکن اس کا وجود کسی کے ذہن سے باہر نہیں۔ مندرجہ بالا مثال سے یہ بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ خدا کا موجودہ تصور انسانی ذہن تک محدود ہے۔ تو ہم جوازاً عرض کریں گے ـــــ فرض کیجئے آج دنیا بالکل تباہ ہو جائے اور ایک ذہن بھی وجود میں نہ رہے تو اس کا مطلب ہوا کہ اس تصور (خدا کے وجود) کا بھی تہس نہس ہو جائے گا اس طرح یہ نظریہ اصل نکتہ تک رسائی نہ پا سکا ـــــ اپنی فناہ و بے بسی کو ناگزیر پاکر انسان نے ہمیشہ طاقت اور اس کے مظاہر کی پرستش کی۔ اس نے سانپ کو پوجا۔ لیکن جلد ہی دیکھا کہ سانپ فنا ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے آگ کی پرستش کی جو کہ تباہ کن تھی لیکن آگ بھی پانی سے زیر ہو گئی۔ اس نے سورج کی عبادت کی ـــــ لیکن سورج پر بھی رات غالب آجاتی ہے۔ بالآخر اسے خیال آیا کہ مکمل ہستی وہ ہو گی جس میں یہ سب صفات ہوں لیکن وہ خود فنا سے بالاتر ہو۔ چونکہ علم کی حدود میں ایسی ہستی موجود نہ تھی۔ اس لئے انسان نے فیصلہ کیا کہ حواس اور علم کی حدود سے بالا ایک ایسی مکمل ہستی میں یقین رکھے

۵۹) یا غیب کی چابیاں ہیں جسے کوئی نہیں جانتا بلکہ تمام کتاب مبین میں مرقوم ہیں

فاطر آیت ۱۱)

انسان کی تقدیر انسان کی پیدائش سے قبل اللہ تعالیٰ کا ایک اندازہ ہے اُس بندے کے لئے جو کچھ لکھ دیا گیا وہ محفوظ ہے اس انسان کے اوپر جبر نہیں بلکہ اندازہ تقدیر ہے جو اُس کے عالم الغیب ہونے کی دلیل ہے اس طرح واقعات زندگی جو انسان کو پیش آتے ہیں خدا تعالیٰ کے اندازے کے مطابق ہوتے ہیں اور یہ اندازے اللہ تعالیٰ بعض وقت دعاؤں کے طفیل بدل دیتا ہے۔ لہٰذا اس اندازے کو اللہ تعالیٰ سے "جبر" کا نام دے کر منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ماسوائے اُن کے جو مشیت الٰہی کے تابع ہیں جسے کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی باقی میں انسان کو اختیارات حاصل ہیں (سورہ الکھف آیت ۲۹)

"پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے"

اس آیت الٰہی کی رو سے انسان جو عمل دنیا میں کرے گا اُس کا بدلہ اُسے عاقبت میں ملے گا۔
اور جزا و سزا کا مستحق گردانا جائے گا۔

مشیت ایزدی و تقدیر کا جہاں تک تعلق ہے انسان مجبور اور بے اختیار ہے (سورۃ ابراہیم آیت ۴) "پس گمراہ کر دیتا ہے اللہ جسے چاہے اور ہدایت کرتا ہے جسے چاہے" (سورۃ الدھر آیت ۳۰) "تم چاہ نہیں سکتے کوئی بات مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے"——— لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف چند امور میں ہی انسان کو پابند کیا ہے جس میں انسانی تدابیر نا کارگر ہوتی ہیں اور باقی تمام حالات میں انسان کو دنیا میں اختیار دے دیا گیا کہ وہ جولانی کرے ——— مشیت ایزدی یا تقدیر کے مندرجہ ذیل امور میں انسان مجبور ہے یعنی ——— خدائے تعالیٰ کا فضل و کرم ——— ہدایت و گمراہی ——— انسان کی پیدائش و موت ——— عذاب

تک تقدیر کا تعلق ہے انسان تقدیر کے ہاتھوں ہی مجبور نہیں کیونکہ اگر انسان نوشتۂ تقدیر کے مطابق اس دنیا میں پیدا کیا گیا ہوتا تو پھر کشمکش حیات چہ معنی دارد؟ ——— اگر ہر فعل خواہ بُرا ہو یا بھلا تقدیر کے ہاتھوں لکھا ہوتا کہ "پتّا بھی نہیں ہلتا بغیر اُس کی رضا کے" ——— تو پھر انسان لاچار اور بے بس ہُوا یعنی جو خدا چاہتا ہے وہی انسان سے سرزد ہوتا ہے۔ اور اس طرح بندہ بے اختیار ہے تو پھر "جنت دوزخ کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟" اور جزا اور سزا انسان کے لئے کیوں مقرر کی گئی؟ پس مجبور انسان سے ایک عمل کرا کے (اضطراری کیفیت) اُس کو سزا بھی دی جائے تو خدائے تعالیٰ "رحمٰن" اور "غفور الرحیم" کیوں کہلائے؟

مسئلۂ تقدیر و تدبیر کا حل ان دونوں کے درمیان ایک میانہ روی ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ نہ تو تمام افعال اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجودِ انسانی سے سرزد ہوتے ہیں اور نہ بندہ مطلق بے اختیار ہے اور نہ ہی یہ کہ انسان ہر فعل میں اختیارِ کل کا مالک اور اللہ کی مشیت کا بالکل اس میں دخل نہیں۔ مشیت کا تعلق جہاں تک ہے وہاں ایک فعل مشیت ایزدی کے حکم سے پورا ہوتا ہے اور جہاں تک اختیار انسانی کے بس میں ہے وہاں انسانی جدوجہد و کشمکش حیات کا عمل ہوتی ہے اور بعض افعال ایسے بھی سرزد ہوتے ہیں جن میں اختیار اور مشیت دونوں کا دخل ہوتا ہے جیسے کوئی شخص تنگ دست ہو یا اُس کے ہاں اولاد نہ ہو گویا کہ اُسے مشیتِ ایزدی سے یہ چیزیں حاصل نہ ہوں اور نہ اُس آدمی کی اپنی کاوشیں کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہوں ——— ایسی صورت میں اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اختیار و مشیت کی ہم آہنگی سے مقصد حل ہو جانا تیسری شکل ہے ——— گو یہ حقیقت ہے کہ لوحِ محفوظ جس میں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ لکھ رکھا ہے (حوالہ سورۃ الانعام

تصوّرِ رسالت

اُسوۂ حسنہ حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم مغربی علماء و مستشرقین کی نظر میں

ابتداء میں اِن باتوں کا اظہار کر دینا نہایت ضروری ہے زیرِ نظر سطور حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بابرکت ذاتِ گرامی کی مناسبت سے مختلف امور کے تحت ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہیں۔ اس میں حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مقدس تعلیم کا ضمناً ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے مقام کو دیگر لوگوں کی نظر میں اجمالاً بیان کیا گیا ہے تاکہ بوقتِ مطالعہ اس امر کا اندازہ ہو سکے کہ آپؐ کو دُنیا کس نظر سے دیکھتی اور آپؐ کے بارہ میں کیا کچھ خیالات رکھتی ہے۔

آج کے موجودہ دَور میں انسانیت جس کرب و بلا میں تڑپ رہی ہے اور اپنی بدنصیبی کے جس نازک دَور سے گزر رہی ہے اُس کی حالت نہایت ہی قابلِ رحم ہے۔ اگر انسانیت کی اس بیماری کا علاج نہ کیا گیا تو پھر کوئی طاقت ایسی نہ ہوگی جو دنیا کو تباہ و برباد ہونے سے بچا سکے ——— فی زمانہ انسانی حقوق کی پامالی سے اندازہ لگایا جانا آسان ہے کہ ہر بڑا اپنے چھوٹے کے حقوق پر بڑی ڈھٹائی سے ڈاکہ ڈال کر اپنی مطلب برآوری میں صرف مطمئن ہی نہیں بلکہ پوری طاقت سے عمل پیرا رہنے کا عزم کئے ہے۔ آئے دن مختلف الخیال لوگ باہمی اتفاق سے اس اندھیر گردی کو دُور کرنے کے بارے میں سوچ بچار کر کے انسانی حقوق کے اعلانات کرتے ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو خود ہی اُن کی خلاف ورزی میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ الجزائر، کشمیر، فلسطین وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں ——— انسانی حقوق کا چارٹر موجود ہے اُس پر تبصرہ بھی ہوتا ہے انسانی حقوق کی نگہداشت کے لئے

الٰہی ــــــ علم غیب ـــــ اور معجزات۔ اِلَّامَاشَاءَ اللہ اِن امور میں انسان مطلق تابع تقدیر ہے مگر اللہ چاہے تو کُنْ فَیَکُوْنُ ط ــــــ وہ قادرِ مطلق ہے۔

انسان اِن امور کا حشر کے دن جواب دہ نہ ہوگا۔ باقی آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک اولادِ آدم کو ذاتی اختیارات کا حامل بنایا چونکہ انسان اپنے اختیار، تدبیر اور کشمکش حیات کے چکر میں برسرپیکار ہے ادھر شیطان بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے انسانی اعمال کے سرزد ہونے میں دخل انداز ہوتا ہے کیونکہ اس نے انسان کو بھٹکانے کا وعدہ لیا ہے لیکن خدائے تعالیٰ نے ساتھ ہی فرمادیا کہ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہ چلے گا اور جو تیری (شیطان کی) پیروی کریں گے تجھ سمیت اُن سے دوزخ کو بھر دوں گا ــــ پس جب انسان کے اختیار میں اپنا سنوارنا اور بگاڑنا موقوف ہے تو اُسے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے دین اسلام کی صحیح اسپرٹ کو سینے میں بسائے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی نئی راہیں نکالے کیونکہ پرانی لکیر کے فقیر بنے رہنے کے اُس کو سوائے ذلت، خواری، جہالت، غلامی اور انحطاط کے علاوہ کچھ بھی نہ ملے گا۔ آج ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام ہی دنیا کو نجات، امن، خوشحالی اور انسانیت کی معراج سے ہمکنار کرا سکتا ہے جو کہ عیسائیت، ہندومت، بدھ مت، کیمونزم یا دہریت سے ممکن نہیں ہمارے سامنے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ موجود ہے ہمیں صحابۂ کرام کا کیر یکٹر مجاہدینِ اسلام کی جوانمردی ہمت اور عزم اور شہیدانِ کربلا سے قربانی کا درس حاصل کرنا ہوگا۔ تب ہی اسلام کی سربلندی ہو گی۔

چیز پیش نہیں کی اور نہ ہی آئندہ کسی سے توقع ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آپ کی ذات بابرکات ہر لحاظ سے تمام اشخاص سے مکمل اور ارفع ہے۔ انسانی حقوق جن کا ذکر بار بار آئے دن آتا ہے بغیر کسی راہبری کے تحفظ میں قطعاً نہیں آسکتے۔ اگر راہبر ہر طرح سے بلند اور اکمل ہوگا تو اس کی تعلیمات ادھوری نہ ہونگی۔ چنانچہ اس خیال کی ترجمانی پروفیسر باسورتھ اس طرح کرتے ہیں کہ "بلاشک حضرت محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) خدا کے رسول ہیں اور اگر پوچھا جائے کہ افریقہ بلکہ دُنیا کو مسیحی مذہب نے زیادہ فائدہ پہنچایا یا اسلام نے تو جواب میں یہی کہنا پڑے گا کہ اسلام نے"۔ —— اسلام کی سربلندی جس محنت و جانفشانی سے کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو قرآنی ضابطۂ حیات کے سانچے میں ڈھالا اُس سے آپؐ کا مقام تمام انبیاء میں افضل ہوگیا۔ آج کی مہذب دنیا میں بڑے بڑے فلاسفر، شعراء، ادباء، سیاستدان اور مصلح حضرات کے درمیان حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان مبارک اُس منور خورشید کی مانند ہے جس کی تابانی سے کل عالم افادہ کرتا ہے یا اُس کی مثال اُس ہیرے کی مانند ہے جو پتھروں کے درمیان اپنی آب و تاب اور چمک دمک میں نظیر نہیں رکھتا!

اِس صدی میں جمہوریت کا بول بالا ہے۔ ہر وہ ملک مہذب ملک کہلاتا ہے۔ جہاں جمہوری طرزِ حکومت ہو۔ جمہوری سیاست دانوں اور فلاسفروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اُن کو دُنیا کے بڑے بڑے لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جمہوریت کے زندہ کرنے والوں کو پیغمبر جیسا رتبہ عطا ہوتا ہے لیکن اُس شخص کی طرف بھی کسی نے نظر اٹھا کر دیکھا جو کہ آج سے چودہ سال قبل دورِ جہالت میں بھی جمہوریت کا دلدادہ تھا اگر مبالغہ نہ ہو تو کوئی شک نہیں کہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میں وہ پہلے شخص ہے جنہوں نے دنیا

اُس کی تشہیر بھی خوب کی جاتی ہے۔ مثلاً جب فرانس کی حکومت نے حقوقِ انسانی کے تحفظ
کے لئے "انسانی حقوق کا چارٹر (The declaration of the right of man) منظور کیا تو یورپ کے مشہور مورخ لارڈ ایکٹن نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا" یہ
کاغذ کا پرزہ دنیا بھر کے کتب خانوں سے زیادہ وزنی اور نپولین کی فتوحات سے
زیادہ پُرشکوہ"۔۔۔۔۔ لیکن کیا موصوف کا یہ تبصرہ ایک مبالغہ آرائی پہ منتج نہیں ہوتا جبکہ
فرانس ظلم و تشدد میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔۔۔۔۔ کیا الجزائر میں مظلوم مسلمانوں پہ چیرہ
دستیاں اِن انسانی حقوق کی دھجیاں ہوا میں نہیں بکھیرتیں؟ اس طرح اقوام متحدہ کا انسانی
حقوق کی حفاظت کا اعلامیہ بے مقصد نہیں ہو جاتا؟ جبکہ کسی بھی ملک میں اُس کا احترام
نہیں کیا جاتا، چہ جائے کہ اُس پر عمل کیا جاتا۔ اگر مشاہیر عالم بنظرِ عمیق آج سے چودہ سو
سال قبل کا مطالعہ کر سکنے کا جذبہ رکھ کر اُس محسنِ اعظم کے اُس ذی شان خطبہ پر ایک نظر
دوڑائیں تو انہیں آج تک کی مختلف اقسام کے انسانی حقوق کے اعلانوں سے زیادہ کار
آمد سہل اور قابلِ عمل وہ خطبہ نظر آئے گا جسے تاریخ اسلام میں خطبۂ حجۃ الوداع کے نام
سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس کے مقابلہ میں انسانی حقوق کے یہ بودے چارٹر کوئی وقعت
نہیں رکھتے۔ تاریخ کی ورق گردانی کر لیجئے لیکن سیاہ اوراق اِس کی نظیر پیش کرنے سے
عاجز ہیں۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس چارٹر کے بارہ میں اس طرح اظہارِ خیال
کیا جائے تو کوئی مبالغہ آرائی نہ ہو گی۔ کہ چرخِ گردوں کی کج بینی اور رفتارِ زمانہ کے
نامساعدات کے باوجود انسانیت کو اعلیٰ وارفع مقام پر پہنچانے کے لئے اس خطبہ سے
زیادہ پر درد، پر اثر اور پُرخلوص آواز کسی کے ذہن سے نہ نکل سکی۔۔۔۔۔ دُنیا کی
کسی بھی ہستی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر انسانی حقوق کے سلسلہ میں کوئی

پیدا نہ کر سکی۔ انبیاء کرام کا ذکر کر دینے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ممیز ہو جاتی ہے
کیونکہ جو تعلیم دیگر انبیاء نے فرداً فرداً دی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجموعی طور پر اسے عالم
کے سامنے پیش فرمایا اور اس طرح اپنی برتری کا انمٹ ثبوت مہیا کیا۔ اور اس سلسلہ میں آپؐ
نے خود فرمایا کہ جتنی تکلیف مجھے پہنچائی گئی ہے اتنی کسی کو نہیں پہنچی ـــــ حضرت نوحؑ
کے ساتھ اُن کی قوم نے کیا سلوک کیا اور اُن کا انجام کیا ہوا؟ ـــــ حضرت ہودؑ اور
حضرت صالح علیہ السلام جو سچائی اور نیکی کی دعوت دیتے تھے مگر قوم کا کیا رویہ تھا اور وہ
قوم آخرکار کس انجام کو پہنچی؟ ـــــ حضرت ابراہیمؑ شگفتہ مزاجی اور بیدار مغزی
کی خوبیوں کے مالک جب اس میدانِ عمل میں آئے تو قومی غدار اور دینی مجرم اُن کو آگ میں
ڈالنے کا فیصلہ کرتے ہیں ـــــ حضرت لوطؑ، یحییٰ، زکریا علیہ السلام کے قصص اُن
کی تعلیمات، اُن کی قوموں کا اُن سے سلوک اور اُن قوموں کے انجام کے مکمل مظہر ہیں ـــــ
حضرت موسیٰؑ اور یوسفؑ جیسی پاکباز اور باحمیت ہستیوں کے ساتھ کیا کیا برتاؤ نہ کئے گئے؟
اور پھر اس دنیا کے لالچی انسانوں نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا انہیں دعوت
اور تبلیغ دینِ اسلام کی پاداش میں تختہ دار پر چڑھانے کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا؟ ـــــ انبیاء
کرام کی ہمہ کوششوں اور جدوجہد میں مسلسل ناکامیوں کو دور کرنے کے لئے اور گمراہ دُنیا کو
راہ راست پر لانے کیلئے ایسی ہستی کی ضرورت محسوس کی جانے لگی جو ہر طرح سے جامع اور
دیگر انبیاء کرام کی ہمہ صفات کی حامل ہو چنانچہ اس مقصد کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر
انتخاب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی اور آپؐ نے بھی اپنے جس حسنِ عمل سے قلیل مدت
میں دنیا کی کایا پلٹ دی وہ حیرت انگیز ہے ـــــ دنیا آپؐ کا خیر مقدم بھی
تاریکی جور وستم ظلم واستبداد کے بھیانک منظر میں کرتی ہے۔ آپؐ قدم قدم پر آزمائے جاتے

کے تختے پر جمہوریت کی پہلی بنیاد رکھی۔ اور اُس جمہوریت کی مدد سے جاہلیت اور کفر کو مٹانے
کی سعی کی۔ اس کی جگہ نئی تہذیب، نیا تمدن اور نیا سماج عالم وجود میں آیا جس کی نظیر آج کل
کوئی بھی جمہوری ملک پیش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کوئی جمہوری ملک بھی آنحضرت صلعم کی جمہوریت
کی کسوٹی پر پورا نہیں اُترتا۔ پروفیسر مارگیولتھ فرماتے ہیں کہ ——

"محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی وفات کے بعد اُن کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا۔ آپ
ایک سلطنت کی بنیاد ڈال چکے تھے جس کا ایک سیاسی اور مذہبی دارالخلافہ مقرر فرمایا۔
آپ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا اور عرب کو ایک مشترکہ مذہب عطا کیا اُن میں
رشتۂ اخوت قائم کیا جو دیگر رشتوں اور خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم تھا" —— اسی
لئے اسلامی نظریۂ حکومت اور اس کی جمہوری خوبیوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اسلام کی ہمہ گیر
اور سیاسی طاقت کا مطالعہ فرمانے کے بعد جارج برنارڈ شا فرماتے ہیں۔

"آنے والے سو سالوں میں ہماری دنیا میں صرف مذہب اسلام ہی ہوگا" —— اسی
قسم کے خیالات کا اظہار رابندر ناتھ ٹیگور کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"وہ وقت دور نہیں جب کہ اسلام اپنی ناقابلِ انکار صداقت اور روحانیت کے ذریعہ
سب کو اپنے اندر جذب کرے گا اور وہ وقت آنے والا ہے جبکہ اسلام ہندو مذہب پر غالب آجائے
گا اور ہندوستان میں صرف ایک ہی مذہب اسلام ہوگا۔"

خیر و فلاح اور تعمیر و بناء کی مہم میں حصہ لینے والے تاریخی ہیروز کی صفوں کا جب بھی
جائزہ لیا جائے اُن میں انبیاء و رسل کی صفِ اوّل اپنی امتیازی شان کی وجہ سے بیش از بیش
خراجِ عقیدت حاصل کرتی۔ اور چونکہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیثیت سب انبیاء و رسل
سے افضل ہے اور حقائق واضح طور پر آشکارا ہیں کہ دنیا آج تک اس جیسا جلیل القدر شخص

تک خود کو ساری کسوٹیوں پر کھرا ثابت کر دکھایا اور دشمنوں سے بھی صادق اور امین کا لقب پایا لیکن جب توحید و نیکی پیغام سُناتے ہیں تو صرافیانِ قریش کی نگاہوں میں کھوٹا سکہ ہو جاتے ہیں. کاش اُن کی نگاہ بصیرت ہوتی اور وہ بُغض و تنگ نظری سے بالا ہو کر عقل کو کام میں لاتے تو دُنیا و آخرت میں ذلیل و خوار نہ ہوتے ـــــــ اُن کے معیار غلط تھے مفاد و تعصب نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے ہو جائیں آپ کی بعثت کے وقت یہودیوں کی جاہلانہ مذہبیت ایک فریب کارانہ روپ دھار چکی تھی اور قریش کی مذہبی ٹھیکیداری بجائے خویش ایک کاروبار تھی ایسے ماحول میں بھی ایسے جواہر ریزے تھے جن کی چمک دمک زمانہ کے گرد و غبار سے ماند پڑی ہوئی تھی. مثلاً اسی جاہلانہ دَور میں ایک شخص زید نامی تھا جس کے دل میں حقیقت کو ڈھونڈنے کی جستجو پیدا ہوئی تو جاہلی اور بت پرستی سے ہٹ کر صحیح مسلک کی تلاش میں تھا. کبھی لوگوں کو بھی تلقین کرتا اور جب بھی خانہ کعبہ کے بت خانہ میں جاتا تو کہتا " زید! خانہ کعبہ میں صرف خداوند ذوالجلال کی عبادت کے لئے حاضر ہوا ہے" ـــــــ ابراہیمی دین کی جستجو میں مارا مارا پھرتا رہا اسی جستجو میں دمشق کے ایک راہب نے اُسے بتایا کہ جو تو چاہتا ہے وہ تجھے کہیں اور نہ مل سکے گا ہاں البتہ ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے جو دین ابراہیمی کا علمبردار ہو گا. اس لئے جہاں سے تو بھاگ کر آیا ہے وہاں پہنچ کر اُن سے مل ـــــــ اُن دِنوں آنحضرتؐ کی بعثت ہو چکی تھی لیکن جب وہ مکہ کی طرف روانہ ہو تو قسمت نے یاری نہ کی اور وہ راستہ ہی میں بلاد لخم میں قتل ہوا کیونکہ اُس وقت دشمنانِ اسلام کا زور تھا وہ مسلمانوں کو یا اُن کے ہم خیال لوگوں کو اسلام سے باز رکھنے کی کوشش کرتے اور جب یہ زید پر یہ کوششیں کارگر نہ ہوئیں تو انجام کو پہنچا دیا گیا ـــ لیکن اُن کے فرزندوں نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلّی اللہ

ہیں لیکن آپؐ نے جہالت کے گردبادظلم وستم کی تیز آندھیوں اور گمراہی کی تاریکیوں کا جو مردانہ وار باعزم واستقلال مقابلہ کیا اُس کی مثال پیش کرنے سے اوراقِ تاریخ ثمر سبار ہیں۔ دُنیا کو ہر قسم کی آلائش سے آپؐ نے پاک فرمایا اُس کی مثال تلاش کرنا عبث ہے۔ کیا دُنیا کے پاس ایسی رقت آمیز مظلومیت اور ایسے عزم واستقلال کی کوئی مثال موجود ہے۔ یقیناً ہرگز نہیں۔

ہزاروں لوگ آپؐ کو طعنوں کے نشتر سے ایذا دیتے رہے اور جواباً آپؐ صبر اور دعا سے کام لیتے رہے ——— کچھ آپؐ کو شاعر کہہ کر پکارتے ہیں۔ اگر اُن خیالات کی روشنی میں ایسا سمجھ بھی لیا جائے تو کیا ایسے شاعر کو بطورِ مثال پیش کیا جا سکتا ہے جس نے قلیل عرصہ میں سارے ملک کی کایا پلٹ دی ہو؟ ——— حالانکہ آپؐ شاعر نہیں تھے ——— کچھ کہتے ہیں آپؐ بہت بڑے آرٹسٹ ہیں اور آپؐ کے پاس بہت بڑا ادیبانہ زور ہے، تو کیا کوئی اُمّی ادیب وشاعر بن سکتا ہے؛ نہیں ہرگز نہیں۔ کچھ بس نہ چلتا تو لوگ حرف زنی کرتے کہ آپؐ کے ہاں سوائے لڑکیوں (جنہیں عرب معیوب سمجھتے تھے) کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔

اِس کا جواب اللہ تعالیٰ سورہ کوثر میں دیتے ہیں ——— "انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اولادِ حقیقت انبیاءِ کرام کے وہ کارنامے ہوتے ہیں جن سے دُنیا مادی روحانی فیض حاصل کرے" ——— پیغمبروں کو جان ومال آل اولاد سے کیا غرض؟ کیا اولادِ نرینہ ہی کسی شخص کا نام تاقیامت رکھتی ہے؛ اگر ایسا ہے تو آج دشمنانِ رسولؐ کو دُنیا کیوں یاد نہیں آتی؟ ان کی آن بان اور شکوہ وغرور کہاں باقی ہے؛ لیکن حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اولاد تو وہ تعلیمات ہیں جو تاقیامت زندہ رہنے والی ہیں جن سے تاقیامت آپؐ کا نام روشن رہے گا۔

پورے چودہ سو برس قبل کی عرب فضا میں کھو جائیے وہ شخص جس نے چالیس برس

میں قوم کی بھلائی مقصود نہ ہو۔ آپؐ نے سخت سے سخت ترین آزمائش اور اہلِ طائف کے
ظلم و ستم سہنے کے بعد بھی خدا کے حضور میں رحمت کی دُعا کی۔ آخر انہیں ظلم و ستم نے جب
آپؐ پر اور آپؐ کے صحابہؓ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو اللہ میاں کے حکم سے ہجرت کرنے پر
کمربستہ ہو گئے۔ اس دور میں صحابہؓ نے کمال استقلال کا ثبوت دیا جن میں حضرت بلال حبشیؓ
کے استقلال کا ذکر نہایت ضروری ہے جن کو ریگستانِ عرب کی تپتی ریت پر لٹایا جاتا سینہ پر
وزنی پتھر رکھے جاتے اور ایسی ہی دیگر ایذائیں پہنچا کر بھی کفار ان کے دل سے محبتِ رسولؐ
دور نہ کر سکے۔ دین کا جذبہ اتنا پایہ کا تھا کہ جتنا ظلم و ستم زیادہ روا کیا جاتا آپؓ کی زبان سے
" احد احد " ہی نکلتا ——— دیگر صحابہؓ مثلاً عمار بن یاسرؓ کو اتنا زدوکوب کیا
جاتا کہ بے ہوش ہو جاتے اور اسی طرح اُن کے والد پر بھی طبع آزمائی کی جاتی تاکہ اسلام
کی محبت اُن کے دلوں سے نکل جائے۔ لیکن حضرت یاسر جیسے صحابہؓ نے ظلم و ستم سہہ کر شہادت
پائی لیکن دِل میں رسولؐ اور دین کی محبت میں ذرا فرق نہ آیا۔ حضرت صہیبؓ کو اتنا مارا جاتا
تھا کہ اُن کا دماغی توازن بگڑ جاتا ——— یہی نہیں کہ صرف صحابہ نے ہی دین کی خاطر
ظلم و ستم سہے بلکہ حضورِ اکرم کی زندہ مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ آپؐ نے دُنیا کی بھلائی اور
دینِ اسلام کی سربلندی کے لئے بہت صعوبتیں اٹھائیں۔ اسلام بچانے کے لئے دوران
جنگ اگر صحابہؓ بھوک و پیاس کی شدت سے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھے پائے جاتے تو
آپؐ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے نظر آتے ——— آپؐ کی گردن
مبارک میں چادر باندھ کر مروڑا جاتا اور اس طرح گھسیٹا جاتا کہ آنکھیں باہر نکل پڑتیں لیکن
اسلام کے راستے میں سب کچھ برداشت کرتے۔ آخر ہجرت کرنے پر مجبور کر دیئے جاتے ہیں
آپؐ اپنے وطن سے بے سہارا و بے یار و مددگار نکلتے ہیں لیکن خداوند قدوس آپؐ کو اور

علیہ وسلّم نے زید کے لئے دعائے مغفرت کی ـــــ علاوہ ازیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات و دین میں کشش کا اندازہ اس سے بھی لگائیے کہ حضرت خدیجہؓ پہلی ہی دعوت میں مشرف باسلام ہوئیں۔ اُس کے بعد آپؐ کے رفیق دوست حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کی بیعت کی اسی سلسلہ میں سردارانِ قریش کو جب دعوت کے موقعہ پر اسلام پیش کیا گیا تو لوگوں نے دعوتِ حق پر لبیک کہنے کی بجائے آپؐ پر استہزا کی لیکن اُن میں سے بھی ایک بچہ کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے۔

"میں آشوبِ چشم میں مبتلا ہوں، میری ٹانگیں پتلی ہیں، لیکن پھر بھی میں اس مہم میں آپؐ کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتا ہوں" ـــــ یہ کمزور و نحیف حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت اور دینِ اسلام کے سایہ میں پرورش پا کر شیرِ خدا کے مرتبہ کو پہنچے۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رواداری کی طرف بھی سرسری توجہ کر لینا مناسب ہوگا کیونکہ آنحضرتؐ دنیا کے وہ سب سے بڑے محسن ہیں کہ جس پہلو سے اُن کی زندگی کا مطالعہ کریں اُن میں گوناگوں عظمتیں درخشاں نظر آئیں گی۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ انسان برائی کی کبھی اتنی مزاحمت نہیں کرتا جتنی کہ نیکی کے مقابلہ میں کرتا ہے چنانچہ اسی فارمولے کے تحت جب رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دنیا کو پیامِ حق اور صداقت اور درسِ رواداری اور اخوت و انصاف کا پیغام پہنچایا تو تاریخ نے خود کو دہرایا یعنی حضور اکرم صلّی اللہ وسلّم کو پیغامِ حق پہنچانے کی پاداش میں بڑی قیمت دینا پڑی۔ دُنیا نے آپؐ کو طرح طرح کی نت نئی اذیتیں اور صعوبتیں دیں۔ گو آپ چاہتے تو ایک اشارے سے ہی دنیا کو نیست و نابود کرا دیتے لیکن جو ہستی سراپا رحمت، شفقت اور حلیم بن کر آئی ہو وہ کوئی قدم کس طرح اٹھا سکتی ہے جس

اُن کا ثانی تلاش نہ کرسکے گی۔ حالانکہ چودہ صدیاں گذر چکی ہیں اور وہ شخص مادی لحاظ سے دنیا کی نظر سے اوجھل ہو چکا ہے لیکن گذشتہ دو صدیوں سے عیسائیت کے پرستار اہل مغرب جن کا خود تصور مذہب ناقص ہے مسلمانوں سے شدید تعصب میں مبتلا ہیں۔ اور سیاسی لحاظ سے یہ تاثر نہایت مستحکم ہے۔ گو صلیبی جنگوں کے لحاظ سے وہ اسلام کو خواہ مخواہ ہدف ملامت بناتے ہیں لیکن رسول اکرم صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت عیسائی علماء اور نقادوں سے بھی دادِ تحسین لئے بغیر نہ رہ سکی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کی حیات طیبہ مکمل طور پر محفوظ ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں باسور تھ نے لکھا ہے

"ہم زرتشت اور کنفوشش کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں ـــــــ موسیٰ اور ـــــ بُدھ کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو امبروس اور سیزر کے متعلق جانتے ہیں۔ ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے متعلق چند حصوں میں سے صرف ایک حصہ جانتے ہیں لیکن اسکا کتنا حصہ ہے جسے ہم نہیں جانتے۔ ہم مسیح کی ماں۔ مسیح کی خانگی زندگی اُن ابتدائی حالات، احباب کے ساتھ تعلقات اُن کے روحانی مشن کے تدریجی یک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ مسیح کے بارہ میں کتنے سوالات ہم میں سے کتنوں کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے۔ یہاں دھندلاپن اور راز نہیں۔ ہم تاریخ رکھتے ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق اس قدر جانتے ہیں کہ جس قدر لوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں۔ کوئی شخص نہ یہاں دوسرے کو دھوکہ دے سکتا اور نہ خود کو ـــــ یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے۔ اور ہر ایک تک پہنچ رہی ہے۔" ـــــ

اس طرح کے خیالات جان ڈیون پاٹ (John Devenport) بیان فرماتے ہیں۔

دینِ اسلام کو غلبہ عنایت فرماتے ہیں اور جب ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جن قریش نے آپؐ اور صحابہ پر ظلم و ستم توڑے اور ہجرت کرنے پر مجبور کیا فتح مکہ کے بعد انہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر آ گرے تو اس اہم اور نازک موقعہ پر اہل قریش کے ساتھ آپؐ کا سلوک قابلِ ستائش ہے۔ اہلِ قریش کو فراخدلی سے معاف کر دیا جاتا ہے اس واقعہ سے متاثر ہو کر ایک انگریز مورخ لکھتا ہے۔

"یہ عجیب و غریب منظر تھا ایسا عجیب و غریب جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ یعنی اپنے شہر (مکہ) کو ہر امیر و غریب چھوڑ چکا تھا جن کو طاقت کے بل پر نکالا گیا تھا جب علاقہ (مکہ) فتح ہوا تو انہوں نے ونگٹن کی طرح مغلوب لوگوں پر ظلم نہ کیا ان کی لاشوں کو درختوں پر نہ لٹکایا انہوں نے چنگیز خان اور ہلاکو کی طرح بربریت کا مظاہرہ نہ کیا بلکہ آنحضرتؐ نے مکہ والوں سے انتقام نہ لیا فاتح فوج نے مفتوحہ علاقہ پر قبضہ کر لیا لیکن گلیوں میں خون کا قطرہ تک نہ بہا۔ رواداری اور فراخدلی سے اہل قریش کے مظالم کو معاف کر دیا۔ کسی عورت کی بے حرمتی نہ کی گئی۔ کسی پر ظلم نہ کیا گیا ــــــــ انسانی تاریخ میں کوئی فتح بھی اس کی نظیر نہیں رکھتی فتح مکہ پر عام معافیاں دیئے پر انسانیت ہمیشہ دنیا فخر کرے گی۔"

آج بھی مہذب دُنیا کو چیلنج ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی بڑے سے بڑے شخص کا موازنہ کرے لیکن وہ ایسا کرنے کی ہمت نہیں رکھتی اور یہ بات ہے بھی کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ واحد نبی ہیں جن کی حیاتِ پاک مکمل طور پر محفوظ ہے۔ دنیا کو دعوتِ عام ہے کہ حضور اکرمؐ کی پاک زندگی کو اپنی شرافت سے چلی آ رہی ہے۔ دنیا کو دعوتِ عام ہے کہ حضور اکرمؐ کی پاک زندگی کو اپنی تعریف سے وضع کردہ اخلاق عظمت پاکیزگی، معصومیت اور شرافت کی کسوٹی پر رکھ کر دیکھے۔ یقیناً

اسلام پر بھی نظر ڈالئے گو وہ حضور صلعم کے سب سے بڑے دشمن تھے لیکن وہ بھی حضورؐ
کی صداقت سیرت و کردار پر فریفتہ تھے۔ عزت و تکریم اُن کے دلوں میں تھی۔ ہمیشہ صادق
اور امین کے القاب سے پکارتے اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ابوسفیان جیسے کٹر
دُشمنِ رسول دربار نجاشی (شاہ حبشہ) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و شرافت
کا واضح اعتراف کرتا ہے۔

صد آج وہ شخصیت نہیں! لیکن اس کی روشن کی ہوئی شمع ابھی تک دُنیا میں اپنی
کرنوں سے ضیاء پاشی میں مصروف کار ہے۔ ان شعاؤں میں وہ رحمت و عظمت پنہاں ہے
جو کسی بھی چیز میں نہیں تمام انبیاء کرام جو آپؐ سے قبل رشد و ہدایت کا سر چشمہ بن کر آئے
وہ بھی قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی چیز نہ کر سکے۔ اگر سابقہ الہامی کتب کا سرسری طور پر
جائزہ لیا جائے تو راۃ میں قانون شریعت کے سوا کچھ نہیں۔ اُس میں اخلاق و مواعظت
نہیں ——— انجیل اخلاق و مواعظت کی حامل ہے لیکن قانون شریعت سے محروم
اسی طرح زبور صرف دعاؤں اور مخاطبات قلبی کا مجموعہ ہے لیکن دیگر صفات اسے نصیب
نہیں حضرت مسیحؑ کے صحیفے میں حکایت کی ہنگامہ آرائیوں کے سوا کچھ نہیں وہاں استدلال
کا فقدان ہے ——— صحف بنی اسرائیل پیشگوئیوں سے لبریز ہے لیکن دقائق حکمت
اور اسرار ایمان و عمل سے خالی ہے ——— دنیا میں صرف ایک ہی کتاب ہے جو قانونِ
شریعت بھی اور اخلاق و مواعظت بھی ہے، مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا گنجینہ بھی ہے تو
دیگر کتاب الہیہ کی صفات کی حامل بھی ہے اس کتاب میں خطابت بھی ہے اور استدلال و
فکر بھی حکمت و حقائق بھی ہیں اور پیشگوئیاں بھی اور ایمان و عمل کی تعلیم بھی دیتی ہے اور
سب سے بڑی صفت یہ ہے اس نے اپنی اصلیت کو اب تک برقرار رکھا ہوا ہے اور جس

"اس میں شبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحین میں ایک بھی ایسا نہیں جس کی زندگی کے واقعات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقائع حیات سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں"

امتداد زمانہ کی گہری گرد غبار اور تاریکی گذشتہ نبیوں کے حالات کی پردہ پوشی کئے ہوئے ہے۔ اس کے خلاف پیغمبر اسلام کی زندگی کے لیل و نہار، کارنامے، غزوات، تبلیغی سرگرمیاں حیات طیبہ کا ایک ایک واقعہ، سیاسی و معاشی حالت، حسب و نسب قبائل سے تعلقات صحابہ کے ساتھ تعلقات اور یہ کہ آپ نے کس طرح، کس ماحول میں اور کیسے زندگی بسر کی۔ پس اتنی میز ہستی کے تمام حالات کا حرف بحرف موجود ہونا کسی معجزے سے کم نہیں

چونکہ کسی شخص کی گھریلو زندگی اس کی سیرت و کردار کی آئینہ دار ہوتی ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ باہر کی زندگی میں ظاہرداری کا لبادہ کاندھوں پر لئے نکلتا ہو اور جو کچھ اس کی حقیقت ہے وہ اس سے مختلف ہو۔ لیکن گھریلو زندگی میں وہ اپنے اوپر اس قسم کا پردہ ڈالے رکھنے میں زیادہ عرصہ تک کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پس کسی شخص کے کردار و سیرت کو پرکھنے کے لئے دراصل کسوٹی صرف اس کے گھریلو زندگی و واقعات ہوا کرتے ہیں۔ مشہور تاریخ دان سٹینلے یوں لکھتا ہے کہ

"سب سے پہلے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور احباب کو دعوت اسلام دی اور اس حقیقت سے کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُن کے سب سے گہرے دوست اور زندگی کے رفیق جو اُن کے ساتھ ہر وقت رہتے تھے سب سے پہلے ایمان لائے۔ جن میں حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علی کرم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پس کسی نبی پر اس کے گھر والوں کا ایمان لے آنا اس کے اخلاص کردار اور نیک سیرت پر دلالت کرتا ہے"۔ ——— گھر والوں سے صرف نظر کر کے آپ کے دشمنان

مذہب اسلام اور سائنس

کائنات کے سربستہ رازوں کی جستجو سے متعلق تمام علوم "سائنس" کے زمرے میں آتے ہیں

قرآن سے قبل لوگوں کا نظریہ کائنات مثلاً سقراط کا زاویہ نگاہ کہ مشاہدہ "انسان" ہے نہ کہ کائنات

پلاٹو نے یہ کہہ دیا تھا کہ کائنات محض فریب نگاہ (illusion) ہے۔ انسان اس قابل نہیں

اور نہ ہی اس کے حواس خمسہ اس قابل ہیں کہ کائنات کی تحقیق کر سکے۔ تقریباً تمام مذاہب

انہی نظریات سے متاثر بلکہ بہت حد تک ان نظریات کو قبول بھی کر چکے تھے۔ مثال کے

طور پر "ہندو" کہتے ہیں کہ مادی کائنات سراب ہے اور یہ تو پرمیشور کا سینہ ہے ۔۔۔

۔۔۔ ۔۔۔ یہ تو ایشور کی لیلا ہے (ناٹک ہے) اور ایشور اس میں ہیرو (chief actor)

کی حیثیت سے پارٹ لے رہا ہے ۔۔۔۔۔ قرآن نے اِن باطل خیالات کو چیلنج کیا اور

پلاٹو کے نظریات کو غلط ثابت کیا۔ "ہم نے کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں جو کچھ پیدا کیا ہے

وہ باطل نہیں۔ یہ اُن کا ظن ہے جو حقیقت سے انکار کرتے ہیں یہ اُن کی قیاس

آرائیاں ہیں۔" (الرعد)

خدا نے کائنات کو حقیقت ثابت کر کے پیش کیا کیونکہ بے مقصد اور کھیل سمجھ کر کوئی

کام کرنا اُس کے شایانِ شان نہیں ۔۔۔۔۔ یہ تو علم کی وجہ سے ہے اور علم سے ہی

سمجھ میں آئے گا ۔۔۔۔۔ علم پھر کیا ہوا؟ کیا ہے؟ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ

"جس کا تمہیں علم نہ ہو تم مت اُس کے پیچھے بھاگو۔" (بنی اسرائیل)

علم وہ چیز ہے جو سمع و بصر اوراک اور حواس کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔ اور پھر علم

اعداد و شمار (Data) و فکر پیش کر کے اُسے اپنے ذہن (mind) کے پاس

طرح حفاظ نے اپنے سینوں میں اسے جگہ دی ہے اِس سے اُس کی اصلیت تا زمانہ برقرار رہے گی۔ یہ کرامت اُس محسن اعظم کی ہے کہ قرآن اب تک محفوظ چلا آ رہا ہے جس طرح دین اسلام سابقہ ادیان کی ہمہ صفات لئے ہوئے ہے اُسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات میں وہ تمام خوبیاں مرکوز ہیں جو سابقہ انبیاء و رُسل کا خاصہ تھیں ——
اسی لئے اسلام کا مطالعہ کرنے سے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسوۂ حسنہ کے مقابلہ میں دنیا میں کسی دوسرے مذہب کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ اسی لئے جب ۱۹۱۱ء میں بیروت کے ایک مسیحی اخبار "الوطن" کے لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے ؟ تو اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم نے یہ نہ لکھا کہ سب سے بڑا شخص جن کو کہا جائے وہ یسوع مسیحؑ تھے بلکہ وہ لکھتا ہے

"وہ شخص دنیا کا سب سے بڑا انسان ہے جس نے دس سال میں نئے مذہب نئے فلسفہ نئی شریعت اور ایک نئے تمدّن کی بنیاد رکھی۔ جنگ کا قانون تبدیل کر دیا۔ نئی طویل العمر سلطنت قائم کی۔ اب تمام کارناموں کے باوجود جب ہم یہ دیکھتے کہ وہ صرف اُمّی و ناخواندہ تھا تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ وہ شخص محمد بن عبداللہ اللہ کے رسولؐ ہیں جنہوں نے قرآنی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالم گیر زبان بنا دیا۔"

اسی طرح کارلائل لکھتا ہے۔

"مذہب کے بانیوں میں محمدؐ بنوت کے ہیرو ہیں ؟ اس کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا میں لکھا ہے کہ تمام نبیوں میں اور مذہبی لوگوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) سب سے زیادہ کامیاب رہے جو قرآن سے بھی واضح ہے۔

مرضی کے مطابق صرف کرنا شروع کر دیا تھا اِس طرح اپنی خود غرضی اور مادہ پرستی ہی جنس یعنی بنی نوع اِنسان کے دیگر گروہوں کو یکسر نظر انداز کر دیا ——— گو نے سورج کی کرنوں سے توانائیوں کو نچوڑ تو لیا لیکن یہی اہلِ مغرب اِنسانی زندگی کی شبِ یلدا کو سحر عطا نہ کر سکا۔ کیونکہ انہوں نے نیچر کی قوتوں کو مسخر کر کے مُہلک سائنسی ایجادات اٹیم، ہائیڈروجن، نائٹروجن بم و راکٹ اور میزائیل سے دوسروں کے لئے تباہی و بربادی کے سامان مہیا کیے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی رو سے اللہ کی بہترین نعمت کے حقدار نہیں ——— اُن کے مقابلہ میں ایک مسلمان جو بھی تحقیق و ریسرچ سے ایجادات کرتا ہے تو تمام بنی نوع انسان کی فلاح اُس کا مقصود ہوتی ہے۔ اسی لیے نیچر کو مسخر کر کے مسلمان تو جنت کا حقدار بن جاتا ہے اور اقوام غیر محروم۔

علم ہیئت (astronomy) اور سائنس کے موضوع پر قرآن کے علاوہ تمام مذاہب کی کتب خاموش ہیں ——— قرآن جہاں سیاسی، معاشی، معاشرتی مسائل کا حل پیش کرتا ہے وہاں مذہب اسلام سائنس کو بھی انسانی ضابطہ حیات کا لازمی جزو تصوّر کرتا ہے۔ آج جب سطحی علم رکھنے والے تنگ نظر علما چاند اور ستاروں پر کمند ڈالنے کی خبر پڑھتے ہیں تو تحقیق کرنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں اور قیامت کے آنے کا پیغام دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں پچاسوں جگہ ریسرچ کی دعوت دیتا ہے اور مختلف آیاتِ قرآنی اِس زمین کے علاوہ دیگر ستاروں اور سیاروں پر آباد مخلوق کی طرف اشارہ کرتی ہیں مثلاً قرآن کی ابتدائی سورۃ فاتحہ میں خدا تعالیٰ کی تعریف یوں بیان ہوتی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

لے جائے۔ اور اس طرح دماغ جو کچھ آخری فیصلہ دے وہ "علم" کہلائے گا۔ پس جب بھی کائنات کی حقیقت کو دل و دماغ کے قریب لایا جائیگا تو حقائق پر سے پردے اُٹھ جائیں گے۔ کائنات کی نشانیاں علم والوں کو اُس کی تخلیق پہ غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہیں اور اس طرح اُس سے جو نتائج و فوائد اخذ ہوتے ہیں۔ انہیں مدّنظر رکھ کر انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ اے خدا تو نے اس کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا۔ ہوا اور موسم کی تبدیلیاں۔ دن رات فضا میں بلا سہارے تیرتے ہوئے کرّے۔ ایک ان دیکھی کشش (کشش ثقل) ہر ایک کو مقررہ راستے (مدار) میں جکڑے ہوئے ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ پس جوں جوں انسان اس کائنات کا علم حاصل کرتا جائے گا۔ تو اُس پر کائنات کے سربستہ راز کھُلتے چلے جائیں گے اور انسان خود قرآنی آیات کا ثبوت مہیا کرتا چلا جائے گا ــــــ ــــــ علم انسان کو لکیر کا فقیر بننے نہیں دیتا بلکہ اُسے ریسرچ کی دعوت دیتا ہے۔ تاکہ وہ کانوں سے سُن کر دل و دماغ سے تولنے پر خود کو آمادہ کرتا ہے۔ لہٰذا جو بھی اس دنیا میں تحقیق یا ریسرچ سے کام لے گا (مسلم ہو یا غیر مسلم) اُس پر کائنات بے نقاب ہو جائے گی۔ قرآن ایسے لوگوں کو "متقین" کے نام سے خطاب کرتا ہے جن کو آخرت میں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے تیرھویں صدی عیسوی کے ابتداء سے مسلمانوں نے جب اس تحقیق و ریسرچ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو ان کا زوال ناگزیر ہو گیا کیونکہ سائنسی ترقیات و ایجادات مسلمانوں سے اُس کے بعد نہ ہو سکیں۔ بلکہ مسلمانوں کی تحقیقی خصوصیات اقوام مغرب نے اختیار کر لیں گو وہ فطرت کی خفتہ قوتوں کو   اب تک بے نقاب تو کرتا رہا ہے لیکن بطریقِ احسن انہیں استعمال کرنے میں ٹھوکر کھائی کیونکہ فطرت کی نعمتوں کو اپنی

موجب خود انسان ہوگا اور اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوگا۔ خود انسانی ایجاد کردہ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں سے ہی کائنات میں قیامت برپا ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔

ابتداء میں عیسائی مشنری کا اعتقاد تھا کہ زمین تمام عالم فضا کے درمیان واقع ہے جس میں خدا یسوع مسیح کی شکل میں اترا ہے۔ لیکن اِس نظریہ کو اہل قرآن نے اور پھر سائنسی ایجادات نے غلط ثابت کر دیا۔ قرآن نے چودہ سو سال قبل کائنات کی طرف توجہ دلائی جبکہ انسان نے کوئی دوربین یا تحقیقی آلات ایجاد بھی نہیں کئے تھے۔ مثلاً قرآن میں یوں فرمایا گیا۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمانوں و زمین سب کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔

لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت خدا ہی کے لئے ہے۔

وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ۔ سورج اور چاند کو تمہارے حکم میں لگا دیا گیا کہ دونوں (دن اور رات) ایک ہی طریقہ پر چل رہے ہیں۔

اِسی طرح دوسری گواہی قرآن نے یہ دی کہ سورج اور چاند اپنے مدار پر محور کے گرد حرکت ہیں ———— اِس سے قبل دُنیا اِس کائناتی و سائنسی اصول سے بے خبر تھی۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔

"کہ سورج اپنے اس محور پر گھومتا ہے جو قانون کے مطابق اُس کے لئے مقرر کیا گیا ہے"

اِس طرح قرآن نے چودہ سو سال قبل علم ہیئت (astronamy) کے اصل صحیح اور مستند اصول پیش کئے۔ جن کو پہلے تسلیم نہ کیا گیا لیکن بعد میں سائنسی ایجادات نے اُس پر مُہر تصدیق ثابت کر دی۔ اور اب بھی پچاسوں حقائق ایسے ہیں۔ جہاں

اِس میں دو لفظ "رَبّ" اور "عٰلَمِین" غور طلب ہیں۔ لفظ "رَبّ" کا مطلب اُس ذات سے ہے جو جاندار مخلوق کی پرورش کرنے والا، نگہبان اور رازق ہے۔ خواہ وہ اس دنیا پر ہو یا یہ مخلوق کسی ستارے یا سیارے پر۔ دوسرا لفظ "عَالَمِین" ہے یہ لفظ عَالَم کا صیغۂ جمع ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایک عَالَم (دُنیا) کا "رَبّ" نہیں بلکہ "عالمین" "کا" رب "ہے اور اس طرح اس دنیا (زمین جو کہ خود ایک سیارے کی مانند آسمان میں دیگر ستاروں و سیاروں کے درمیان چمکتا دمکتا کرّہ ہے) کے علاوہ ایسے ہی دیگر سیاروں و ستاروں یا چاند کا بھی "رب" ہے تو وہاں پر مخلوق کا آباد ہونا ضروری ہے۔ اب یہ تحقیق انسان کے لئے باقی رہ جاتی ہے کہ وہ تلاش کرے کہ کن ستاروں اور سیاروں پر مخلوق آباد ہے اور کن پر نہیں۔ پس خدائے تعالیٰ نہ صرف اس زمین کا پیدا کرنے والا ہے بلکہ فضائے کائنات (space - cosmos) میں جتنے سیارے و ستارے یا اُن کے چاند ہیں (جس طرح زمین کا ایک چاند ہے مشتری کے گیارہ اور زُحل کے نو چاند ہیں) اُن پر آباد مخلوق کا پالنے والا "رَبّ" ہے۔ جو دُنیا پہلی تھی وہ اب مٹ گئی یا جو اب ہیں یا آئندہ پیدا کی جائیں گی۔ جیسا وہ اُن سب کا بنانے والا اُن کی نگہبانی اور کنٹرول کرنے والا ہے۔ ویسا ہی وہ اُن کو تباہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ (مَالِكِ يَوْمِ الدِّين یعنی قیامت کے دن سارے نظام کا درہم برہم کرنے والا) "قیامت" وہ مقررہ دن ہے جس دن اِس کائنات و زمین کی موت واقع ہو گی۔ کیونکہ اُس روز تمام فضائی کائنات تہ و بالا کر دی جائے گی۔ اُس میں زمین کا حال ایسا ہو گا گویا پانی اُگل رہی ہو اور اُس پر کے پہاڑ روئی کی طرح اڑتے پھریں گے۔ زمین پھٹ جائے گی اور اپنے اندر سے ہر چیز اُگل دے گی۔ اس قیامت کا

سپوٹ نِک (Sputnik) چھوڑا تو یہ تسلیم کیا گیا کہ اس کامیابی کے لئے
کے آٹھ سو سال قبل دور کے ایک قدیم عربی نسخہ سے کافی استفادہ کیا گیا جو کہ جرؔ
ایک لائبریری سے دستیاب ہوا تھا۔ چونکہ عرب مسلمانوں کو علم ہیئت پر تحقیق کاوش اور
کائناتی علوم پر دسترس حاصل تھی۔ اس لئے آج کے فضائی دور اور خلائی سفر کے راہنما
(Pioneer) عربی مسلمان ہی کہلا سکتے ہیں۔ جنہوں نے دُوربین، الجبرا، حساب
کے فارمولے بنائے اور علم ہیئت کے اصول مرتب کئے۔ جس کی مدد سے سیاروں، ستاروں
یا چاند تک پہنچنا ممکن ہو سکتا ہے ——— حیرانی کا عالم ہے کہ رُوس نے اپنے
مصنوعی سیارے "سپوٹ نک" Sputnik کو فضا میں خلائی سفر کی پہلی کوشش
قرار دیا۔ حالانکہ اس سے صدیوں قبل دورِ عباسیہ میں ایک مسلمان سائنسدان خود
ساختہ روشن چاند کو کافی بلندی پر معلق لٹکانے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ لیکن اُسے
نظر انداز کر کے مسلمانوں کے کارہائے نمایاں کی پردہ پوشی کی گئی ہے۔ اِسی طرح
حقائق پر دوسری پردہ پوشی جب روسی سائنسدانوں کی مدد سے گیگرین
Gagarine اور امریکہ کے مسٹر سیپرڈ Shepard کو خلائی سفر Spaceflight
کرا کے زمین پر اتارا گیا تو یہ دعوی کیا گیا کہ انسانی تاریخ میں یہ پہلا خلائی سفر ہے لیکن
دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا خلائی سفر نہیں۔ دنیا میں سب سے پہلے حضرت بابا آدم علیہ السلام
جنّت الفردوس سے دنیا میں بھیج دیئے گئے ——— یقیناً وہ کوئی اِس
دنیا سے ماوراء جگہ تھی جس کے اور زمین کے درمیان فضاء حائل تھی جس میں سے گزر کر
آپ دُنیا میں تشریف لائے۔ اِسی طرح دُنیا سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھا لیا
گیا (یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ ہم صلیب دیئے جانے کو تسلیم نہیں کرتے) یہ یکطرفہ

سائنسدانوں کی تخلیقی قوت جواب دے چکی ہے۔ لیکن قرآن اُن پر روشنی ڈالتا ہے۔
أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۔ "وہ لوگ میرا انکار کرتے ہیں۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ تمام آسمانی کائنات اور زمین ملا کر اپنے کام میں لگا دیئے گئے۔ ہم نے انہیں علیحدہ اور تمام زندہ جانداروں کو پانی سے پیدا کیا اُس پر بھی ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں۔" ——— اس آیت قرآنی سے دو بڑے سائنسی حقائق پیدا ہوتے ہیں جن سے دُنیا ابھی تھوڑے عرصہ قبل تک آگاہ نہ تھی۔ اور وہ یہ کہ پہلے تمام فضائے عالم میں صرف ایک ہی ستارے کا جھنڈ تھا جو کہ اپنے محور پر حرکت کرنے کی وجہ سے لاکھوں ستاروں کے جھنڈ میں تقسیم ہو گئے۔ اور اس طرح اپنے اپنے مدار پر حرکت میں لگ گئے۔ اور دوسرا اصول یہ کہ زندگی کی ابتدا پانی سے ہوئی۔
قرآن علم ہیئت یا سائنسی موضوع پر اور کائنات کے حقائق کو اپنی دو ہزار آیات میں زیر بحث لاتا ہے اتنی آیات تو مسائل روزہ، حج، زکوٰۃ اور نماز وغیرہ کیلئے بھی موجود نہیں کیونکہ اُن کی تعداد صرف ڈیڑھ سو کے قریب ہے۔ میں قرآن سائنس کو مذہب سے علیحدہ کرکے نہیں پیش کرتا کیونکہ روحانیت کے بغیر کائنات کے تمام سربستہ راز نہیں کھل سکتے اور نہ ہی کوئی شخص کائنات کا مطالعہ کئے بغیر روحانیت کی حد کو پا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے دیگر مذہب والوں کی طرح کائنات کی پوجا نہیں کی بلکہ اپنے لئے تحقیق در لیسرچ کا سہارا لے کر خدا کو پہنچاننے کا ذریعہ بنایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ابتدائی مسلمانوں نے کائناتی ریسرچ پر اتنا مواد مہیا کیا کہ آنے والے سائنسدانوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوا۔ جب روس نے سب سے پہلے اپنا مصنوعی سیارہ

مستقل طور پر کسی دوسرے کرّہ چاند یا ستارے پر زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ وہاں کے فطرتی قوانین کے مطابق اس کو نہیں بنایا گیا اس کا ثبوت وہاں کی آباد مخلوق ہوگی جو کہ ہم سے بالکل مختلف ہوگی۔ یہ تحقیقاتی ریسرچ انسان کو دیگر سیاروں پر لے جا سکتی ہے اور کچھ عرصہ شاید یہ مصنوعی ذرائع سے خوراک وہوا اور کشش وغیرہ جو کہ اُن کے بدن کے لئے ضروری ہیں فراہم کر لیں یا وہاں لے جائیں لیکن مخلوق کا جا کر آباد ہونا اور نئے فطرتی قوانین کے مطابق خود کو ڈالنا محض خوش فہمی اور خیال خام ہے انسان فطرتی قوانین کی رو سے بے بس ہے۔ مگر قرآن کی پچاسوں آیات سے دیگر سیارگان Planets پر آباد مخلوق کا گمان ہوتا ہے۔ مثلاً

۱۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَکَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ط (الحج ۲۲ : ۱۸) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چارپائے اور بہت سب انسان خدا کو سجدہ کرتے ہیں (قارئین کو یہ آیت پڑھ کر سجدہ کرنا واجب ہے)

۲۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِمَا یَفْعَلُوْنَ وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور ۲۴ : ۴۱، ۴۲) کیا تم نے دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور پر پھیلائے ہوئے جانور بھی۔ اور سب اپنی نماز اور طریقہ سے واقف ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور آسمان اور زمین کی بادشاہی خدا ہی کے لئے ہے۔

خلائی سفر تھا۔ اسی طرح حضرت جبرائیل اللہ تعالیٰ کا حکم (Divine message)
لے کر تمام انبیاء و رُسل کے پاس آتے اور واپس تشریف لے جاتے۔ لیکن یہ انسان
نہ تھے اس لیئے ان کو زماں و مکان (space Time) کی قید نہ تھی۔ لیکن سب
سے کامیاب انسانی خلائی سفر دُنیا کے ایک مکمل ترین شخص نے بھی کیا۔ یہ خلائی سفر
"معراج" ہے۔ جس میں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلا سے گزر کر "سدرۃ المنتھیٰ"
تشریف لے گیئے۔ اور معراجِ انسانیت حاصل کر کے بغیر کسی ضرر کے واپس تشریف لائے
یہ چار دل خلائی سفر اِس چیز کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ زمین کے علاوہ فضائے کائنات
میں اور بھی مخلوق کا دیگر سیاروں پر گمان ہو سکتا ہے۔ اس مخلوق میں انسان، فرشتے
اور جن شامل ہیں۔ جن کا پرورش کرنے والا وہی "ربّ العٰلمین" یعنی خدائے تعالیٰ
کی ذات ہے۔ اس طرح جناب غازی سراج الدین منیر صاحب جو قرآن سائنس اور
خلائی سفر وغیرہ کے موضوع پر اچھے مقرر ہیں کا نظریہ (جو وہ اکثر کالجوں اور بالخصوص
گورنمنٹ کالج سرگودھا میں پیش کر چکے ہیں) کہ دیگر سیارہ گان پر آبادی نہیں۔ بلکہ
اس زمین سے دیگر سیاروں پر مخلوق کی ابتدا ہو گی۔ اس لیئے باطل ہے کہ انسان
چونکہ اس کرۂ زمین کے فطرتی قوانین (Constitution) کے تحت باری تعالیٰ
نے پیدا کیا ہے اس لیئے وہ صرف یہاں کی ہی آب و ہوا کشش ثقل یا خوراک پر
پر زندہ رہ سکتا ہے کیونکہ اسی کو مدنظر رکھ کر انسانی جسم اور دل و پھیپھڑوں کی ساخت
بنائی گئی۔ جس طرح پانی میں رہنے کے لیئے مچھلی کے جسم اور پھیپھڑوں کی ساخت کہ
پانی کے علاوہ جس طرح وہ ہوا میں زندہ نہیں رہ سکتی انسان پانی میں زندہ نہیں رہ سکتا
اسی طرح ہر فضا کے مطابق پرندے پیدا کیئے۔ گو انسان اس فضا سے نکل کر

۱؎ ۲۰ جنوری ۱۹۵۸ء اور ۲۷ جنوری ۱۹۵۹ء

لئے سب سے مشکل مسئلہ رہا ہے۔ آخر کار روس و امریکہ کے سائنسدان طاقت (زور)
مدد سے راکٹ[1] کو زمین کی کشش سے آزاد کر کے فضا میں پرواز کرنے کے قابل ہوئے
ں سے دوبارہ کسی سیارے یا چاند کی کشش میں داخل ہو کر بھی اس پہ اترنا ممکن ہے اس
فضائی پرواز کے سلسلہ میں کشش ثقل کا حوالہ سورۃ الرحمٰن کی اس آیت سے ملتا ہے۔

يَٰمَعْشَرَ ٱلْجِنِّ وَٱلْإِنسِ إِنِ ٱسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا۟ مِنْ أَقْطَارِ
ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ فَٱنفُذُوا۟ ۚ لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَٰنٍ ۝ (الرحمٰن ۵۵ : ۳۳)

اے گروہ جن وانس اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان و زمین کے کناروں (کناروں سے
مراد کشش ثقل سے نکل کر خلا میں پرواز کرنا ہے) سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ اور زور ——
(centrifugal force) کے سوا تم نہیں نکل سکتے"

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خلائی پرواز ممکن تو ہے جو کہ صرف اسی وقت ہو سکتی
ہے جب آپ کشش ثقل (centrifugal force or gravitation Pull) پہ
کنٹرول کر لیں اور اس قوت کے مقابلہ میں زیادہ زور یا جھٹکے سے ہی راکٹ یا مصنوعی سیارہ
زمین کے کناروں (کشش) سے نکل کر فضا میں تیرتے ہوئے کسی سیارے مثلاً سے یا چاند
وغیرہ کے حلقۂ کشش میں دوبارہ داخل ہونے پر اس سیارہ کی کشش اس کو اپنی طرف کھینچے
گی۔ اس طرح راکٹ کا اترنا ممکن ہو جاتا ہے[2]۔ لیکن قرآن یہ کہہ دیتا ہے کہ اگر تم اس زور
طاقت یا کشش پہ کنٹرول نہیں کر سکتے تو پرواز ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ آج سائنسدان
اس چیز پہ قابو پا چکے ہیں اس لئے قرآن کی رو سے خلائی سفر میں کامیاب ہوں گے۔

بڑی طاقتوں نے جب سے ایٹمی میدان میں قدم رکھا ہے اس وقت سے انسانیت کو
بہت بڑا خدشہ لاحق ہوا۔ کیونکہ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کی ایجاد نے دنیا کی تباہی کے

حوالہ ۱ ۲ جنوری ۱۹۵۹ء کو سورج کی طرف روسی راکٹ کی پرواز
۲ اٹھارہ ہزار میل فی گھنٹہ رفتار کی ضرورت ہوتی ہے۔

پس مندرجہ بالا آیات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق زمین اور آسمانوں (آسمان سے مراد ذو سیاروں کا درمیانی خلائی فاصلہ اور اس فضا میں تیرتے ہوئے چاند سیارے اور ستارے) میں آباد مخلوق اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرتی ہے کیونکہ اس زمین کی طرح دیگر سیارے و ستارے بھی اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے صوبوں میں سے ہیں اور تمام ارض و سما پر اسی کا اقتدارِ اعلیٰ (sovereignty) ہے۔ اور جس میں ہر طرح کی آباد مخلوق اس کی رعیت ——— اور اس کائنات کا تمام نظام اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق ——— جاری و ساری ہے۔

اس طرح امریکہ اور روس کی راکٹ اور میزائیل ایجادات یا فضا میں عظیم الجثہ سٹلائٹ (مصنوعی سیارے) کے فضا میں چھوڑے جانے کا حوالہ بھی قرآنی آیات سے ملتا ہے۔ جس کو قرآن نے "دَبّٰات الارض" سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے عیاں ہوتا ہے کہ فضا (Cosmos) کو چھاننے اور تسخیر کرنے کی کوششیں کی جائیں گی اس ضمن میں تفسیر میں یوں آیا ہے۔ کہ مشرق و مغرب کے لوگ "دبّات الارض" کو بیک وقت دیکھ سکیں گے (پرواز کرتے ہوئے) اسی طرح ایک اور مستند روایت ہے کہ دَبۃ" (" جانور" ——— ہماری مراد راکٹ یا سپوٹ نک سے ہے) ہر بڑے شہر سے ظاہر ہوگا اور اس کے ظہور کا وہ وقت بتایا جبکہ دنیا میں عام بے اطمینانی اور اختلافات و نظریات کی کشمکش کا خطرہ لاحق ہوگا ——— جو کہ موجودہ دور پر صادق آتا ہے۔ جس میں راکٹ اور مصنوعی سیارے فضا میں چھوڑے جا رہے ہیں ——— فضائی پرواز کے سلسلہ میں زمین کی کشش سے فضا میں نکل جانا ہی موجودہ سائنسدانوں

اس قوم کو کبھی آزادانہ سوچنے اور پنپنے کا موقعہ فراہم نہ ہونے دیا۔ ان ؟
مغرب کا ترقیاتی و تحقیقی میدان میں ابھرنا ناگزیر تھا۔ اور دوسری طرف مسلمانوں میں علم
کی کمی جہالت اور غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے وہ ہمیشہ احساس کمتری کا شکار رہے حالانکہ
خود قرآن میں باری تعالیٰ نے یہ پیشگوئی کر دی تھی کہ ہم ایسی نئی ایجادات کا سلسلہ جاری
رکھیں گے جس کا تمہیں اب علم نہیں۔ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔" اور وہ (اور
بھی چیزیں) پیدا کرتا ہے جن کی تم کو خبر نہیں"۔ پس موجودہ دور میں جتنی ایجادات و
ترقیاں سائنسی معاشرتی و صنعت و حرفت میں ہوئی ہیں یا آئندہ ہوں قرآن مسلمانوں
کو پوری تیاری کی دعوت دیتا ہے خواہ غیر مسلموں نے ایٹم ہائیڈروجن بم یا راکٹ و میزائل
اور مصنوعی سیارے کیوں نہ بنا لئے ہوں۔ اگر آج مسلمان تیاری کریں تو انکو پکڑ لینا
مشکل نہیں کیونکہ قرآن خود اس کے لئے مسلمانوں کو تیار کرتا ہے۔ کہ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا
اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ ۔ کہ جہاں تک ہو سکے اپنی پوری صلاحیت
و قوت کے ساتھ دشمن کے مقابلہ میں مستعد رہو اور پوری تیاری رکھو۔ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

مسلمانوں کے سرمایۂ افتخار سائنسدان

تیرھویں صدی کی ابتداء میں جب بدقسمتی سے مسلمانوں کا زوال شروع ہوا تو اس
کے بعد ایجادات میں مسلمان اپنا حصہ کَمَا حَقَّهٗ ادا نہ کر سکے۔ لیکن ان کی سابقہ کارگزاریاں
تحقیق ریسرچ و ابتدائی ایجادات ہمارے لئے سرمایۂ صد افتخار ہیں۔ یہ سرمایہ و مواد
جو مسلمانوں کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ اہل مغرب نے جس قدر اس سے استفادہ کیا اس
سے کسی کو انکار نہیں۔ ۱۹۶۰ء میں آرتھر ہاورڈ نے واشنگٹن میں اور ملکہ الزبتھ نے

غار پہ لاکھڑا کیا۔ قرآن میں اِس کا بھی حوالہ اِس طرح ملتا ہے۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ۔

(الرحمٰن ۵۵ : ۳۵) تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے۔ یہ آیت اس خطرہ کا بین ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اگر ایٹمی جنگ چھڑ گئی اور یہ مہلک بم ہیروشیما اور ناگاساکی کی طرح بڑی طاقتوں نے ایک دوسرے کے خلاف استعمال کئے تو پھر دُنیا میں سوائے آگ اور دھوئیں کے کچھ نہ ہوگا۔ ایسی حالت میں کسی میں مقابلہ کی سکت کس طرح باقی رہ جائے گی۔ جبکہ دُنیا میں پورا قیامت کا منظر برپا ہوگا؛

آخر ہم نے دیکھا کہ فضاء کی تسخیر اور دیگر تحقیق و ریسرچ کا جو کام مسلمانوں کے سپرد ہُوا تھا جن کے پاس رہنمائی کے لئے guidance بھی تھی۔ لیکن آج وہ زمین کی اتاہ غاروں میں کیوں گرتا جا رہا ہے؟ —————— اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ان قرآنی اصولوں guidance کو اقوامِ مغرب نے اپنے ہاتھوں میں لے کر عروجِ ثریا پہ پہنچنے کی جدوجہد کرتی رہی ہیں اور اُس پر ستم ظریفی یہ کہ مسلمانوں کے ذخیرہ علوم و فنون افکار و نظریات اور بغداد جیسے تمدّن کے مخزن کو ایک متعصبانہ پالیسی کے تحت تباہ و برباد کر کے مسلمانوں کی تخلیقی قوت کو ہمیشہ کے لئے مفلوج کر دیا اور یہ کوششیں صلیبی جنگوں کے بعد ہنوز جاری ہیں۔ اِس طرح مسلمانوں کی ذِلّت خواری کے غار میں دھکیل کر اُس کے اسلاف کی ناکامی کا بڑے شدومد سے پروپیگنڈہ کیا گیا۔ تاکہ انہیں اپنے سرمایہ افتخار کارناموں پر ایک نظر بھی ڈالنے کی خواہش پیدا نہ ہو۔ اس طرح اقوامِ مغرب نے جو ٹھوکر لگائی اُس سے مسلمان اب تک نہ سنبھل سکا۔ اور اُن کے حلقۂ غلامی میں آنے کے بعد تو بالخصوص مسلمانوں پر ترقی اور برتری کی تمام راہیں مسدود کر دی گئیں۔ اور

جغرافیہ، علم ہیئت (ASTRONOMY) اور ادویات medicine and (PHARMACY) میں خاص مقام پیدا کیا۔ اور مغربی علوم نے ان سے پورا استفادہ کیا۔ حساب اور الجبرا میں صدیوں تک جناب محمد ابن موسیٰ الخوارزمی مشرق و مغرب میں اپنا مقام روشنی کے مینار کی مانند رکھتے تھے۔

علم الجبرا اور علم ہیئت جن کے موجد بالخصوص مسلمان ہیں انہوں نے ان علوم پر جو مواد مہیا کیا اُس نے مغربی سائنسدانوں پر تحقیق و ریسرچ کے دروازے کھول دیئے۔ آج انہیں فارمولوں اور اصولوں اور ابتدائی تحقیق کی روشنی میں راکٹ اور میزائیل کی ایجاد کے بعد مصنوعی سیاروں اور خلائی پرواز سے ستاروں اور سیاروں پر پہنچنے کے انتظامات ہو رہے ہیں ——— مثال کے طور پر عظیم حسابدان الخوارزمی کا زیچ (astronomical table) عرصہ تک مشہور رہا۔ جسے بعد ازاں دسویں صدی عیسوی میں مسلمہ نے نظرِ ثانی کر کے پیش کیا۔ اور انہوں نے ہی زمین کا نقشہ چند سائنسدانوں کی مدد سے تیار کر کے اپنی کتاب "صورت الارض" میں پیش کیا۔ اسی طرح مسلمانوں میں علم ہیئت میں سب سے اول تحقیق کرنے والے ابو عبداللہ ابن جُبیر البتانی مسلمان سائنسداں تھے جو کہ اب تک لاطینی دنیا میں Albateganius کے نام سے مشہور ہیں جنہوں نے سورج کی حرکت اور زمین کے تعلق سے سورج گرہن کے گھٹنے بڑھنے پر تحقیق کی ——— ابو العباس محمد ابن طہر الفرغنی جو لاطینی میں Alfragamus کے نام سے مشہور ہیں نے مامون کے عہد میں "دار الحکمہ" کی بنیاد رکھی۔ اور زمین کی پیمائش کی۔ مغربی سائنسدانوں میں اُن کی کتاب "حرکات السماویہ و جوامع علم النجوم" نے کافی شہرت حاصل کی۔ جو کہ لاطینی زبان میں sciuntia stellarum کے

صا سپوتنک ۴ ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو فضا میں پہلا روسی مصنوعی سیارہ چھوڑا گیا۔

اپنے دورۂ مشرقی پاکستان میں خود اس کا اعتراف کیا کہ تحقیق و ریسرچ کو آج جو مقام حاصل ہے مسلمانوں اُس کے میرِ کارواں (Pioneers) ہیں ـــــ سب سے پہلے مسلمان سائنسدانوں کی نوشتہ کتب کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا جہاں سے پھر دیگر یورپی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور اس طرح اقوام غیر پر بھی سائنس کے میدان میں جولانی کرنے کے لئے دروازے کھل گئے ـــــ چونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا تھا۔ اس لئے یہ مسلمانوں کی قومی اور مذہبی زبان کی حیثیت اختیار کر چکی تھی اسلئے وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ انتظامیہ سائنس ثقافت کا سرمایۂ علوم اسی زبان کا خاصہ بن گیا اور بغداد صدیوں تک اسلامی علوم و فنون اور ادب و سائنس کا مرکز بنا رہا۔ اُس وقت عربی زبان کی حیثیت یہی تھی جیسا کہ یورپ میں لاطینی زبان کو مقام حاصل تھا۔ لیکن یہ زبان فلاسفی، دینیات اور سائنس کی زبان نہ تھی۔ جیسا کہ عربی میں صلاحیت پائی جاتی ہے کہ ہر علم کو اپنے سینہ میں جگہ دے سکتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں لاطینی زبان کا زیادہ تر سیاست اور ڈپلومیسی سے تعلق تھا ـــــ (Hitti) ہٹی خود ایک جگہ لکھتا ہے۔ کہ سارٹن نہایت جذباتی انداز میں اعلان کرتا ہے کہ "انسانیت کا سب سے بڑا کام مسلمانوں نے سرانجام دیا" ـــــ مثال کے طور پر انسانیت کی اس خدمت نے مندرجہ ذیل مسلمان مفکرین اکابرین موجد تاریخدان حساب دان اور سائنسدانوں کا تعلق تھا۔ جنہوں نے وسائل کی کمی ہونے کے باوجود عربی زبان میں ذخیرہ علوم کتابی صورت میں پیش کیا مثال کے طور پر عظیم فلاسفر، الفارابی، عظیم حسابدان ابو کامل۔ ابراہیم اور سنان مسلم ہی تھے۔ جو دیگر علوم اور جغرافیہ میں یکتائے روزگار تھے ـــــ المسعودی طبری عظیم مسلمان تاریخ دان تھے۔ ان ہی مسلمانوں کی نگارشات تھیں جنہوں نے الجبراء

ریسرچ اور تحقیق کے میدان میں اسلام کے غازی سائنس اور روحانیت کو ہمیشہ شانہ بشانہ لیکر چلے ہیں یہی وجہ ہے کہ رسول مقبولؐ، خلفاء، صحابہ اور آئمہ کرام کی نگاہ بصیرت کسی بھی معاملہ کی گہرائی تک پہنچنے میں ذرا تامل نہ کرتی تھی۔ اُن کے مقابلے میں اب تک محققین و سائنسدان کسی بھی نکتہ کے حل یا ایجاد کے لئے تحقیقاتی کمیشن یا سائنسی لیبارٹریوں میں تحقیق و تجربات کرکے کروڑوں روپیہ صرف کیا اور مواد (Data) جمع کرکے برسوں میں کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ پھر بھی وہ موجودہ مسائل کا حل فطرت کے قوانین، روحانیت اور فلسفہ کی مدد سے نکالنے کی پوری صلاحیت نہیں رکھتے اسی لئے انہیں اپنے حصولِ مقصد میں متعدد بار ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا لیکن مسلمان جب اسلام کے ذخیرہ افکار سے مستفیض ہوئے تو روحانیت کا دامن تھام کر ایسے مافوق الفطرت کارنامے سرانجام دیئے کہ مغربی مفکرین و مستشرقین یا سائنسدان (روحانیت سے نابلد ہونے کے سبب) ہمارے اسلاف کے کارناموں کی حقیقی روح کو پالینے سے قاصر رہے۔ اس لئے بھی کہ معجزات یا مافوق البشر کارنامے سرانجام دینا پیغمبرانِ خدا اور یا پھر صرف مسلمان فقراء و صوفیاء کرام کے ہی حصہ میں آیا ہے۔ ہمارا یہ چیلنج ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ کوئی قوم بھی کائنات کے سربستہ رازوں اور فطرت کی حقیقت کو پالینے کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لئے یہ طے شدہ امر ہے کہ بغیر اسلام کے ذخیرۂ افکار سے استفادہ کئے فلسفہ اور روحانیت کو ساتھ لیکر نصوصِ قرآنیہ کا دقیق مطالعہ کئے بغیر کائنات کی تحقیق و تسخیر ممکن نہیں۔ مادیت پسند طبقہ سے بس یہی توقع کی جاسکتی ہے۔ کہ دیگر دنیاوی، ملکی اور سماجی کاموں کی طرح کائنات کی تسخیر کا کام بھی ادھورا چھوڑ کر اپنی عقل کی نارسائی تسلیم کرلے گا۔

نام سے مشہور ہے۔ اور ڈانٹے Dante کے علم ہیئت پر زیادہ تر اعداد و شمار (Data) اسی کتاب سے اخذ شدہ ہیں ابو مشعار جو یورپ میں Alkumasar (the astrologer کے نام سے مشہور ہیں سب سے پہلے شخص ہیں جس نے سمندری لہروں پر چاند کے اثرات بیان کئے ——— ابوالقاسم سید الطلاطلی (Abu Alqasim altulaytuli) جو کہ عظیم حسابدان اور اس علم میں یکتا اور مانے ہوئے authority تھے۔ جنہوں نے سائنسی "تاریخ" پر طبقات الامم Tabaqatal umam کے نام سے مشہور ہے جس سے بعد میں لکھنے والوں نے خوب استفادہ کیا جابر افن فلاح اشبیلیہ (seville) جن کا لاطینی نام Geber ہے۔ انہوں نے (armllarryasphaa) ایجاد کیا تاکہ آسمانی سیارہ گاں کی زمین سے دوری کی پیمائش کرکے ان کی پوزیشن معلوم ہو سکے ——— باٹنی (B otony) میں ابوالاعباس البناطی نے پودے دریافت کرکے ان کی لسٹ اپنی کتاب میں پیش کی۔ اسی طرح ابو جعفر نے بھی بہت سے درختوں کو جمع کرکے عربی اور لاطینی نام دیئے۔ ابن رُشد مُوسیٰ ابن مامون ادویات (medicine) کے میدان میں خاص مقام رکھتے ہیں ——— علم الابدان میں عبداللطیف بغدادی نے انسانی ڈھانچہ کا مطالعہ کرکے اس علم میں غیر معمولی اضافہ کیا ——— اسی طرح ابوسینا فارابی اور خیام کا مقام مشرق و مغرب میں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ پس موجودہ تحقیق ریسرچ اور سائنسی ایجادات یعنی دورِ عباسیہ کے سائنسدان ماہر علوم و فنون اور موجد سائنس ہی اصل راہ دکھانے والے ہیں۔

(Anatomy) کو جداگانہ علم کی صورت میں پیش نہ کیا اسلئے کہ اس کی تشریح میں اعضاءِ جسم کی مخصوص ساخت، شکل و شباہت سے بحث و استدلال کیا جانا چاہیئے تھا۔ مثلاً سر ایک کیوں پیدا کیا یا سر گول کیوں ہے؟ آنکھیں بادام کی مانند سر میں کیوں پیدا کی گئیں؛ گھٹنے کا جوڑ پیچھے کیوں مڑتا ہے؟ بال بے جان کیوں بنائے گئے وغیرہ وغیرہ ——— لہٰذا اگر اس قسم کی تشریح بھی مدنظر رکھی جائے اور تحقیق کی جائے تو نہ صرف ایک ضروری علم کی ابتداء ہو سکتی ہے بلکہ اس کے توسط سے انسانی اعضاء کے خالق اور پروردگارِ عالم کی معرفت اور خود اپنی حقیقت سے آگاہی حاصل ہو جائے۔ چونکہ اس قسم کی تشریح کے لئے استدلال کی ضرورت ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد مغربی مفکرین اس پر سوچ و بچار کریں اس لئے قبل از وقت ہی بہتر ہوگا کہ اس علم پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے کیونکہ اس میدان میں بھی علمی تحقیق مسلم مفکرین سے پوشیدہ نہ تھی ——— پہلی صدی ہجری میں دورِ اسلامیہ کی [illegible] پاک ہستی حضرت امام ابو عبداللہ جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام کی تعلیمات سے ہی واضح طور پر اس قسم کی علمی بحث پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ اس تشریح کے ذریعہ خداوند عالم کے وجود کو ثابت فرمانے اور اس کی قدرتِ کاملہ کی عظمت اور شان کا ثبوت فراہم کرتے تھے۔

امام جعفر صادقؑ علم و حکمت و دانائی کے بحرِ بے کراں تھے اور آپ کے چشمہ علم سے مسلم و غیر مسلم سب ہی سیراب ہوتے تھے۔ ویسے بھی باب العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد یعنی خاندانِ رسالت کے چشم و چراغ تھے۔ یہاں آپ کے ارشادات تشریح پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دورِ جدید کے محققین۔ ڈاکٹروں اور مفکرین تک یہ پہنچ سکے اور اسلامی ذخیرۂ افکار کی افادیت کا انہیں بھی کچھ اندازہ ہو سکے ——— پہلی صدی میں

طب و تشریح Anatomy

اس وقت ہر قسم کے عقلی علوم و عملی فنون سے متعلق بے شمار کتب بھری پڑی ہیں اور مختلف ذخائر افکار کے پلندوں سے لائبریریاں اٹی پڑی ہیں لیکن اب بھی بہت سے ایسے پہلو باقی رہ گئے ہیں۔ جن پر تحقیق و ریسرچ بہت پہلے ہونی چاہیئے تھی ـــــ مثلاً ایک پہلو خود انسان کی اپنی ذات ہے۔

کائنات کی تمام اشیاء کیوں، کس طرح اور کس نظریے کے تحت معرض وجود میں لائی گئیں؟ ان کی موجودہ شکل کے علاوہ دوسری صورت کیوں مناسب نہیں؟ ـــــ یہ مچھر، مکھی، سانپ، کیڑے مکوڑے، درندے، چرند و پرند اور مختلف اقسام کے جانوروں وغیرہ کی پیدائش حتیٰ کہ خود حضرت انسان کو ایسی مخصوص ساخت و شکل و شباہت میں پیدا کرنا آخر کیوں مقصود تھا؟ ـــــ اس موضوع پر تحقیق کے اعداد و شمار (Data) و مواد عنقا ہے۔ اتنا اہم موضوع نہ معلوم کیوں اہل مغرب سے سہو نظر ہوا اور تحقیق نہ کی گئی کہ آخر انسان کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ ـــــ اس کا فلاں اعضاء موجودہ شکل میں ہے ایسا کیوں بنایا گیا اور آخر اُسے فلاں جگہ ہی لگانا کیوں بہتر تھا؟ ـــــ کاش وہریت پسند اگر صرف اپنی ہی ذات کی ساخت پر غور کر لیتے تو خدائے تعالیٰ کی شان عظمت اور اس کی وحدانیت و کارسازی کے قائل ہو جاتے اور ان کے دلوں میں اس کے حقیقی رب العالمین ہونے کا ذرا شک و شبہ باقی نہ رہ جاتا ـــــ گو سرجری، ایٹمی شعاع اور ریڈیم وغیرہ نے انسان کو بے انتہا فائدہ پہنچایا ہے اور تشریح Anatomy علم الابدان اور علم الامراض وغیرہ پر بے حساب تحقیق کی گئی لیکن جہاں ماہرین نے Anatomy کی متعدد قسمیں بیان کیں وہاں اس خاص قسم کی تشریح

ہو کر دونوں آنکھوں کو برابر پہنچے۔

۸۔ ناک کا سوراخ نیچے کی جانب اس لئے رکھا گیا تاکہ اس کے ذریعہ دماغ سے فاسد مادے اور فضلات نیچے اتر کر خارج ہوں اور خوشبو مرکز شامہ کی طرف چڑھے (اگر سوراخ اوپر ہوتا تو نہ مادے خارج ہوتے اور نہ بو محسوس ہوتی)

۹۔ مونچھیں اور لب منہ کے اوپر اس لئے بنائے گئے کہ دماغ سے نازل ہونے والے مواد منہ تک نہ پہنچیں یا کھانے پینے میں حائل نہ ہوں۔

۱۰۔ مردوں کی داڑھی مرد اور عورت میں تمیز کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

۱۱۔ نکیلے دانت چیزوں کو کاٹنے کے لئے اور ڈاڑھیں غذا پیسنے اور چبانے کے لئے ہیں۔

۱۲۔ دونوں ہتھیلیاں بالوں سے خالی اس لئے کہ ان کے ذریعہ اشیاء کا مس مقصود ہے۔ بال ہونے پر کوئی چیز چھو کر محسوس نہ کر سکتا۔

۱۳۔ بال اور ناخن اس لئے بے جان کہ طوالت بری اور تکلیف دہ ہوتی ہے اس لئے کہ کاٹے جا سکیں تو تکلیف نہ ہو۔

۱۴۔ قلب صنوبر کے دانے کی طرح اس لئے کہ وہ اوندھا (منکس) ہے اور راس دقیق اس لئے کہ وہ پھیپھڑوں میں سما سکے اور ان کی ٹھنڈک کی ترویج حاصل کر سکے ورنہ اس کی گرمی دماغ کو اذیت پہنچاتی۔

۱۵۔ پھیپھڑے دو اس لئے کہ قلب دونوں کے مابین داخل ہے اور ان کی حرکت و تنفس سے ترویح حاصل کرتا ہے۔

۱۶۔ جگر محدب اس لئے ہوتا ہے کہ معدہ پر بوجھ ڈالے اور اس کو گھیر کر نچوڑے تاکہ

امام جعفر صادق نے منصور دوانیقی کی مجلس میں ایک کامل ہندی طبیب سے انسانی اعضاء کی ساخت پر اٹھارہ سوالات کئے تھے اور وہ فاضل مرد طبیب ان میں سے ایک کا جواب نہ دے سکا۔ آخر آپ نے ایسے تشریحی جوابات دیئے کہ طبیب ایمان لا کر حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ آپ نے اُن تشریحی سوالات کے درج ذیل جواب ارشاد فرماتے تھے۔

۱۔ اوّل یہ کہ سر میں درزیں (Sutures) اس لئے ہوتے ہیں کہ وہ جوف دار ہوتا ہے اور ہڈیوں کی ان درزوں کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ایک ہڈی کو آفت پہنچے تو سر کی تمام ہڈیوں میں سرائیت نہ کرے۔

۲۔ سر کے اوپر بال اس لئے بنائے گئے کہ اُن کے توسط سے دماغ سے روغنیات پہنچ سکیں اور ان کے آزاد سروں سے بخارات خارج ہوں اور حرارت و برودت رفع ہو۔

۳۔ پیشانی بالوں سے خالی اس لئے ہے۔ کہ اس کی طرف سے آنکھوں کی جانب روشنی پہنچتی ہے۔

۴۔ پیشانی پر خطوط اور چنیٹیں اس لئے ہوتی ہیں کہ سر سے آنکھوں کی طرف آنیوالا پسینہ ان میں رُک جائے اور اُن کے ذریعہ جانبین کی طرف بہہ نکلے۔

۵۔ بھویں آنکھوں کے اُوپر اس لئے ہوتی ہیں کہ روشنی کی مناسب مقدار آنکھوں تک پہنچ سکے (اکثر تیز روشنی میں آدمی ہاتھ اپنی آنکھوں کے اوپر رکھتا ہے)

۶۔ آنکھیں بادام کی مانند اس لئے بنائی گئیں ہیں کہ دوا کی سلائی آنکھ میں بآسانی پھیری جا سکے اور مرض رفع ہو سکے۔

۷۔ دونوں آنکھوں کے درمیان ناک اس لئے پیدا کی گئی کہ روشنی ۲ دو حصوں میں منقسم

قبل تاریک دَور میں اسلام کے ذخیرہ افکار نے ہمہ قسم کے علوم و فنون کے جواہر ریزے بکھیرے جنکی خوشہ چینی کرکے اقوام مغرب نے موجودہ دَور میں ضیا پاشی کی ہے۔ قرآن پاک نے زرّیں اصول پیش کئے تو مسلمان اس وقت کچھ نہ سمجھ سکا۔ آج جب حقیقت پر سے پردہ اٹھا تو قرآن کی صداقت سامنے آجاتی ہے۔ مثال کے طور پر سب سے پہلے صدیوں قبل قرآن نے بتایا کہ سیارے اور چاند ستارے کشش سے جکڑے ہوئے حرکت کرتے ہیں۔ یہ کہ کائنات کی تخلیق پانی سے ہوئی ــــ اور یہ کہ پودوں میں بھی مخالف جنس (نر و مادہ) ہوتے ہیں وغیرہ ــــــــ اسی لئے آج جب مغربی محققین سائنسدان اور ماہرین اپنی جدید تحقیق کو صدیوں قبل کی الہامی کتب میں اس کا حوالہ پاتے ہیں تو گنگ رہ جاتے ہیں۔

اس سے بخارات خارج ہوں۔

۱۷۔ گھٹنے کا جوڑ پیچھے کی طرف اس لئے مڑتا ہے کہ انسان اپنے سامنے کی طرف چلنے پر قادر ہو۔

۱۸۔ تلوے نیچے سے خالی اس لئے ہوتے ہیں۔ کہ زمین پر چلنا آسان ہو۔ چپٹے ہوتے تو سارے بدن کا بوجھ پڑتا۔

(حوالہ طب الامام الصادق علیہ السلام بقلم محمد خلیلی مطبوعہ نجف ۱۳۸۴ھ ـــــ (۲) کتاب الخصال ابن بابویہ القمی مجلد ثانی صفحات ۹۷ - ۹ ۱۴ ایران)

اس کے علاوہ ایک نصرانی کے جواب میں جسم انسانی کی تشریح کا خاکہ یوں بیان فرمایا حالانکہ اس وقت سرجری۔ مردے کی چیر پھاڑ۔ ایکسرے وغیرہ کا وجود نہ تھا اور نہ ہی تحقیقی مواد اس موضوع پر مستند پیش کیا جا سکتا تھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پارۂ وصل (وصل سے مراد پارہ اعضاء جو باہم ملتے ہیں۔ مثلاً سر گردن۔ بازو کا جوڑ۔ ران کا جوڑ وغیرہ) ۲۴۸ ہڈیوں اور ۳۶۰ رگوں پر تخلیق فرمایا۔ یعنی دونوں ہاتھوں میں ۸۲ ہڈیاں (ایک ہتھیلی میں ۳۵ ہڈیاں۔ کلائی میں دو۔ بازو میں ایک۔ مونڈھے میں تین (کل مجموعہ ایک ہاتھ ۴۱ ہڈیاں)) پاؤں میں ۴۳ ہڈیاں۔ صلب (ریڑھ) میں ۱۸ مہرے۔ اور ہر پہلو پر ۹ پسلیاں۔ گردن میں ۸ اور سر میں ۳۶ اور منہ میں ۳۲ ہڈیاں ہوتی ہیں۔ (حوالہ طب الامام الصادق علیہ السلام بقلم محمود الخلیلی ومناقب ابن شہر آشوب وبحار الانوار جلد ۱۴۔ صفحہ ۴۸۰)

اس طرح مسلمان نہ صرف علم الابدان بلکہ تشریح Anatomy ۔ جڑی بوٹیوں سے ادویات فارمیسی میں ہی ماہر و یکتائے روزگار تھے۔ بلکہ کیمیا سے سونا تک بنانے کی اہلیت رکھتے تھے ـــــ موجودہ ترقی یافتہ سائنسی دور سے ۱۴ سو سال

اسلامی حکومت میں سیاست کی بنیاد قرآن کے ان بنیادی اصولوں پر استوار ہوتی ہے جو انسانی زندگی کے ہر لائحہ عمل میں کارآمد اور قابلِ عمل ہوتے ہیں۔ اس لئے آج بھی اسلامی نظریہ کو انسانی مسائل حل کرنے میں جو کامیابی حاصل ہوسکتی ہے وہ کسی بھی مغربی سیاسی نظریے سے ممکن نہیں۔ ہمارا یہ ایمان اور اعتقاد ہے کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اختیار کردہ سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی اصول ہی اسلامی سیاست کے بنیادی مدار ہیں انہیں اصولوں پر اسلامی حکومت کی بنیاد کھڑی کی جاتی ہے جن کا مختصر خاکہ زیرِ نظر ہے۔

اقتدارِ اعلیٰ یا Sovereignty

اسلام میں قانون سازی انفرادی یا اجتماعی طور پر کسی مذہبی فرقے یا عوام کو حاصل نہیں اور نہ انہیں ایسے بنائے ہوئے قوانین ملّت پر ٹھونسنے کا حق حاصل ہے لہٰذہ قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہے۔ ان قوانین کا نزول وحی واحکامات الٰہیہ کی صورت میں پیغمبروں کے توسط سے ملّت کے لئے ہوتا ہے۔ جس میں افراد تو کجا پیغمبر تک کو اضافہ یا تحریف کی اجازت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اسلامی قانون کی رُو سے امیر و غریب پیغمبر یا فرد سب برابر متصوّر ہوتے ہیں۔ پس اسلامی ریاست کی بنیاد ان بنیادی اصولوں پر استوار ہوتی ہے جس میں اوّلاً اقتدارِ اعلیٰ sovereignty اللہ تعالیٰ یا شریعت کو حاصل ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (سورۃ یوسف) حکم فقط اللہ ہی کے لئے ہے جس نے حکم دیا ہے کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی دینِ قیم ہے۔

اِلٰہ کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ ذات جس کو کُل اتھارٹی حاصل ہے کیونکہ وُہی

اسلامی نظریۂ حکومت وسیاست

"اسلام اور حکومت دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں کوئی بھی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ اسلام کی مثال ایک عمارت ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے۔ جس عمارت کی کوئی بنیاد نہ ہو وہ عمارت گر جاتی ہے اور جس کا کوئی نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے"۔ (ارشادِ گرامی نبی اکرم صلعم)

اسلام محض ایک مذہب یا چند عقائد و رسومات کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے یہ ان اصول وضوابط پر مشتمل ہے جو انسان کی ہر پہلو سے کشمکشِ حیات میں رہنمائی کرتا ہے۔ ایسا نظامِ حیات کوئی مذہب نظریہ یا ازم پیش کرنے سے قاصر ہے صرف اسلام ہی تمام قسم کے مسائل خواہ وہ سیاسی نوعیت کے ہوں یا معاشی و معاشرتی کے لئے چند اصول پیش کرتا ہے جن کی روشنی میں ہم ان کا حل تلاش کرتے ہیں۔ یہ زریں اصول ہمیں کلامِ حکیم سے حاصل ہوتے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے کا خلاصہ ہمیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ یا صحابہؓ کے کردار اور خلفائے راشدہ کے دورِ حکومت سے ملتا ہے۔

سیاسی نظریہ

اسلام جہاں انسانی ترقی کے بنیادی اصولوں کے ساتھ ہمہ گیر نظریہ پیش کرتا ہے۔ وہاں انسان کے سیاسی پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ اسلام انسانی جدوجہد کے سیاسی و غیر سیاسی مسائل میں تفریق نہیں کرتا ——— "جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"۔

ہے۔ یہ خلیفہ امیر یا صدرِ مملکت اللہ تعالیٰ کا نائب اور امّت کا خلیفہ ہوتا ہے۔ جس کو تمام ملّت کا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اسلامی شریعت کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور اگر وہ ایسا کرے تو عوام کو اُسے برطرف کرنے کا حق حاصل ہے۔ اُس کی جگہ ملّت میں سے کسی اور متقی اور پرہیزگار فرد کو خلیفہ چُنا جا سکتا ہے۔ شریعت کے تمام اصولوں و اسلامی قوانین کی ترویج و حفاظت کی ذمہ داری اسی خلیفہ یا (Vice-gerent) پر ہوتی ہے " وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۲۴ : ۵۵)" اللہ تعالیٰ نے تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور اپنا خلیفہ بنائے گا۔ جس طرح کہ اُس نے تم سے پہلے لوگوں کو اپنا نائب بنایا تھا ——— پس اسلامی مملکت کا صدر، امیر یا اللہ تعالیٰ کا خلیفہ (Vice-gerent) صرف ایک متقی مسلمان ہی ہو سکتا ہے۔

انتظامیہ Executive

اس طرز حکومت میں ایک انتظامیہ (Executive) یعنی اسلامی نظام کو چلانے یا صدرِ مملکت کو مشورہ دینے کے لئے ایک کابینہ ہوتی ہے جو کہ مسلمانوں کی عام مرضی یا کثرتِ رائے اور یا پھر خلیفہ کی منشا کے مطابق معرضِ وجود میں آتی ہے انتظامیہ کے ممبران کو صدرِ مملکت امیر یا خلیفہ نامزد کر سکتا ہے۔ اور اُسے انہیں برطرف کرنے کا حق بھی حاصل ہے۔ اور اس طرح یہ مجلسِ شوریٰ خلیفہ کو ملکی معاملات کا حل عوامی رائے عامہ انصاف یا شریعت کی رُو سے آپس کے مشورہ سے طے پاتے ہیں۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ)" اور اُن کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں"

مالک الملک ہے اور اس کی تمام کائناتِ ارض و سما کی حکومت و انتظامیہ میں کوئی شریک نہیں ——— اس اقتدار کو خدائے تعالیٰ بجائے خود ملّت میں جاری و ساری (execute) کرنے کے لئے شریعت کو اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت سے متعین کرتا ہے۔ اور یہ شریعت (Divineguiding principles) ہی وہ ضابطہ ہے۔ جسے ملّت کا ہر فرد من و عن قبول کرتا ہے ——— اسلامی ریاست میں ملّت، فرد اور حکومت علیحدہ و جداگانہ حیثیت کی حامل نہیں بلکہ یہ مکمل طور پر ایک ہی جسم کے مختلف اعضا ہیں۔ اس طرح اسلام موجودہ طرز کی جمہوریت سے ہٹ کر ایک اچھوتا تخیلِ اقتدار اور نظریۂ سیاست پیش کرتا ہے جس میں مذہب کو رہبانیت سے اور اخلاق کو سیاست سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ تمام افرادِ ملّت اسلامی مملکت میں صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار رعیّت ہیں جن کو چار (catagories) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ مُسْلِمِین، مُؤمِنِین، صٰلِحِین اور متّقین ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں کسی فرد کا تقویٰ ہی اُس کو اسلامی ریاست میں ایک اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے۔ اس لئے اس نیم مذہبی جمہوریت (Divine democracy) میں اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمرانی دے اور جس سے کوئی عہدہ چاہے چھین لے کیونکہ اُس کے اقتدارِ اعلیٰ میں کوئی بھی شریک نہیں۔ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ (بنی اسرائیل) "اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔"

اسلامی حکومت کا ڈھانچہ

خلیفہ — اللہ تعالیٰ اپنے اقتدارِ اعلیٰ کا اختیارِ حکومت ملّت میں سے سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار مسلمان کو اپنے خلیفہ کی حیثیت سے سپرد کرتا

(۶) یہ وہ لوگ ہیں جو کہ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بُرائی سے روکتے اور بھلائی کی دعوت دیتے ہیں۔ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (النساء)

(۷) پس اگر کوئی تنازعہ پیدا ہو تو یہ لوگ اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول کی طرف رجوع کریں کیونکہ اس طرح فیصلہ کرنا ہی صحیح اقدام ہے اور جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اُس کے مطابق اگر فیصلہ نہیں کرتے تو وہ ظالم منکرین اور فاسقین ہیں۔

(۸) پھر حکم دیا گیا کہ اگر کوئی بد صورت غلام بھی کسی عہدے پر مقرر ہو جو کہ معاملات قرآن اور سنت کی روشنی میں فیصل کرے تو اس کی اتباع و تعمیل لازمی قرار دی گئی۔ اور اگر کوئی عہدیدار بھی شریعت کے بتائے ہوئے راستے پر نہ چلے تو اس کی اتباع لازمی نہیں بلکہ برطرف کرنے کا حق حاصل ہے۔

ادارۂ قانون ساز Legislature

اِسلامی حکومت میں چونکہ قانون سازی یا دستور کے اصل ماخذ قرآن اور سُنّت ہی ہیں۔ اس لئے مسائل کا حل نصوص کی مدد سے ہی حل کیا جاتا ہے۔ لیکن نئے حالات اور بدلتے ہوئے تقاضوں کے پیشِ نظر اور اسلامی قانون کی بہتری، وُسعت اور ترویج دینے کے لئے علم فقہ Islamic jurisprudence or science of law) کی ابتداء ہوئی۔ جو کہ اسلامی مملکت کے امور میں راہنمائی guidance اور اس کا خلاصہ پیش کرتا ہے ـــــــ موجودہ دور میں خدا کی حاکمیت و شریعت کی برتری کے ساتھ

صدر اپنی کابینہ کیلئے کابینہ کے افراد ملت کے صالحین سے منتخب کرتا ہے جو کہ اعلیٰ قابلیت انصاف پسندی کے علاوہ نگاہِ بصیرت رکھتے ہوں انکا وسیع معلومات کے علاوہ دیگر علوم و قرآن و سُنّت میں وسیع و گہرا مطالعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے ذمّے انتظامیہ کے بنائے ہوئے اصولوں کو جاری و ساری اور شریعت کے اصولوں کی نگہبانی کرنا ہوتی ہے۔

صدرِ مملکت، وزراء یا مشاورتی کونسل کے افراد کو مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہونا چاہئے۔

(۱) وہ امین (Trustworthy) ہونا چاہیئے۔

(۲) متقی اور اللہ کا خوف رکھنے والا ہونا چاہیئے۔

(۳) ایسا لیڈر ہو جسے عوام چاہتے ہوں اور وہ بھی ملت سے محبت رکھتا ہو اور وہ ایک دوسرے کے لئے دعا کرتے ہوں۔

(۴) جو ایسے عہدے کی خواہش و لالچ نہ رکھتا ہو لیکن اگر کوئی فرد کسی ایک کام میں ماہر اور یا کسی عہدے کے لئے موزوں ترین ہو تو وہ خود کو پیش کر سکتا ہے۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو خزانے و خوراک کی نگہبانی کے عہدے کی تقرری کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ جو کہ منظور کر لی گئیں۔

(۵) اِس عہدے کے لئے عورت کی خدمات نہ لی جائیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ بخاری شریف میں مذکور ہے۔ لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمْ اِمْرَأَةً۔ کہ جس قوم نے اپنے مملکتی امور عورت کے سپرد کئے وہ کبھی پنپ نہیں سکتی۔ اس لئے سیاست یا انتظامیہ میں عورت کا حصّہ نہ لینا بہتر ہے۔ لیکن ان کو مستقلاً نا اہل یا (Disqualified) نہیں کیا گیا۔

اِسلام میں نظامِ عدلیہ کو "قضاء" کہا جاتا ہے۔ سورۃ المائدہ میں بالخصوص نہایت تفصیلی سے نظامِ عدلیہ میں قاضی کے فرائض بیان ہوئے۔ مندرجہ ذیل آیات بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ آپ اُن کے درمیان اُس حق کی روشنی میں فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا ہے۔ اور اُس حق کے مقابلہ میں اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ؕ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ؕ کیا یہ لوگ جاہلیت کے فیصلے تلاش کرتے ہیں؟ اور اللہ سے بڑھ کر اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہے۔ اُس قوم کے لئے جو (اللہ کے فیصلہ پر) یقین کرتی ہے؟

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ؕ "اور وزن کو ٹھیک طریقہ سے قائم کرو اور تولنے میں خسارہ نہ کریں"۔ یعنی اللہ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق و عدل کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے توازن و تناسب کے ساتھ قائم کیا ہے۔ اگر عدل و حق قائم نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بندے بھی عدل و حق جادہ پر مستقیم رہیں۔ اور انصاف کے ترازو کو اٹھنے اور جھکنے نہ دیں نہ کسی پر زیادتی کریں اور نہ کسی کا حق دبائیں۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ "عدل ہی سے زمین و آسمان قائم ہیں"۔

اِسلامی ریاست کا مقصد اور فرائض

اُمتِ مسلمہ کا وجود چونکہ دین کی بنیادی ضرورت ہے اور

ساتھ ایک عوامی نمائندہ ادارۂ قانون ساز legislature کا قیام نہایت ضروری ہے گو دورِ خلافت میں انتظامیہ، قانون سازی، اور عدلیہ تینوں شعبے امیر یا خلیفہ میں مرکوز تھے لیکن ریاستی امور انتظامیہ اور قانونی امور میں مشورہ دینے کے لئے اِس قسم کے ادارہ کا وجود ملتا ہے۔ جو کہ "اَهْلُ الْحَلِّ وَالْعَقْدِ" کہا جاتا ہے۔ خلیفہ ان ارباب حل و عقد سے مشورہ کرتے تھے۔ اس دور میں قانونی ماہرین، مجتہدین و عوامی نمائندگان جو قانون ساز اسمبلی کے اہل ہوں منتخب کر کے یہ ادارہ وجود میں لایا جا سکتا ہے جس کا کام قانون سازی اور قومی مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا۔ اور اگر نئے مسائل پیدا ہوں جن کا حل قرآن و سنت میں نہ ملے تو پھر اجماع، قیاس استحسان یا اجتہاد سے تلاش کرنا ممکن ہوگا تاکہ نئے حالات و نئے تقاضوں کی روشنی میں ترقی کے میدان میں کسی سے پیچھے نہ رہیں۔

عدلیہ Judiciary

قانون ساز ادارے کے بنائے ہوئے قوانین کا نفاذ عدلیہ کے توسط سے ہوتا ہے۔ دورِ خلافتِ راشدین میں انتظامیہ اور عدلیہ دونوں ادارے خلیفہ ہی میں مرکوز تھے کیونکہ عوام کو خلیفہ پر کلیتہً اعتماد ہوتا تھا۔ اس لئے یہی آخری عدالتِ نظرِ ثانی Court of last appeal متصور ہوتی۔ گو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں انتظامیہ اور عدلیہ کو علیحدہ علیحدہ اپنے حلقۂ اثر میں کام کرنے کا اختیار دیدیا گیا تھا اس لئے موجودہ دور میں بھی کیونکہ ہمارے پاس اس معیار کے خلفاء جو کہ صدرِ مملکت اور چیف جسٹس کے عہدوں کی ذمہ داریاں سنبھال سکیں کا ہونا مشکل ہے۔ اس لئے یہ دونوں شعبے اپنی کارکردگی میں خود مختار independent ہوں گے

اِسلام کا نظامِ عدلیہ

قانون کی تعریف

عہد جدید میں قانون سازی کا حق بنیادی طور پر تسلیم کیا جا چکا ہے۔ اس لئے آج قانون کی تعریف یہ کی جا سکتی ہے کہ انسانی زندگی کو منضبط کرنے کے لئے قواعد و ضوابط کا ایسا مجموعہ جو افراد کی رضامندی سے مرتب کیا جائے اور حکومت اُسے نافذ کرے وہ "قانون" ہے۔ اس طرح قانون کی چار شرطیں تسلیم کی جاتی ہیں یا یوں کہیئے کہ دَورِ جدید میں مغربی طرزِ فکر کے مطابق قانون کی مندرجہ ذیل چار اساس تسلیم کی گئیں ہیں۔

(۱) افرادِ انسانی کا گروہ

(۲) قواعد و ضوابط

(۳) اُن پر قوم کی اجتماعی رضامندی کا حاصل ہونا اور

(۴) حکومت ان کو تسلیم کر کے اپنی عدالتوں میں نافذ کرے ——— وہ قانون کہلائے گا۔ معاشرہ میں قانون کی موجودگی جہاں ضروری ہے تاکہ ظلم و استبداد کا آغاز نہ ہو وہاں اس کی بہتات کو بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اسی لئے مارسٹن ایک جگہ کہتا ہے۔

"قانون کی کثرت یہ ظاہر کرتی ہے کہ یا تو بادشاہ بہت جابر ہے یا رعایا ہی بہت بے لگام" ——— جدید فلسفۂ قانون کی مشہور کتاب میں قانون کی تعریف یوں درج

قرآن کی رُو سے تمام امت ایک ہی پارٹی تصور کی جاتی ہے اس لئے اسلامی ریاست میں فرقہ بندی اور پارٹی بازی کی اجازت نہیں۔ جو لوگ خدا میں اور کتاب میں اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ اور باقی مشرکین۔ اسلامی ریاست میں وہ غیر مسلم "ذمی" متصور ہوتے ہیں۔ جن کے مال و جان کی حفاظت کا ذمہ مسلمان لیتے ہیں اور یہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ و مددگار۔ لیکن دشمن اور کافروں کے مقابلہ میں فولاد ہوتے ہیں۔ تمام امت کو فوجی ٹریننگ ہوتی ہے جو کہ بوقت ضرورت جہاد و قتال میں شرکت کرتی ہے اور اسلامی نظامِ حکومت مسلمانوں ہی کے لئے معرضِ وجود میں آتی ہے۔ جس کے فرائض حسب ذیل ہیں۔

(۱) تاکہ امت شریعت اور انصاف کی رُو سے اپنی زندگی بہتر طریق پر صراطِ مستقیم پر چلا سکے۔

(۲) ریاست لوگوں کو نماز پڑھنے زکوٰۃ ادا کرنے، برے کاموں سے ایک دوسرے کو روکنے اور نیک کام کرنے کے لئے آمادہ کرتی ہے۔

(۳) جو قرآنی احکامات کی تعمیل نہ کریں ریاست اُن کو منواتی ہیں۔

(۴) امن و انصاف کا قیام سرحدوں کی حفاظت، عام آدمی کا معیارِ زندگی بلند کرنا حاجت مندوں کی مدد وغیرہ ریاستی فرائض میں شامل ہیں۔

اسلامی ریاست کا مقصد قرآنی نصوص سے اس طرح بھی واضح ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ط "تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے (تاکہ) تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" (۳: ۱۱۰)

ذریعہ نافذ کیا جا سکتا ہے۔ کیا بین الاقوامی قانون کا چلن اقوام کی آزادی اور خود مختاری sovereignty کے تصور کے پہلو بہ پہلو بھی ممکن ہو سکتا ہے؟ ———— انہی سوالات کے جوابات پر ہمارے مستقبل کے امن و سکون کا انحصار ہے کیونکہ مارکس کے اس نقطۂ نظر و اشتراکی فکر سے معاملہ اور بگڑ گیا ہے جب اُس نے یہ کہہ دیا کہ قانون ریاست سے وابستہ ہے اور ریاست مظالم ڈھانے کا ایک ذریعہ ہے۔ بلکہ در حقیقت "ریاست" ایک طبقہ کو مٹانے اور پامال کرنے کی تنظیم ہے"۔ جس کا منطقی نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ "قانون" کی تعمیری افادیت سے انکار کر دیا جائے جیسا کہ روس میں قانون سیاست کے اشاروں پر رقص کرتا ہے اور یہ صورتِ حال انقلاب کے ابتدائی دور میں پیدا ہوئی۔ اشتراکی سورج طلوع ہوئے چالیس سال بیت چکے ہیں لیکن پھر بھی قانون سیاست کے جنگل سے نجات حاصل نہ کر سکا۔ اور اس تصور کی رُو سے قانون سیاست کا آلۂ کار اور محکوم ہو کر رہ گیا ہے۔

مذہب اور قانون

عہدِ قدیم میں مذہب اور قانون کا تعلق بہت ہی گہرا تھا۔ مگر جدید زمانہ میں مذہب کا قانون پر کوئی نمایاں اثر باقی نہیں رہا حتیٰ کہ بہت سے لوگوں میں اب یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ مذہب اور قانون کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں اور لوگوں کا مقولہ ہے کہ "مذہب" خدا اور انسان کے تعلقات متعین کرتا ہے اور "قانون" ایک انسان اور دوسرے انسان کے تعلقات متعین کرتا ہے۔ اور اس طرح قانون کا اخلاق سے کوئی واسطہ نہیں لیکن اس حقیقت سے بھلا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ دونوں بڑی حد تک یعنی "مذہب" اور "قانون" ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ مذہب کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن ہے اور اخلاق کے بغیر قانون

ہے کہ انسانی اعمال کے لئے وہ قواعد جن کی پابندی لوگوں کے لئے لازم کر دی گئی ہو۔ یا معاشرے کے کسی طبقے یا گروہ کے اعمال اور سمع و اطاعت کے لئے ایک منظور شدہ حکم نامہ ——
اسی لئے ہالینڈ ایک جگہ لکھتا ہے۔ کہ

"قانون آزادی کے قلعے کا دربان ہے۔ یہ ہر شخص کے حقوق متعین کرتا ہے اور فرد کی آزادی و حریت کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح یہ آزادی کا ایک زبردست محافظ اور پاسبان ہے اور معاشرہ کی بہترین جائے پناہ"۔

قانون کا ابتدائی اور بنیادی مقصد چونکہ انصاف کی تلاش ہے اس لئے قانون کو ضرور مستحکم ہونا چاہیئے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں جمود پیدا نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے استحکام اور تبدیلی کے تقاضوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا ناگزیر ہے —— نظم و نسق کی بحالی اور معاشرہ میں اندرونی امن کے قیام کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ قانون اپنی نوعیت کے لحاظ سے سخت گیر اور شدت آمیز ہو۔ اگر اُس کی بنیاد ہر وقت ادلہ بدلی پر رکھی جائے تو معاشرہ میں چاروں طرف عدم استحکام، اختلال و انتشار کا دَور دورہ ہو جائے گا اور وہ اپنی ساری قوت کھو بیٹھے گا۔ تاہم اگر قانون کی شدت اور سختی انصاف کے تقاضوں کو قربان کر کے قائم کی جائے تو اس قانون کا مقصد فوت ہو جائے گا —— قانون میں ایک عنصر دوامی اور ناقابلِ تغیر قرار پاتا ہے۔ اور باقی تغیر پذیر۔ لیکن اس کا واضح جواب ابھی تک فکرِ جدید بھی فراہم نہ کر سکا۔ اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قومیت Nationalism اور بین الاقوامیہ Inter-nationalism کے مطالبے اور تقاضے بالکل الگ الگ واقع ہوں گے کیونکہ یہ بتانا مشکل ہے کہ بین الاقوامی اخلاق کے ضوابط کو کونسی طاقت کے

سامنے پیش کرتی ہیں تو ہم بھی جدت پسندی کی حیثیت سے اُسے قبول کر لیتے ہیں۔ گویا اس طرح ترقی کی طرف خود کو گامزن پاتے ہیں۔ اگر غور و فکر اور تجسس سے کام لیں تو معلوم ہو کہ یہ الہی کا سرمایۂ حیات ہے ــــــــ آج کا لا دین ماحول اور دہریت کا بڑھتا ہوا رجحان پھر ایک مرتبہ لمحۂ فکر پیش کرتا ہے ــــــــ الکتاب اور الرسول نے جو زندگی کا نظریہ پیش کیا وہ یہ ہے۔

"یہ عظیم الشان کائنات جو تمہیں صریحاً ایک نظام میں جکڑے ہوئے ایک مقررہ قانون پر چلتی ہوئی نظر آ رہی ہے دراصل وحدہٗ لاشریک کی حکومت ہے۔ خدا ہی اُس کا خالق وہی اس کا مالک اور وہی اس کا فرمانروا ہے ــــــــ یہ زمین جس پر تم رہتے ہو اُس کی بے پایاں سلطنت کے لاتعداد صوبوں میں سے ایک چھوٹا سا صوبہ ہے اور یہ صوبہ بھی مرکزی اقتدار کی اس گرفت میں پوری طرح جکڑا ہوا ہے۔ جس میں اس جہان ہست و بود کا ہر حصہ جکڑا ہوا ہے۔ تم اس صوبہ میں خدا کی پیدائشی رعیت Born subject ہو۔ تم اپنے خالق آپ نہیں بلکہ اُس کی مخلوق ہو۔ تم خدا کے قانون طبعی law of nature سے اس طرح بندھے ہوئے ہو کہ پیدائش کے وقت سے زندگی کی آخری ساعت تک فطرتی قوتیں اور قوانین حاوی ہیں۔ تمہاری زندگی کا کچھ تھوڑا اختیاری حصہ ارادے کی آزادی و پسند کے مطابق انفرادی و اجتماعی راہیں منتخب کرتا ہے۔ اسی ارادی فعل سے افرادِ ملت ایک وحدت میں منسلک کیے جاتے ہیں اور اُن کے اجتماع سے "مسلم سوسائٹی" کی تشکیل ہوتی ہے۔ اور سوسائٹی پر شریعت کی پابندی لازمی ہو جاتی ہے۔ تاکہ وہ اپنی زندگی اس سکیم کے مطابق چلائیں۔ بلاشبہ اسلامی قانون چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا دیتا ہے مگر یہ حکم ہر سوسائٹی میں جاری

کا وجود محال ہے۔ اچھا قانون نیکی کرنے کو آسان اور برائی کے ارتکاب کو مشکل بنا دیتا ہے۔"
(گلیڈ اسٹون)

اسلامی شریعت کی تنسیخ کا سلسلہ سب سے پہلے ہندوستان سے شروع ہوا یہاں چونکہ انگریز تسلط کے بعد بھی ایک مدت تک شریعت ہی کو قانون کی حیثیت حاصل تھی۔ ۱۷۹۱ء کے بعد ہندوستان کی تمام مسلم ریاستوں نے رفتہ رفتہ اپنے پبلک قانون برطانوی ہند کے نمونہ پر ڈھال کر شریعت کو صرف پرسنل لاء Personal law تک محدود کر دیا۔ مصری حکومت نے ۱۸۸۴ میں اپنے پورے قانونی نظام کو فرنچ کوڈ French code کے مطابق بدل لیا اور محض نکاح و طلاق و وراثت کے مسائل قاضیوں کے دائرہ اختیار میں چھوڑ دیئے۔ اس کے بعد بیسویں صدی میں البانیہ اور ٹرکی نے ایک قدم آگے بڑھا اور صاف اعلان کر دیا کہ اُن کی حکومتیں بے دین حکومتیں ہیں۔ اور اپنے ملکی قانون اٹلی، سویٹزرلینڈ، فرانس اور جرمنی کے نمونہ پر ڈھال لئے۔ اب صرف افغانستان اور سعودی عرب دو جگہیں ایسی باقی ہیں جہاں شریعت کو ملکی قانون کی حیثیت حاصل ہے۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ ہر امت کے لئے علیحدہ ضابطۂ زندگی نازل فرماتا ہے۔ اسی لئے قرآن میں ایک جگہ آتا ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط ہم نے تم میں سے ہر ملت کو قانون اور راہِ عمل دی (المائدہ ۴۸)

اسلامی نظریۂ قانون

اسلام کا تخیل قانون اپنے اندر چونکہ ایک لچک رکھتا ہے اس لئے آج بیسویں صدی تو کیا ابد تک قابل عمل ہے۔ درماصل ہم نے خود اس پر عمل پیرا ہونا چھوڑ دیا ہے۔ لیکن آج جب اُس کی افادیت کے پیش نظر اقوامِ غیر ان کو قبول کر کے اُن پہ اپنا لیبل چسپاں کر کے ہمارے

اسلام کا سیاسی پس منظر

سیاسی اقتدار کی تشکیل کے لئے سب سے پہلے ایک دستوری قانون constitunal law کی ضرورت ہوتی ہے، دستور کی تفصیلی شکل وصورت ہم خود اپنے حالات وضروریات کے مطابق بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ شریعت نے کوئی مفصل دستور ہر زمانہ کے لئے بنا کر پیش نہیں کیا ——— آئین کی تشکیل اور اُس کی نفاذ کے بعد اسلامی ریاست کو چلانے کے لئے ایک تنظیمی قانون Administrative law کے بنیادی اصول شریعت نے ضرور واضح کر دیئے ہیں۔ جو کہ رسُولِ اکرم اور خلفائے راشدین کے عہد کے مطالعہ سے ہمیں حاصل ہوتے ہیں۔ باقی نظم ونسق میں ہمیں اپنے حالات کے مطابق تغیر وتبدل کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن اجتہادی راہیں شریعت کی حدود میں رہ کر ہی نکالنا ممکن ہے۔ پھر معاشرہ امن وانصاف بحال کرنے کے لئے ملکی قانون Public law اور شخصی قانون Personal law بعد اصولی ہدایات وتفصیلی احکامات شریعت نے جو ہمیں فراہم کئے ہیں اُن کی مدد سے کسی دور میں معاملاتِ زندگی کو حل کرنے کے لئے شرعی حدود سے باہر جانے کی ضرورت درپیش نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ ابد تک ہر ملک اور ہر قسم کی سوسائٹی میں یکساں صحت سے جاری ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی تعلقات کے لئے بھی اسلامی ریاست کا برتاؤ اور اُس کے لئے تفصیلی ہدایات ملتی ہیں۔ اسلامی قانون کا اٹل، قطعی اور واجب الاطاعت حِصّہ دراصل وہ چیز ہے جو اسلامی تہذیب وتمدن کے حدود اربعہ اور اس کی مخصوص شکل وصورت متعین کر دیتا ہے۔ ان مستقل قوانین کا ایک معتدبہ حصہ ایسا ہے جس پر کل تک دُنیا اعتراض کر رہی تھی مگر آج وہ انہی قوانین کی خوشہ چینی پر مجبور ہے مثلاً اسلام کے قانونِ

ہونے کے لئے نہیں دیا گیا بلکہ اُس سوسائٹی میں جاری کرنا مقصود ہوگا۔ جس کے مالداروں سے زکوٰۃ لی جا رہی ہو جس کا بیت المال ہر حاجت مند کی امداد کے لئے کھُلا ہو۔ جس کی ہر بستی کے مسافروں پر تین دن ضیافت لازم کی گئی ہو۔ جس کے نظامِ شریعت میں سب لوگوں کے لئے بالکل یکساں حقوق اور برابر کے مواقع مہیا ہوں۔ جس کے طبقوں میں اجارہ داری کے لئے کوئی گنجائش نہ ہو۔ اور جائز کسب و معاش کیلئے دروازے یکساں کھلے ہوں اسی طرح اسلامی قانونِ تعزیراتِ زنا۔ پر سو کوڑے مارے جاتے ہیں اور شادی شدہ زانی کو سنگسار کر دیا جاتا ہے۔ مگر یہ کس سوسائٹی کے لئے؟ ——— جس سوسائٹی میں عورتوں اور مردوں کی مخلوط معاشرت نہ ہو۔ جس میں بنی سنوری عورتوں کا منظرِ عام پر آنا بند ہو وغیرہ وغیرہ۔

اس مسلم سوسائٹی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر دیگر خصوصیات کے علاوہ سیاسی اقتدار کی بھی گنجائش نکالے۔ کیونکہ قوانین کا نفاذ اقتدار کے بغیر مشکل ہے۔ یہ سیاسی اقتدار اس غرض کے لئے درکار ہوتا ہے کہ شریعت کے تجویز کردہ نظامِ زندگی کی حفاظت کرے۔ اُسے بگڑنے سے روکے۔ اس کی منشا کے مطابق بھلائیوں کی نشوونما اور برائیوں کی استیصال کا انتظام کرے اور اس کے اُن احکام کو نافذ کرے جن کی تنفید کے لئے ایک نظامِ عدالت کا ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا کہ اقتدار کا ——— یہی وہ آخری حصّہ ہے جسے ہم اسلامی قانون کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کیونکہ اصطلاحِ قانون میں قانون کا اطلاق اُن احکام پر ہوتا ہے جو سیاسی اقتدار کے ذریعہ نافذ کئے جائیں۔ اس لئے ہم شریعت کے صرف اس حصّہ کو "قانونِ اسلام" قرار دیتے ہیں۔ جسے وہ نافذ کرنے کیلئے خود اپنے اصولوں اور مزاج کے مطابق ایک سیاسی اقتدار کی تشکیل دے۔

غلط عادات و رسومات اور انصاف کی بے ضابطیوں کو بدل ڈالا۔ چنانچہ سوسائٹی وارتقا کے ماتحت قانون کا نزول اور قانون کے ساتھ اس کے اصل روح کی عملداری ہی اسلامی قانون کی دو خوبیاں ہیں جو کہ کسی قانونی نظام میں نہیں پائی جاتیں۔ اسلامی نظامِ عدلیہ میں تمام فیصلے کتاب اللہ اور شریعت کی روشنی میں کیے جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی حکم یا نصّ صریح نہ ملے تو اجتہاد سے مختلف اصول و مصالح پیشِ نظر رکھ کر فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔ چاروں خلفائے راشدین کے اصل فیصلے بھی قانون کی شکل اختیار کر گئے۔ لیکن بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بعض دفعہ انہیں اپنے فیصلے بھی واپس لینے پڑے۔ بلکہ اکثر فیصلے قرآن سنت، یا فقہی احکامات کے ظاہری اصولوں کے خلاف صادر کئے گئے۔ جو کہ اُن کی اجتہادی بصیرت کا نتیجہ ہیں۔ لیکن نئے حالات اور بدلے ہوئے تقاضوں کے تحت نئے قوانین وضع کرنے میں شریعت کی اسپرٹ کو ہمیشہ برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی۔ اس قسم کے اجتہادی فیصلوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم کہ دَوران جنگ میں کسی مسلمان پر حدّ نہ جاری کی جائے۔ اور قحط کے دَوران کسی چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں وغیرہ۔ نو مُسلموں کو صدقات میں حصہ دینے کی ممانعت کر دی تاکہ اُن کا ایمان مضبوط ہو جائے۔ اسی طرح شراب کی حدِ اَسّی کوڑے مقرر کی گئی۔ اور خاص طور پر زرعی اراضی کی تقسیم کا فیصلہ جس کی رُو سے مفتوحہ اراضی فوجیوں میں مالِ غنیمت تصور کر کے تقسیم کرنے کی بجائے اُس کو ذریعہ رزق تصور کر کے زمینداروں اور اُن کے نسلوں کے لئے ہی مخصوص رہنے کا حکم قابل ذکر اجتہادی کارنامے ہیں ——

—— حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل بیعت کے لئے مقرر حصّہ خمس بند کر دیا

ازدواج اور قانونِ میراث وغیرہ ــــــــــ اس پائیدار اور اٹل عنصر کے ساتھ ایک دوسرا عنصر ایسا ہے جو اسلامی قانون میں بے اندازہ وُسعت پیدا کرتا ہے اور اُسے زمانہ کے تمام بدلتے ہوئے حالات میں ترقی پذیر بناتا ہے۔ یہ عنصر کئی اقسام پر مشتمل ہے جو تعبیر، تاویل، قیاس، اجماع، اجتہاد اور استحسان وغیرہ کی مدد سے ہماری رفتارِ ترقی کو سیدھی راہ پر لگانے کے ساتھ ساتھ زندگی کو بے راہ روئی سے بچاتا ہے۔

عربوں میں چونکہ ابتداء سے ہی قضا (عدلیہ) یا حکومت کے قوانین وغیرہ کسی مدوّن مجموعہ کی صورت میں نہیں تھے۔ اور نہ اُن کا کوئی واضح تصور تھا۔ تمام تر روایات و رسم و رواج عربوں میں نسلاً درنسلاً چلے آرہے تھے۔ روم، ایران و دیگر ہمسایہ اقوام کے طریقے اُن کے تجربات اور فرسودہ عقائد وغیرہ بھی ان میں رائج تھے۔ لیکن قضا (عدلیہ) کسی قاعدے اور ضابطے کی پابند نہ تھی۔ طاقت ور اور بارسُوخ جو چاہتا کرتا۔ مقروض کو فروخت کر دیا جاتا یا رقم واپس نہ ملنے کی صورت میں مُرتہن تمام مال کا مالک بن جاتا ــــــ قتل عمد اور قتل خطا میں کوئی فرق نہ تھا۔ قتل کی سزا بعض اوقات قاتل تک محدود رہنے کی بجائے پورے قبیلہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ــــــ ثبوت دیوتا کی قسمیں کھا کر پیش کیا جاتا اور قسم ٹوٹنے پر سو اونٹ تک کا جرمانہ عائد ہوتا تھا وغیرہ وغیرہ

متاع یعنی lease marriage کا بھی رواج پایا جاتا تھا ــــــ اکثر باپ کی وفات کے بعد سب سے بڑے فرزند کے حرم میں وہ تمام اُس کی مائیں آجاتیں جو والد کے حرم میں رہی تھیں ــــــ اسلام نے پہلے تو اس اخلاقی انحطاط، قانونی بحران اور سیاسی بدنظمی کو دور کر کے منتشر اور منقسم سوسائٹی کو ایک وحدت کے مسلک میں پرو دیا اور اس طرح اُس کی قومی طاقت کو ایک سیسہ پلائی دیوار بنا دیا۔ تمام

علم فقہ | اسلامی قانون سائنس Islamic Jurisprudence کا مطلب ہے اپنی محنت اور کاوش سے کسی چیز کو سمجھنا۔ علم فقہ کا مطالعہ کرنا اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے جتنا کہ جہاد و قتال میں شرکت کرنا سورۃ توبہ میں بالخصوص اس کی اہمیت پر زور دیا گیا بلکہ اس کو فرضِ کفایہ کی حیثیت دی گئی۔

"جب ایک گروہ (تم میں سے) جہاد پر جائے تو دوسرے پر واجب ہے کہ اسلام کو سمجھے اور مطالعہ کرے"۔ اسلامی فقہ کا اصل مطلب قرآنی نصوص اور احکام شریعت کی روشنی میں مسائل کا حل تلاش کرنا ہوتا ہے۔ قانون شریعت وہ ضابطہ ہے جو وحی کے ذریعہ اللہ نے اپنے مکمل ترین انسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ اور جو کچھ دوسرے انبیا پر نازل ہو چکا ہے یہ اس کی توثیق کرتا ہے۔ کیونکہ شریعت کی سند قرآن سے ملتی ہے ۔ مجتہد جو قانون بنائے گا اُن کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہوگی۔ لیکن کسی مسئلہ کے حل کیلئے اِن ذرائع سے کامیابی حاصل نہ ہو تو پھر اجتہاد کی اجازت ہے اجتہاد کی اقسام اجماع، قیاس، استحسان وغیرہ ہیں۔ ایک فقیہ اور مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ چند خصوصیات کا حامل ہو، تاکہ اس کے اجتہاد کو سند کے طور پر استعمال کیا جا سکے مثلاً خصوصیات میں سے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان پر عبور رکھتا ہو۔ قرآنی آیات کے وقتِ نزول اور وجہ نزول سے واقف اور اصولِ شریعت سے بھی پوری طرح آگاہ ہو اور تمام مسائل جن کا شریعت میں حل موجود ہے۔ سے اُس کا واقف ہونا ضروری ہے۔

اس کے علاوہ سابقہ مجتہدین، ائمہ کرام، خلفاء، رسول اللہ کے دور میں دیئے گئے فیصلوں سے بھی آگاہ ہونا ضروری ہے۔ گو یہ نئے حالات اور بدلتے ہوئے تقاضوں کے تحت تبدیل ہو سکتے ہیں۔ مگر ایک مجتہد کی نگاہِ بصیرت اور نصوصِ قرآنیہ کی صحیح

کیونکہ اس نظریہ کے تحت کہ رسول کوئی ورثہ نہیں چھوڑتا باغ فدک بھی بیت المال کا ایک حصہ بنا دیا گیا۔ اسی طرح بیت المال سے مؤلفۃ القلوب کی امداد بھی بند کر دی گئی ــــــــ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو طلاق بین قرار دے دیا گیا بغداد کے قاضی القضاۃ قاضی ابو یوسف نے گندم و اجناس کو ماپ کر فروخت کرنے کے طریقے کو جو الرسول نے نافذ کیا تھا کو تول کر فروخت کرنے کے طریقہ سے بدل دیا ــــــــ پس ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نئے تقاضوں اور بدلتے ہوئے حالات کے تحت نئے مسائل کی روشنی میں مروجہ احکام آنے والی آئینی حکومتیں تبدیل با اختیار کر سکتی ہیں۔ کیونکہ جب کوئی متعلقہ رواج بدل دیا جائے تو اُس سے متعلق قانون بھی بدل جانا چاہیئے اور قانونی قواعد بدلنے میں اسلامی قانون کے ماہرین (فقہ) گریز نہیں کرتے۔ اسی صورتِ حال کے تحت ابن خلدون نے بالکل درست کہا تھا۔ کہ "دُنیا کے حالات اور اقوام کی عادات رسم و رواج اور لوگوں کے اعتقادات ہمیشہ دُنیا تغیرات زمانہ اور انقلابات احوال کا دوسرا نام ہے۔ اور جس طرح اس میں تبدیلیاں یعنی افراد، ساعات، مقامات اور ممالک میں ہوتی رہتی ہیں اسی طرح دُنیا کے تمام گوشوں، تمام زمانوں اور تمام حکومتوں میں ہوتی ہیں۔ خدا کا یہی طریقہ اور قانون ہے جو اس کے بندوں پر ہمیشہ جاری و ساری رہے گا" چونکہ ارتقاء کا ساتھ دینا ضروری ہے۔ اس لئے اسلام نے سیاست، معیشت اور معاشرے کی جو حدود مقرر کی ہیں۔ ان کو حالات اور ماحول کے تقاضوں کے تحت بدلا جا سکتا ہے۔ ورنہ اسلامی ممالک معاشی و معاشرتی اور سیاسی بدحالی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ قانون سازی کا یہ کام مجتہدین عصر کے سپرد ہوتا ہے جو علم فقہ سے نئی راہیں نکالتے ہیں۔

قانون کی گذشتہ کتب میں سند کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

"واضح ہو کہ فصل مقدمات ایک اہم فریضہ ہے جو ہر زمانہ اور ابتدائے اسلام سے ادا ہوتا رہا ہے جب کوئی مقدمہ تمہارے پاس آئے تو اُس کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھو اور جب صحیح فیصلہ سوجھ جائے تو اُس کو نافذ بھی کر دو کیونکہ زبانی فیصلے بے سود ہے جب تک اُسے عملاً نافذ نہ کیا جائے۔ مدعی اور مدعا علیہ کے ساتھ یکساں سلوک کرو۔ کسی فریق سے التفات برتنے عدالت میں بٹھانے یا انصاف کرنے میں کوئی امتیاز نہ برتو تاکہ بڑا آدمی یہ توقع نہ کرے کہ تم اُس کے ساتھ رعایت کرو گے اور غریب کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ اُس کے ساتھ بے انصافی سے پیش آؤ گے۔ مدعی سے گواہ مانگے جائیں اور مدعا علیہ سے قسم لی جائے۔ مسلمان کے درمیان صلح کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس سے قرآن کا کوئی قانون نہ ٹوٹے اگر آج تم کوئی فیصلہ کرو اور کل پر (مزید غور و خوض کرکے) اس سے بہتر فیصلہ تم کو سوجھے تو پہلے فیصلہ کو رد کر سکتے ہو۔ اس لئے کہ "حق" ازلی ہے۔ اور اس کی طرف رجوع کرنا غلطی پر اڑے رہنے سے بہتر ہے۔ خوب خوب غور کرو۔ اُس مقدمہ میں جو تمہارے دل میں خلش پیدا کرتے ہو۔ جس کا حل قرآن و سنت میں تم کو نہ ملے۔ ایسے مسائل کو اچھی طرح ذہن نشین کر دو جن میں کوئی وجہ مشابہت ہو اور باہم ملتے جلتے مسائل سے ملتے جلتے فیصلے اخذ کرو ان فیصلوں میں سے جس کے بارے میں تم سمجھو کہ انصاف سے قریب تر ہے اور خدا کو سب سے زیادہ پسند ہوگا اُس کو اختیار کرو کوئی شخص اگر اپنے دعویٰ ثابت کرنے یا گواہ فراہم کرنے کے لئے مہلت مانگے تو اُس کو مہلت دو۔ اگر میعاد مقررہ میں دو گواہ پیش کر دے تو اس کا حق دلوا دو۔ ورنہ اُس کے خلاف فیصلہ کر دو۔ یہ بہترین طریق کار ہے جس سے فریقین کی نظر میں

سپرٹ کا مدِنظر رکھنا بہرحال اُس کے لیے ضروری ہے۔ اسی لیے اسلامی حکومت میں شریعت کی برتری ہی علم فقہ کی اصل روح ہے۔

اسلامی نظامِ عدلیہ شریعتِ اسلام میں عدلیہ Judiciary کو "قضاء" کہتے ہیں۔ جس کے معنے لوگوں کے باہمی جھگڑوں اور تنازعات کو احکامِ شریعت کے ذریعے حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ اسلامی نظامِ حکومت میں منصبِ قضا ایک غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ پہلے یہ منصب امیر یا خلیفہ کی ذات میں مرکوز تھا۔ لیکن جب اسلامی ثقافت کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا تو مختلف علاقوں میں جہاں دیگر عہدیداران مثلاً گورنر، عامل وغیرہ مقرر ہوئے وہاں قضاۃ بھی مقرر ہوئے۔ اس طرح قضاء کی ذمہ داریاں بعد میں جس [illegible] ہوئیں اُس کو انتظامیہ کے اثر سے بالکل آزاد رکھا گیا۔ حج کے موقعہ پر تمام بلادِ اسلامیہ کے گورنروں، عاملوں اور قضاۃ کو جمع ہونے کا حکم [illegible] اعلان کیا جاتا کہ اگر کسی بھی مسلمان کو ان سے شکایت ہے یا انہوں نے شریعت کی خلاف ورزی کی ہے تو اسے [illegible] کے نوٹس میں لایا جاتا اور الزام ثابت ہو جانے کی صورت میں اس کا ازالہ کیا جاتا اور انہیں سزا دی جاتی یا برطرف کر دیا جاتا۔ حج کے موقعہ کے علاوہ بھی اگر کسی گورنر، عامل یا قاضی کے طرزِ عمل کے خلاف شکایت ہوتی تو اسے تبدیل یا برطرف کر دیا جاتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے مستند خط جو ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا گیا اُس میں انصاف، فیصل مقدمات کے کچھ بنیادی اصول بیان ہوئے اور اس میں قیاس و اجتہاد کی اجازت دی گئی تھی یہ خط اُن کو عراق کے قاضی کی حیثیت سے لکھا گیا جس کا یہاں مطالعہ دلچسپی اور تحقیق سے خالی نہ ہوگا کیونکہ اس خط کو ادب و

افراد کو ایک صراطِ مستقیم پر گامزن کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود قرآن میں فرماتا ہے۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ط اور ہم نے تم میں سے ہر ملت کو ایک قانون اور راہِ عمل دی۔" (مائدہ ۴۸) اسی طرح قانون اور انصاف کو کبھی اسلامی معاشرہ میں جدا ہونے نہ دیا گیا جیسا کہ آج مغربی نظامِ عدلیہ کا شکوہ کولٹن ان الفاظ میں کرتا ہے۔

" قانون اور انصاف ——— یہ دو چیزیں تھیں جنہیں خدا نے یکجا کر دیا تھا۔ مگر انسان نے انہیں بالکل ہی جدا کر دیا۔"

اسلامی نظامِ عدلیہ میں عدالت صرف ایک جج پر مشتمل ہوتی ہے۔ خراشی کہتے ہیں کہ ایک ہی معاملہ کو فیصل کرنے کے لئے خلیفہ بیک وقت دو جج مقرر نہیں کر سکتا کیونکہ ابن شعبان کے مطابق ایک جج آدھا جج متصور نہیں ہوتا ——— ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک شہر میں کئی قاضی مقرر کئے جائیں جن کا اپنا علیحدہ حلقہ عمل Jurisdiction ہو۔ اسلامی نظامِ عدلیہ میں قاضی کو مشورہ دینے کے لئے قانونی ماہرین بھی ہوتے تھے لیکن اُن کا مشورہ و نصیحت جج پر لازم نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مشورہ لینا بھی ضروری ہے ——— انصاف اور اسلامی عدلیہ کا اصل مقصد معاشرہ کی بھلائی ہے تاکہ لوگوں کو اُن کے حقوق اور جان و مال کی آزادی کی ضمانت دے سکے۔ کیونکہ یہ اللہ کا مقصد گردانا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں انصاف نافذ کرنا چاہتا ہے اور قرآن بھی کہتا ہے کہ انصاف کرنا تقویٰ کے قریب تر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اسلامی نظامِ عدلیہ نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم ہو چکا تھا حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے دورِ خلافت میں ایک اور عہدے دار

نہ تو تمہاری غیر جانبداری مشتبہ ہوگی اور نہ ان کو تمہارے فیصلہ پر اعتراض ہوگا۔ ہر مسلمان کو گواہی دینے کا حق حاصل ہے الّا یہ کہ کسی سنگین جرم میں کوڑوں کی سزا بھگت چکا ہو یا جھوٹی سزا کے لئے بدنام ہو۔ یا اگر آزاد کردہ غلام ہے اس پر غلط آقا کی طرف خود کو منسوب کرنے یا (آزاد ہے تو) غلط حسب و نسب بتانے کا الزام ہو۔ تمہاری اچھی بداعمالیوں (کی سزا) کا معاملہ خدا کے ہاتھ ہے (دنیا میں قانونی) سزا سے بچنے کے لئے اس نے شہادت اور حلف ضروری قرار دیا ہے۔ خبردار! انصاف کرتے وقت انصاف جو خدا کے انعام اور اچھی شہرت کا موجب ہے تمہارے دل میں اہل مقدمہ سے خفگی اکتاہٹ یا چڑچڑا پن پیدا نہ ہو۔ اور نہ (حق بات میں) فریقین کے ساتھ بدمزاجی سے پیش آؤ کیونکہ جو خدا سے اپنے معاملات میں مخلص ہوتا ہے خدا لوگوں سے اس کے معاملات ٹھکانے لگا دیتا ہے اور جو لوگوں کے سامنے ریا کرتے ہیں خدا ان کو رسوا اور خوار کر دے گا۔"

اسلامی عدلیہ کا یہ چارٹر کتنا جامع ہے جو قرآنی روح کی صحیح غمازی کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کلام پاک میں فرماتا ہے کہ جب تم انصاف کرنے لگو تو اس میں کسر نہ اٹھا رکھو۔ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۔ قرآن انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے ایک ضابطہ زندگی پیش کرتا ہے۔ جس کی رو سے تقریباً ستر آیات دیوانی مقدمات کے سلسلہ میں اور چند فوجداری قسم کے جرائم بمعہ اُن کی سزا قرآن میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ شہادت کے اصول بھی قرآن پیش کرتا ہے۔ لیکن یہ مستقل اقدار اتنے قلیل ہیں کہ اس سے اسلامی قانون میں شدت یا جمود پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس لئے کہ اس سے معاشرہ کی بھلائی مقصود ہے جو

اسلامی نظام عدلیہ میں "وکیل" کا تصور کسی حد تک "مفتی" کے وجود سے ملتا ہے جو کہ عدالت کے صحیح فیصلوں تک پہنچنے میں مدد دیتا تھا۔ اور ان کی تقرری حکومت کرتی تھی۔ اس صورت میں ان کی حیثیت موجودہ وکلاء سے مختلف ہے۔ مفتی کی تقرری عوام کو مفت قانونی مشورہ دینے کے لئے عمل میں لائی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے ہی اُن کی تقرری ہونا شروع ہوئی تھی تاکہ لوگوں کے حقوق اور مقدمات کے سلسلہ میں قانونی حیثیت متعین کرنے اور پارٹیوں کو صحیح مشورہ دینے میں مدد مل سکے۔ اس طرح یہ سلسلہ تمام اسلامی ریاستوں میں اختیار کیا گیا۔ چونکہ اسلامی معاشرہ میں زبردست مذہبی اخلاقی اور تعلیمی اثرات اور اقدار کی موجودگی میں مقدمہ بازی بہت حد تک سطحی شکل اختیار کر لیتی ہے اس لئے کسی مقدمہ کی پارٹیوں کی طرف سے پلیڈ کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ جیسا کہ وکلاء کا مقصد عدالت کی مدد کم کرنا اور پارٹیوں کو گمراہ کر کے مقدمہ بازی کو طول دینا زیادہ مقصود ہوتا ہے اس لئے اسلامی نظام عدلیہ میں وکلاء کی موجودہ تنظیم Bar کو اپنے اندر بنیادی تبدیلیاں پیدا کرنا ہوں گی تاکہ اُن کی حیثیت کو برقرار رکھا جا سکے

اسلامی عدلیہ میں کورٹ فیس وغیرہ ادا کرنا بھی انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے۔ حتیٰ کہ بغداد میں مقتدر اصحاب یہاں تک دیکھنا چاہتے تھے کہ پارٹیوں کو عدالتی کاغذ وغیرہ تک کا خرچ بھی ادا کرنا نہ پڑے ——— اس کے مقابلہ میں موجودہ دور میں انصاف جتنا مہنگا ہو چکا ہے اُس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے مثال کے طور پر انگلستان میں جہاں کا نظامِ عدلیہ دُنیا کے تمام ممالک سے افضل ترین اور قابلِ قدر ہے اُس کی بابت کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

"Justice is open to all like a Ritz Hotel"

چیف آف پولیس جس کو "صاحب الشرط" کہا جاتا جو کہ قاضی کے فیصلوں کو نافذ (Enforce) کرتا۔ اس کے علاوہ خفیف قسم کے جرائم اس کو جج کی حیثیت سے سزا دینے کا بھی اختیار دیا گیا مجرموں پہ کڑی نگاہ رکھنا بھی اسی کی ڈیوٹی میں شامل تھا۔ مقرر کر دیا گیا اسی طرح "محتسب" کا عہدہ بھی تھا جو اسلام کے مذہبی اور اخلاقی قدروں کی تعظیم و تکریم و اطاعت پر نگاہ رکھتا تھا گویہ پولیس ڈیوٹی میں بھی شامل تھا۔

نظر المظالم دورِ خلافت تک اسلامی عدلیہ کے قضاۃ کو ہر قسم کے مقدمات فیصل کرنے کا پورا اختیار حاصل تھا۔ لیکن اُن کی اتھارٹی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور ہی میں کسی حد تک کم کر دی گئی تھی۔ جبکہ حضرت علی نے خود غیر قانونی اقدامات کے خلاف شکایات سننا شروع کر دیں جو اس نئی صورت میں قضاۃ اور افسرانِ اعلیٰ کے عہدے سے یکجا مرکوز تصور کر کے فیصل مقدمات پر نظرِ ثانی کرنے کے لئے معرضِ وجود میں آیا۔ دورِ بنو اُمیہ میں نظرِ ثانی کی ہر قسم کی درخواستیں نظر المظالم نے نظرِ ثانی کے لئے قبول کرنا شروع کیں اور یہ سلسلہ عرصے تک جاری رہا۔ آخری دور میں ایسے مقدمات پر حکم صادر کرنے کا اختیار خلیفہ نے کسی وزیر کے سپرد کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں قضاۃ نے اس ڈر سے کہ ان کے فیصلہ کی نظرِ ثانی ہوگی زیادہ توجہ، انصاف اور محنت سے فیصلے صادر کرنے لگے ــــــــ گو ہر قسم کے مقدمات کی سماعت کا اختیار مظالم کو حاصل تھا۔ لیکن عدلیہ کا یہ طریق کار جو مظالم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا اسلامی عدلیہ کے فقہی نظام سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ صرف مالکی فقہی سکول کے علاوہ کوئی بھی اس ادارہ کو شرعیہ کا عقدہ تصور نہیں کرتا اس لئے اُن کے فتاویٰ کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ــــــــ قاضی اور مظالم میں فرق صرف اتنا تھا کہ مؤخر الذکر کو کافی اختیار حاصل تھا۔

کر کے خود کو اسلامی قانون کے حوالہ کر دیں۔ ورنہ قاضی عام قانون کی رو سے جو دیگر اقوام غیر میں جاری وساری ہوں فیصلہ صادر کر سکتا ہے۔

قاضی کی تقرری و خصوصیات

نظام قضا میں قاضی (جج) کا مقام ایک خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے

کیونکہ وہ انصاف، اخلاق اور روحانی قدروں کا علمبردار ہوتا ہے۔ اس منصب کے لئے سب سے اہم شرط یہ ہے کہ قاضی خود اس منصب کی خواہش کا اظہار نہ کرے نہ اس کا امیدوار ہو اور نہ ہی دل میں حرص ہو۔ کیونکہ یہ منصب ذریعہ معاش متصوّر نہیں ہوتا بلکہ منشائے ایزدی کی بجاآوری خیال کیا جاتا ہے۔ قرآن کی رُو سے حق کے مطابق فیصلہ کرنا سب سے بڑا فرض اور سب سے افضل عبادت ہے قضاۃ کا تقرر خود خلیفہ امیر یا صدر مملکت کرتا ہے۔ بعض حالات میں اپنے نائبین سے بھی کرلاتا ہے۔ الماوردی اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں قاضی کے انتخاب کے لئے سات شرائط زیر نظر رکھنے پر زور دیتا ہے۔

(۱) چونکہ قاضی کو اسلامی قانون کے مطابق اپنے فرائض کی ادائیگی مقصود ہوتی ہے اس لئے اُس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ غیر مسلم صرف اپنے مذہبی و قلیتی فرقہ کا جج بن سکتا ہے۔

(۲) اُس کا ایک بالغ مرد ہونا ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رُو سے اگر مقدمہ عورتوں کی شہادت سے تعلق رکھتا ہے تو ایسے نسوانی معاملات کے لئے قضیائی lady magistrate) کا تقرر کیا جا سکتا ہے۔

(۳) صاحب عقل ذکی، غفلت سے عاری اور صاحب علم و بصیرت ہونا چاہئے۔

یعنی انصاف کے دروازے ہر فرد پر اس طرح کھلے ہیں جس طرح "رٹنر ہوٹل" (یہ ہوٹل اتنا مہنگا ہے کہ غریب کی حیثیت تو کیا امراء و رؤسا بھی جانے سے گھبراتے ہیں جیسا کہ کراچی میں میٹروپول اور لاہور میں فلیٹی) ایسی صورت میں بہت سے لوگوں پر معاشرہ میں ظلم و ستم ہوتا ہے لیکن وہ مقدمہ بازی کے خرچ سے ڈر کر دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔ اگر وہ اپنا حق طلب نہیں کر پاتے تو ایسے حقوق کی گارنٹی صرف آئین میں لکھ دینے سے کیا فائدہ ؟

اِسلامی نظام عدل میں غیر مسلم چونکہ اسلامی ضابطہ ہائے زندگی قبول نہ کر کے اپنے اوپر قرآنی عدل و انصاف کے دروازے بند کر لیتے ہیں اس لئے مسلمانوں کی طرح اُن کو ہر قسم کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حقوق حاصل نہیں ہو سکتے جو کہ ایک مومن کو حاصل ہوں گے۔ کیونکہ اِسلامی نظام حکومت جو کہ صرف مسلمانوں کے لئے معرضِ وجود میں آتی ہے اُس کے تحت فوج، انتظامیہ یا عدلیہ کے کسی عہدے پر غیر مسلم کی تقرری نہیں کی جا سکتی لیکن مسلمان حکومت اور مجاہدین پر غیر مسلموں کے جان و مال کی حفاظت لازمی ہوتی ہے۔ اور اُن کو اپنی مذہبی آزادی اُن کی عبادت گاہوں کی حفاظت رسومات و عبادات وغیرہ کی آزادی کی ضمانت دی جاتی ہے۔ اور اس طرح حکومت اُن کو ایک شہری کی حیثیت سے تمام حقوق عطا کرتی ہے۔ حکومت غیر مسلموں کیلئے انہی میں سے ججوں کی تقرری کر کے علیحدہ عدالتیں قائم کرتی ہیں تاکہ اُن کے پرسنل لاء Personal Law کے مطابق یا اُن کے رسم و رواج کی روشنی میں فیصلے صادر کر سکیں۔ ویسے اسلامی نظام عدلیہ کے دروازے اُن پر مطلق بند نہیں۔ بلکہ قاضی ایک مقدمہ میں اُس وقت فیصلہ دے سکتا ہے جبکہ دونو پارٹیاں (مدعی، مدعا علیہ) عدالت کے فیصلہ کی پابندی کا عزم

سے تقسیم کرتا ہے۔

(۱) مقدمات کا فیصلہ کرنا۔

(۲) عدالتی فیصلہ کا نفاذ اور حقدار کی حق رسی۔

(۳) کمزور کے جان و مال کی حفاظت اور نابالغ یا مخبوط الحواس بچوں کی جائداد کا تحفظ۔

(۴) یتیموں کی جائداد کا تحفظ

(۵) وقف جائداد کا انتظام

(۶) وصیت ناموں پر عمل

(۷) غیر شادی شدہ عورتوں جن کو کوئی نگہبان نہ ہو کی سرپرستی

(۸) "حد" لگانا یعنی جرائم کے ارتکاب پر مخصوص سزا دینا۔

(۹) پبلک بلڈنگ اور سڑکوں کی نگہداشت

(۱۰) گواہوں سے بیناوقاضیوں کے نائبین یا مفتی حضرات کا انتخاب وغیرہ

گو قاضی انہیں مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے جہاں دونوں پارٹیاں اس خواہش کا اظہار کریں۔ لیکن ان جرائم میں جن پر حدود لاگو ہوتی ہے اور وہ معاشرہ کے لئے مضر اثرات کا باعث ہوں تو قاضی اپنے طور پر ہی ایک مجرم پر حد لگا سکتا ہے۔

(Suo moto power)

قاضی کا رویہ معاشرہ میں افراد کی اخلاقی تربیت ایسی ہونی چاہیئے کہ مجرم خود اقبال جرم کر کے سزا کا طالب ہو۔ ویسے قاضی کو خود اپنے رویہ پر بھی نگاہ رکھنی چاہیئے۔ مثال کے طور پر

(۴) اُس کا ایک آزاد فرد ہونا ضروری ہے
(۵) وہ عادل ہونا چاہیئے۔ یعنی پاک دامن، پرہیزگار، شبہات سے مُبرّا اور قابلِ اعتماد۔
(۶) وہ اندھا یا بہرہ نہ ہونا چاہیئے۔ لیکن امام مالکؒ کی رو سے ایک اندھا شخص جج بن سکتا ہے۔ اور ایک گواہ کی حیثیت سے شہادت بھی دے سکتا ہے۔
(۷) قاضی کا مجتہد ہونا لازمی ہے یعنی وہ شریعت قرآن سنت، اجماع و قیاس وغیرہ کے سابقہ اجتہادی فیصلوں اور قانونی احکامات سے واقف ہونا چاہیئے۔ مجتہد نہ ہونے کی صورت میں اُس کے احکام، اور اجتہادی فیصلے کسی اہمیت کے حامل نہ ہوں گے۔ ——— امام ابو حنیفہؒ کی رو سے ایک شخص جو مجتہد نہیں وہ بھی قاضی بنایا جا سکتا ہے۔ اور اگر مناسب یا اہل منصب کے لئے اہل آدمی دستیاب نہ ہو تو ان شرائط کو نرم کر کے تقرری عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ لیکن صرف اُس وقت تک جب تک کہ مناسب فرد نہ مل سکے ——— نیز اُس کو اپنے عہدہ کا حلف وفاداری اٹھانے اور خدمات و صحیح فرائض کی بجا آوری کا بھی علم ہونا چاہیئے۔

قاضی کے فرائض اور خدمات

قضاء کا اصل مقصد تو جھگڑوں کا انصاف کی روشنی میں تصفیہ کرنا ہے اس لئے قاضی پارٹیوں میں صلح وغیرہ کرانے کی کوشش کر سکتا ہے گو قانونی نقطۂ نگاہ سے اُس کو مقدمات فیصل کرنے میں نہایت سوجھ بوجھ اور سختی سے قانون اور اصول عدالت اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ الماوردی ان فرائض کو مندرجہ ذیل طریقہ

(۲) اگر خلیفہ کے خلاف بھی الزام عائد ہو تو اُسے جواب دہی کے لئے طلب کیا جا سکتا ہے بلکہ سزا یا جرمانہ بھی کرنے کا حق قاضی کو حاصل ہے۔

(۳) عدالتی احکامات کی خلاف ورزی یا عدالت کو راستے سے بھٹکانا اور قاضی کو غلط یقین دلا کر دھوکہ سے فیصلہ حاصل کرنا وغیرہ توہینِ عدالت کے زمرے میں آتا ہے جس کی علیحدہ سزا دی جا سکتی ہے۔

(۴) فوجداری مقدمات میں جرائم کی سزا حدود جیل مثلاً قطع یدین، سنگسار کرنا اور کوڑے مارنا وغیرہ شامل تھے۔ Tort cases میں قصاص اور تاوان کی ادائیگی کی جاتی اور دیوانی مقدمات میں اگر حق ثابت ہو جاتا تو حق رسی کی جاتی اور معاوضہ بھی دیا جاتا۔

(۵) چونکہ گواہوں کی وجہ سے حقوقِ عامہ زندہ ہیں اس لئے ان کو ڈرانا دھمکانا یا ان کو نقصان پہنچنے پر عدالت کڑی گرفت لے سکتی ہے۔

(۶) اخلاق سوز اور کردار تباہ کرنے والے طریقوں پر پابندی عائد کی جاتی تھی اور ایسے لوگوں کو سزا دی جاتی تھی جو قومی اخلاقی کردار تباہ کرنے کا موجب ہوں۔

(۷) غلط تعمیرات کی دیکھ بھال بھی قاضی کا فرض ہے اور مخدوش عمارتوں کو گرانے کا حکم بھی دے سکتا ہے۔

(۸) قاضی کسی شخص کو خواہ وہ خلیفۂ وقت ہو گواہ کی حیثیت سے طلب کر سکتا ہے۔

(۹) رمضان اور عید وغیرہ کے متعلق خبر دینا بھی اُس کے فرائض میں شامل ہے۔

(۱۰) اسلامی عدلیہ میں مجرموں کو ضمانت پر رہا کرنے کی صراحت بھی ملتی ہے۔

(۱۱) منصب قضاء کے فرائض میں جعلی سکوں کے اجرا پر نگرانی اور سکے ڈھالنے

(۱) قاضی سنگدل مگر ترشرو نہ ہونا چاہیئے یعنی سخت ہو لیکن بدمزاج نہ ہو۔ نرم ہو لیکن کمزور نہ ہو۔

(۲) عدالت میں نہ تو وہ کسی کو سلام کرے اور نہ کوئی دوسرا اسے سلام کرے۔

(۳) فریقین میں ایک کے ساتھ بے اعتنائی اور دوسرے کے ساتھ مسرت سے پیش نہ آئے

(۴) عدل وانصاف میں مساوات برتے اور غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ دے۔

(۵) گواہوں کی عزت و تکریم کی جائے۔

(۶) تحفہ و تحائف سے احتراز کرے اگر کوئی بھیجے تو اسے واپس کرے یا قیمت ادا کرے ورنہ اسے بیت المال میں جمع کرا دے۔

(۷) قاضی فریقین کو اپنے سامنے بٹھلا کر دم دے۔

(۸) حضرت علی کرم نے اپنے عہد میں جیل کا انتظام جاری کیا اسلئے قاضی مجرم کو حبس کی سزا دے سکتا تھا۔

(۹) قاضی کو چاہیئے کہ وہ گواہوں پر علیحدہ علیحدہ جرح کرے۔

(۱۰) اگر قاضی کا فیصلہ واقعات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ پھر بھی نافذ العمل ہوگا اور دوسری پارٹی پر پابندی لازمی ہوگی۔

اختیارِ سماعت

(۱) موجودہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ڈپٹی کمشنر کے اختیارات قاضی کے اختیارات کے مشابہ ہیں قضا کو اپنے حلقۂ عمل میں مکمل اختیار سماعت حاصل تھا امیر خلیفہ تک کو قاضی کے اختیار سماعت میں دخل اندازی کا حق نہیں تاکہ وہ ذات بغیر کسی اثر اور دباؤ کے انصاف کے تقاضوں کے مطابق عدل وانصاف کا بول بالا رکھے۔

بیج بو دیتے ہیں۔

(۶) قیافہ شناسی، فراست، شجاعت وغیرہ بھی قضاء کے وسائل میں سے ہیں۔

(۷) اگر کسی جرم یا قتل وغیرہ کا سراغ نہ مل رہا ہو تو گردونواح کے لوگوں سے قسم اٹھوائی جائے کہ وہ مقتول یا مجرم کا علم نہیں رکھتے۔

(۸) گو فیصلہ کرنے میں ظاہری علامات و دلائل کو اہمیت دی جاتی ہے۔ لیکن اکثر معمولی چیزوں کا فیصلہ قرعہ اندازی سے بھی کیا جاتا ہے۔

عدالتی فیصلے

(۱) اگر قاضی کسی فوجداری مقدمہ میں غلط فیصلہ کردے اور اس طرح کوئی جان یا عضو تلف ہو جائے تو اس کا معاوضہ بیت المال سے ادا ہوگا۔

(۲) اگر فوجداری مقدمہ میں غلط فیصلہ سے کوئی جان یا عضو کا نقصان نہ ہو تو کوئی جرمانہ ادا نہ ہوگا مثلاً شراب نوشی جو فوجداری کیس ہے جس میں حد لگتی ہے لیکن اس سے جان یا عضو کے ضائع ہونے کا احتمال نہیں ہوتا۔

(۳) دیوانی مقدمہ میں غلط فیصلہ ہو جائے تو جرمانہ اس سے وصول کیا جائے گا جس کو اس مقدمہ سے فائدہ پہنچا ہو۔

(۴) اگر قاضی نے دیدہ دانستہ غلط فیصلہ دیا ہے تو جرمانہ خود قاضی سے وصول کیا جائیگا۔

(۵) قاضی کے فیصلوں کی اپیل قاضی القضاۃ امام یا خلیفہ یا ناظر المظالم کے پاس ہوگی۔

(۶) کوئی مقدمہ ابتداء ہی میں قاضی کی بجائے خلیفہ یا امیر کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۷) اگر کسی فیصلہ کی اپیل نہ کی گئی ہو یا امیر، خلیفہ، اور قاضی نے خود اپنے فیصلہ کو بدل نہ دیا ہو تو اس پر ہر قیمت پر عمل درآمد ہوگا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر غلط

کی ٹکسال کی سرپرستی شامل ہے۔

عدالتی کارروائی یا دستور العمل

(۱) مقدمہ کی پیشی اور گواہ گزارنے کی تاریخ مقرر کرنا۔

(۲) کسی جماعت کی غیر حاضری میں یک طرفہ کارروائی۔

(۳) مدعی یا مدعا علیہ کی خواہش پر کسی گواہ وہ حاضر ہو یا گورنر، امیر یا خلیفہ کو طلب کیا جانا۔

(۴) مقدمات کے فیصلے سہولت میں کرنا۔

(۵) مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم نہ کرنا۔

(۶) قاضی کا مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے بیانات سن کر فیصلہ کرنا۔

(۷) یہ فیصلے [illegible] یا [illegible] Judge [illegible] کو [illegible] کے بھی ہو سکتے ہیں [illegible] فیصلے کیا دلیل کے مطابق [illegible] دستور العمل [illegible] Court Procedure میں شامل ہے۔

فیصلہ کرنے میں مندرجہ ذیل وسائل و ذرائع استعمال ہوتے ہیں۔

(۱) ہر وہ ذریعہ جو امر حق واضح کر دے۔

(۲) دعویٰ کو ثابت کرنا مدعی پر ہے لیکن اس کو جھٹلانے کے لئے قسم مدعا علیہ پر

(۳) شاہد کیلئے ضروری ہے کہ اگر واقعہ سورج کی طرح روشن ہو تو وہ گواہی ضرور دے۔

(۴) حلف صرف اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی دیوتا، باپ بھائی یا بہن جان وغیرہ کی قسم کھا کر نہیں اٹھایا جا سکتا۔

(۵) فریقین کو صلح کے لئے کہا جا سکتا ہے کیونکہ عدالتی فیصلے دونوں میں کینے کے

اس وقت جبکہ وہ ایک پارٹی ہوں۔

(۵) دیوانی مقدمات میں مسلمانوں کی بجائے کافر اور فاسق جو اُن میں سب سے بہتر ہو اُس کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے۔

(۶) اگر مسلمان مسافرت میں ہو یا قریب المرگ ہو اور اُسے وصیت کی شہادت کے لئے کوئی مسلمان مُیسر نہ ہو ایسی صورت میں غیر مسلم گواہ بنایا جا سکتا ہے۔

(۷) اگر معاملہ عورتوں کا ہو۔ جیسے حمل یا رضاعت اور جسمانی عیوب وغیرہ کے سلسلہ میں ثبوت بہم پہنچانے کے لئے عورتوں کی گواہی لازمی ہے جو کہ تعداد میں کم از کم تین ہوں۔ لیکن بچے کی ولادت کی گواہی کیلئے صرف ایک دائی کی گواہی کافی ہے ــــــ اگر کسی مقدمہ میں عینی شہادت مرد کی موجود نہ ہو۔ تو عورت کی گواہی قابلِ قبول ہو گی۔

قسامت

(۱) مالی اور دیوانی مقدمات میں دو عورتوں کی شہادت قابلِ قبول ہوتی ہے یا مدعی کی قسم پر بھی فیصلہ ہو سکتا ہے۔

(۲) ثبوتِ زنا کے لئے چار عینی گواہوں کو پیش کرنا لازمی ہوتا ہے۔ لیکن گواہ چار سے کم ہوں یا کوئی عینی شہادت نہ ہو تو زنا کی تہمت زبان تک پر لانے کی اجازت نہیں۔ اس قسم کی شہادت میں ایک رعایت رکھی گئی ہے۔ یعنی جبکہ صرف خاوند ہی عینی شہادت ہو تو وہ زنا کی تہمت لگا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اُسے عدالت کے روبرو چار بار قسم کھانا پڑے گی۔ کہ اس نے اپنی عورت کو غیر محرم سے زنا کرتے دیکھا اور پانچویں مرتبہ قسم کھائے گا کہ اگر وہ جھوٹ کہتا ہو تو اللہ کا غضب اُس پر نازل ہو۔ صفائی میں اُس کی بیوی کے لئے دو صورتیں

ہی کیوں نہ معلوم ہو مگر مخالف پارٹی پر اس کی اطاعت لازمی قرار دی گئی۔

قسامت اور اصولِ شہادت

کسی مقدمہ میں ثبوت فراہم کرنے کے دو ہی ذرائع ہوتے ہیں۔

(۱) "شہادت" (۲) "قسامت"۔

(۱) شہادت کے سلسلہ میں گواہ کا عادل ہونا شرط ہے۔ خائن وزانی یا خائنہ وزانیہ وغیرہ کی شہادت جائز نہیں۔ اور نہ ہی دشمن کی شہادت قابلِ قبول ہے۔

(۲) جس شخص پر خیانت کی حد لگ چکی ہو اور وہ جھوٹا ثابت ہو چکا ہو اس کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں۔

(۳) گھر والوں کے حق میں ان کے نوکر، غلام، لونڈیاں اولاد رشتہ داروں اور دوستوں وغیرہ کی گواہی معتبر تصور نہیں کی جاتی۔ اس لئے آقا کے لئے ملازم کی باپ کے حق میں بیٹے کی اور شوہر کے حق میں بیوی کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔ بجز اس صورت کے کہ کوئی عینی شہادت موجود نہ ہو۔

(۴) جو لوگ زنا کی تہمت لگا کر ثابت نہ کر سکتے ہوں وہ بھی غیر معتبر ہیں۔

گواہ کے لئے مندرجہ ذیل خصوصیات ہونی چاہئیں۔

(۱) عقل، سن بلوغیت، قوتِ حافظہ، قوتِ سماع اور طاقت بینائی وغیرہ ایک مسلمان عادل مرد کے لئے لازمی ہیں۔

(۲) بچوں کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں اگر ہوشمند ہوں تو قابلِ قبول ہے۔

(۳) غلاموں اور لونڈیوں کی شہادت بھی دورِ خلافت میں قابلِ قبول نہ تھی۔

(۴) مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلموں کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں سوائے

اِن سوالات کے پیچھے ایک تاریخ ہے جس نے وہ حالات پیدا کئے کہ ایک کا بام عروج پہ پہنچنا اور دوسرے کا اس کے رحم و کرم پر گر پڑنا ناگریز ہوا۔ معاشی اعتبار سے مسلمانوں کا اُن کے مقابلہ میں پیچھے رہ جانے کا سبب خود مسلمانوں کے آپس میں نفاق سے کمزوری اور اُن کے ہاتھوں سے سیاست و سیادت کا چھن جانا ہے۔ اسی لئے جب ایک نظام کو چلانے کا ذریعہ ہی اُن کے پاس نہ رہا تو نظام کی افادیت کس طرح ظاہر ہو سکتی؟ دوسرا سبب یہ کہ مسلمانوں نے خلافت و حکومت رُخصت ہو جانے کے بعد اپنے اعلیٰ اوصاف و اقدار کو بھی بالائے طاق رکھ دیا۔ چونکہ ہر قوم میں کچھ خصوصی انسانی اخلاقی اقدار ہوتی ہیں جن کو اختیار کر کے اُس کا دُنیا میں ترقی کرنا ناگزیر ہے۔ اس لئے جب تک مسلمان اُن صفات یعنی جہاد تحقیق و ریسیرچ اور اعلیٰ انسانی اخلاق کے حامل رہے دُنیا کی سلطنتیں اُن کی زیرِ نگیں رہیں۔ کیونکہ وہ اسلامی نظاموں کو اُس کے اصل جذبہ کے تحت چلاتے رہے۔ اُس وقت تک زندگی کے کسی پہلو میں ان کو ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑا۔ لیکن جونہی خارجی اثرات اپنے سر منڈلانے شروع کئے اُن میں اخلاقی اوصاف اور جہاد کی جگہ عیش و عشرت نے لے لی یعنی اپنے اسلاف کی ڈگر سے ہٹ گئے تو یورپ کی اقوام نے موقعہ کی نزاکت اور ان کی کمزوری سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اور بنیادی اقدار کو اپنا کر اپنی محنت کاوش اور عمل پیہم سے تمام اقوام سے سبقت لے گئے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو سیاسی، معاشی و معاشرتی اعتبار سے پس پشت ڈال دیا اور ایسے منفی حربے استعمال کرتے رہے کہ مسلمان صدیوں خواب غفلت سے بیدار نہ ہو سکا۔ اور آج جب وہ بیدار ہوا بھی تو اُس نے سب کچھ اپنا ہوتے ہوئے بھی خود کو تہی دست پایا اور اپنے کھوئے ہوئے

ہیں اگر تو الزام کو تسلیم کرلے تو وہ سنگسار کردی جائے گی۔ بصورتِ دیگر اس کو چار بار قسم اٹھانی ہوگی کہ اس کا خاوند جھوٹ بولتا ہے اور پانچویں بار کہے گی کہ اگر وہ جھوٹی ہو تو اُس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اِس طرح اس پر حد تو نہ لگے گی لیکن نکاح ساقط ہو جائے گا۔

(۳) اگر کسی علاقہ میں قتل ہو جائے اور مقتول کا پتہ نہ چلتا ہو تو اُس علاقہ کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے کہ واقعہ قتل کا علم نہیں اور نہ ہی وہ مقتول کو جانتے ہیں۔

قیاس، قتل، دیوانی یا فوجداری مقدمات و جرائم کے سلسلہ میں نظامِ قضا میں تحریری ثبوت کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں۔ حالانکہ اُس تحریر کو تصدیق کرنے والے دو گواہوں کی شہادت تحریری ثبوت کے مقابلہ میں زیادہ قابل قدر ہوتی ہے اسی لئے کہا گیا کہ تمام پبلک یا پرائیویٹ تحریروں Documents کی تصدیق کم از کم دو گواہوں سے ضرور ہونا چاہیئے۔

اسلام کا اقتصادی نظام

سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر مسلمانوں کا اقتصادی نظام ہمہ خوبیوں کا حامل تھا جیسا کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ اُس جیسا نظامِ معیشت ابھی تک کوئی مذہب یا ازم پیش نہ کر سکا تو پھر آج مسلمانوں کی یہ خستہ و زبوں حالی کیوں؟ اور اُن کے مقابلہ میں دیگر مذاہب یا ازم کے پیروکار (مثلاً برطانیہ، امریکہ، روس وغیرہ مادی اور اقتصادی اعتبار سے دنیا کی معیشت کو کس طرح کنٹرول کئے ہوئے ہیں؟ ——— آخر اُن کی کامیابی اور مسلمانوں کی ناکامی کا سبب؟

وکالونیوں کی دولت سمیٹ کر اپنا گھر بھرتے رہے۔ جس کی وجہ سے مادی ترقی کے اس مقام کو پہنچے۔ اِن ممالک کے مقابلہ میں جاپان وجرمنی نے محنت ومشقت سے سائنسی وصنعتی میدان میں ترقی تو کی لیکن اُن کے قبضہ میں کوئی نوآبادی نہ ہونے کی وجہ سے برطانیہ اور فرانس جیسا مقام حاصل نہ کر سکے۔ مثال کے طور پر جاپان کو جتنے وسائل حاصل تھے۔ اتنے ہی سلطنتِ برطانیہ کو جبکہ خطّہ کے لحاظ سے بھی تقریباً دونوں ممالک برابر ہیں۔ لیکن برطانیہ ایک طرف ہندوستان جیسی سونے کی چڑیا کے تمام وسائل اس کے قبضہ میں تھے اور دوسری طرف امریکہ پر قبضہ کے بعد اُس کے وسائل اور معدنی دولت سے استفادہ کر کے جاپان ودیگر اقوام کو صرف مادی سرپرستی کی بنا پر پس پُشت ڈال دیا۔ اور جاپان ودیگر اقوام اہلِ مغرب سے زیادہ صلاحیّت رکھنے کے باوجود وسائل ومال ودولت کی کمی کی وجہ سے دُنیا میں بڑی طاقت (World power) نہ بن سکے۔ اُس دور میں سب سے بڑی زک مسلمانوں کو اٹھانی پڑی کیونکہ اہلِ مغرب مسلمانوں کی ترقی سے سخت خائف تھے۔ اور اسلام کی سیلانی کیفیت سے ان کو اپنا عرصۂ حیات تنگ نظر آیا تھا لہٰذا جونہی موقعہ ملا تو اُسی تعصب اور مذہبی تنگ نظری کے سبب ہر قسم کے جائز وناجائز حربے استعمال کر کے مسلمانوں کو کسی بھی میدان میں ابھرنے نہ دیا اور آہستہ آہستہ صنعت وحرفت، تجارت، سیاست معیشت بلکہ ہر لحاظ سے خود کے مقابلہ میں مسلمانوں کو حقیر کر کے رکھ دیا۔ اور اس حد تک ذلّت کی طرف دھکیلا کہ مسلمان اپنے افکار ونظریات فراموش کر کے اقوامِ مغرب کی جادوگری کا شکار ہو کر اپنے مذہب تک سے بیری ہو گیا۔ اور اپنے سابقہ کارہائے نمایاں، اپنے سرمایۂ صد افتخار، علوم وفنون حتیٰ کہ اپنے اسلاف کا وہ خود تمسخر اڑانے لگا۔ یہی انگریزوں کی سب سے بڑی پالیسی تھی۔

مقام کو پانے یا اقوام مغرب کا مقابلہ کرنے کے لئے فطرت کی تمام اشیاء کو اپنے خلاف بغاوت پر آمادہ پاتے ہیں۔

اہل یورپ کی کامیابی کا سب سے بڑا سبب نیچر کی دولتوں کا ان کو مل جانا ہے۔ آخر ایک ایسا وقت آیا جبکہ اُن کے قبضہ میں نہ صرف برصغیر جیسی سونے کی چڑیا بلکہ افریقہ اور آسٹریلیا ان کے قبضہ قدرت میں آئے بلکہ کولمبس نے پوری نئی دُنیا کے دو عظیم براعظم ایک چھوٹی سی قوم کی گود میں ڈال دیئے۔ امریکہ کی اس سرزمین پر جہاں آبادی تو مختصر لیکن معدنیات و وسائل کا یہ عالم کہ گویا زمین سونا اُگلے دے رہی ہو (ضمنی طور پر یہاں یہ ذکر کر دینا بجا ہوگا کہ عرب تجار کولمبس کی دریافت سے بہت قبل اِس نئی دنیا سے نہ صرف آشنا تھے بلکہ تجارت کی غرض سے اکثر امریکہ کے ساحلوں پر آتے۔ اس وقت اہل یورپ اس سے ناآشنا تھے اس لئے جب کولمبس ادھر نکل آیا تو اُن کے لئے یہ نئی دریافت تھی) ——— لیکن ۲۷ لاکھ مربع میل کی یہ زمین اور اس کے قدرتی خزانوں کو مسلمان تو استعمال نہ کر سکے لیکن وہی جب اہل یورپ کے ہاتھ لگے تو مادی دولت، معدنی و زرعی خزائن اور قدرت کی ہمہ نعمتوں پر قبضہ پاکر دنیا کی غیر مہذب، غیر ترقی یافتہ اور غربت و افلاس سے ماری ہوئی اقوام کو اپنا دست نگر بنا لینا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اور جب دنیا کا تقریباً نصف علاقہ مملکت برطانیہ جو کہ خود پاکستان کے ایک صوبہ کے برابر نہیں ہے! قبضہ میں عرصہ تک رہا اور جس کے قدرتی وسائل سے پورا فائدہ اٹھانے کا اُن کو موقعہ ملا تو دنیا میں اس کی عظیم طاقت کی حیثیت سے بنیاد پڑی۔ اور دنیا کی ⅘ حصہ آبادی پر حکمرانی کرتے رہے۔ برطانیہ، فرانس، ہالینڈ اور پرتگال وغیرہ اپنے زیرنگیں علاقوں

دوسری طرف مسلم بلاک اگر تیسری جنگ میں چین نے پوری طرح روس کا ساتھ دیا تو اُس کا تباہ ہو جانا بھی لازمی ہے۔ گو جنگ کے مہلک نتائج سے ایشیا کی اقوام بھی نہ بچ سکیں گی لیکن مسلم ممالک ضرور سمجھ بوجھ سے کام لیں گے اور اس طرح اُن کے سنبھلنے کے امکانات روشن ہیں۔ گو امریکہ و روس کی نظرِ التفات ایشیاء کے خطّے پر بھی مرکوز ہے اور دونوں اس علاقہ کی سلطنتوں اور اقوام کو اپنے ساتھ ملانے میں کوشاں ہیں تاکہ اگر جنگ ہو تو ان کو بھی ایک ایک کر کے قربانی کی بھینٹ چڑھایا جاتے تاکہ اس علاقہ کو بھی میدان جنگ بنا کر ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال سے یہاں کی آبادی اور اس کی آئندہ نسلوں تک کو ناپید و ناکارہ کر دیا جاتے۔ تاکہ ایشیاء کی اقوام اُن کے مقابلہ میں ابھرنے کا نام نہ لیں۔ اس کا اصل مقصد ان کا خود کو محفوظ رکھنا اور دُنیا پر حکمرانی کرتے رہنے کے سوا کچھ نہیں۔ اگر سامراجی قوتیں اس کوشش میں کامیاب ہو گئیں تو پھر اس خطّہ میں آباد دنیا کی نصف قوم کی تباہی لازمی ہے۔ انہوں نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے افریقہ و ایشیا میں ایسے مسائل پیدا کر دیئے ہیں مثلاً عربوں کے لئے فلسطین اور کویت وغیرہ جیسے مسائل۔ ایشیا میں مسئلہ کشمیر اور افریقہ میں الجزائر ایسے مسائل ہیں تاکہ یہ قومیں اپنی قوتیں صرف انہی مسائل پر مرکوز کر کے خود کو کمزور بنا کر اقوامِ مغرب کو مداخلت کے مواقع فراہم کرتی رہیں۔ لہٰذا اس چیز کا پہلے سے احساس کر لینا ضروری ہے اور اہل مشرق کے لئے موجودہ حالات کے تحت خود کو اہل مغرب کی دستبرد سے محفوظ رکھنا ہو گا۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑا پارٹ مشرقِ وسطیٰ ایشیاء اور افریقہ کے مسلمان ہی ادا کر سکتے ہیں۔ تاکہ وہ ایک سیسہ پلائی دیوار اور ایشیا اور افریقہ کی ایک بڑی طاقت بن کر سامنے آئیں اور امریکہ و روس کو اپنے ناپاک مقاصد میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ یہ عظیم مقصد

جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے۔ نتیجتہً آج آزادی کے بعد بھی اسلامی ممالک میں مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت اپنے مذہب و اسلاف سے لاعلمی ہی ان کو دوبارہ دین کی طرف لوٹنے سے روکتی ہے۔ لیکن طویل غلامی کے بعد جب مسلمانوں کی رگِ حمیت پھڑکی تو قربانی دے کر بھی سامراجی طاقتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی سعی کرتے رہے اور اِس طرح آہستہ آہستہ برطانیہ کے قبضۂ قدرت پر ضرب کاری لگی۔ زیرنگیں علاقوں پر اقتدار کی گرفت ڈھیلی ہوتی گئی اور اب تک نوآبادیاتی علاقوں کے مکیں آزادی کے جذبہ سے سرشار ہو کر غلامی کا جُوا اتار پھینکنے میں مصروف ہیں۔ دوسری جنگ عظیم سے بالخصوص دُنیا کی دونوں بڑی طاقتوں برطانیہ و فرانس کو ایسی ضرب لگی کہ اُن کو اب تک سنبھلنے کی سکت نہیں اُن کے زوال کے بعد امریکہ و روس کا شمار دنیا کی بڑی طاقتوں میں ہونے لگا۔ انہوں نے اپنی قدرتی اور معدنی وسائل کی بہتات اور دولت کی فراوانی کے بل بوتے پر زندگی کے ہر میدان میں ترقی کرنے دونوں طاقتوں کو جس تخریبی راستے پر ڈال دیا ہے وہ تیسری عالمگیر جنگ کی نشاندہی کر رہا ہے اور یہ جنگ ہی ان کے زوال کا پیش خیمہ ہوگی۔ برلن کا مسئلہ ہی ایک ایسا نازک مرحلہ ہے جس پر دونوں طاقتوں کا نبرد آزما ہونا لازمی امر ہے اگر برلن کے مسئلہ پر جنگ ہو گئی جیسا کہ مہلک ہتھیاروں کی ایجادات راکٹ و میزائیل کی دوڑ ایٹمی اور مہلک ہتھیاروں کی ایجادات نے اُسے ناگریز بنا دیا ہے تو ایسی صورت میں جرمنی تو تختۂ مشق بنے گا۔ لیکن دُنیا کو کمیونسٹ اور سرمایہ دار سامراجیت سے ہمیشہ کیلئے نجات مل جائے گی اور یورپ کی تمام ترقی و تہذیب کا ایٹمی دھماکوں سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جانا ناگریز ہے۔ ان دو بڑی قوتوں کے زوال کے بعد دُنیا میں بڑی طاقت بننے کا حصہ ایشیا کی اقوام کے زمرہ میں آتا ہے۔ ایک طرف چین دنیا کی بڑی طاقت ہوگی۔ اور

تو تباہی بربادی جنگ کی ہولناکیوں اور مختلف قومی ریشہ دوانیوں کی بجائے انسانیت کا اعلیٰ مقام دے سکتا ہے۔ کیونکہ موجودہ مہذب و ترقی یافتہ اقوام غالب بھی انسان کو معراجِ انسانیت سے ہمکنار کرانے میں ناکام رہی ہیں۔ اس لئے اب یہ خواب مسلمانوں کے ہاتھوں ہی شرمندۂ تعبیر ہونا ممکن ہے اس کے لئے مسلمانوں کی قوت کا یکجا ہونا اور اسلام کا سیاسی، اقتصادی نظام نافذ کرنا اور مسلم بلاک میں اسلامی نظام کا نافذ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ جب کوئی قوم رائج الوقت نظریات کے مقابلہ میں اس سے بہتر نظام پیش کرے تو اس کی کامیابی کا دارومدار پہلے اس پر خود عمل پیرا ہو کر ممکن ہے۔ اور اگر اس طرح کامیابی نصیب ہوئی تو موجودہ دور کے منفی نظریات و افکار نئے نظام کے سامنے خس و خاشاک کی طرح اڑ جائیں گے۔

بیسویں صدی کے چند مفکرین مغربی اقوام کی استعماریت کے خلاف اس نتیجہ پر پہنچے کہ شاید کمیونزم ہی موجودہ دور میں دنیا مسائل کا حل پیش کر سکتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض مسلم مفکرین بھی اس نظریہ سے متاثر ہو کر کمیونزم کے اقتصادی نظام کی افادیت کو اسلامی نظامِ معیشت کے ہم آہنگ قرار دیتے ہیں۔ بلکہ بعض تو یہاں تک جا پہنچے کہ مارکس کی عظیم تصنیف "کیپیٹل" کے نظریات کو قرآنی آیات پر منطبق گردانتے ہیں۔ اس طرح کی تشریح اور من گھڑت تاویلات سے اُن کا مقصد اسلامی ممالک میں کمیونزم کے لئے راہ ہموار کرنا ہے۔ تاکہ صدیوں بعد انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کر کے خود دُنیا پر اسلامی نظام کی افادیت ثابت کرنے کی بجائے اُس سے فرار اختیار کر کے کمیونزم کی گود میں جا پڑیں۔ اگر اس ذہنیت کا بروقت مقابلہ نہ کیا گیا اور طاغوتی طاقتیں اسی طرح برسرِ پیکار رہ کر کامیاب ہو گئیں تو نیا انقلاب تاریخ انسانیت

صرف مذہب اسلام کی طرف لوٹنے اور اُس کے سیاسی معاشی و معاشرتی اصولوں کو اپنا کر ہی ممکن ہے جو کسی قومی اتحاد یا نیشنلزم کے نعرہ سے ممکن نہیں۔ مثلاً جمال عبدالناصر صدر متحدہ عرب جمہوریہ کا عرب نیشنلزم کا نعرہ "عرب پہلے اور مسلمان بعد"۔ اسلامی برادری اُخوّت اور یک جہتی کے عین نقیض ہے۔ کیونکہ اسلام نے کبھی عربی یا عجمی (قومیت) کو اسلام پر ترجیح نہیں دی۔ بلکہ مسلمان ہونے کو ہی فضیلت بخشی ایک لمحہ کے لئے اگر اس سے صرفِ نظر کیا جائے تو عرب نیشنلزم سے مراد یہ ہوئی کہ عرب میں رہنے والے مسلمانوں کے علاوہ عیسائی، یہودی اور غیر مسلم بھی صرف وہ خطۂ عرب میں رہنے کے سبب دیگر اسلامی ممالک کے مسلمانوں سے فضیلت حاصل کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں! پس تمام مسلمان پاکستانی ہوں۔ یا الجیرین، یا افریقی ہوں یا انڈونیشی، ملائی ہو یا عربی۔ ایک ہی لڑی میں پروئی ہوئی "امتِ مسلمہ" ہے اور صرف اسی اسلامی برادری اُخوّت اور یک جہتی کے نظریہ کے تحت دُنیا میں اِسلامی بلاک قائم ہو سکتا ہے۔ قومی تنگ نظری و خود نظری و خود غرضی چند مسلم ممالک کو دُنیا میں بڑی طاقت نہیں بنا سکتی۔ مثلاً تمام عرب ممالک کی طاقت مل کر بھی صرف ایک اسلامی ملک پاکستان کے برابر نہیں ہو سکتی تو کس طرح عرب ممالک اپنی قومیت کے بل بوتے پر عرب نیشنلزم کے جھنڈے تلے دنیا میں بڑی طاقتوں کو سرنگوں کر سکتے ہیں۔ لیکن تنگ نظری و تعصب کے اس نعرے سے ہٹ کر تمام دنیائے اِسلام کی برادری اور اخوت کے جذبہ کے تحت تمام اسلامی ممالک کو ملا کر ایک بلاک کا قیام تمام ایشیا و افریقہ کو روسی و سامراجی طاقتوں کی دست برد سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اور یہی مسلمانوں کا اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کا واحد حل ہے۔ صرف اسلام کے پاس ایسا ذخیرۂ افکار ہے جو اس دُنیا میں مسلمانوں

پڑنے دی جاتی۔ بلکہ حکومت خود تمام املاک، دولت اور زمین وغیرہ ضبط کر کے سرمایہ دار کا وجود ختم کر کے اس کو ایک عام نوکر ملازم اور غلام کسان یا مزدور کی سطح پر لے آتی ہے۔ اور سب کو لازمی طور پر محنت مزدوری کر کے شکم سیری کا حکم دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اشتراکیت انسان کو اس زمین پر ایک برتر مخلوق نہیں سمجھتی۔ کیونکہ جب ہم کمیونزم یا اشتراکیت کے کارناموں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ اس سے نہ تو تقسیم دولت کا کام صحیح طور پر انجام پا سکا اور نہ انسانیت کو کوئی معراج نصیب ہو سکا بلکہ اشتراکیت نے روٹی کی خاطر وہ چیز انسانیت سے چھین لی جس کے سبب اسے اللہ تعالیٰ نے اس کو اشرف المخلوقات کا لقب دیا تھا۔ کیونکہ نظریہ کمیونزم عورت و مرد کو برابر کا درجہ اس طرح دیتا ہے۔ کہ کوئی مرد اپنی عورت کو صرف اپنی ہی زوجیت کے لئے مجبور نہیں کر سکتا۔ اُن کے خیال میں اس سے بھی ملکیت کی بو آتی ہے کیونکہ وہ حکومت کی ملکیت متصور ہوتی ہے اس لئے ہر فرد کا اس پر حق ہے ناجائز اولاد پیدا ہونے کی صورت میں اُس پر کوئی حرف نہیں آتا بلکہ ریاست کے بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے۔ اسی ذلیل حال سے متاثر ہو کر کسی روسی مصنف نے اسی آئیڈیل اشتراکی سوسائٹی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے " شراب خوری اور زنا کوئی قابل شرم نہیں۔ گناہ کوئی چیز نہیں۔ " محبت کرنا " " خوب پینا " اور عورتوں کا تعاقب کرنا خاصہ مردانگی ہے ——— ایک فطری جذبہ ہے اور جو چیز فطری ہو گناہ کیسے ہو سکتی ہے "۔

(صفحہ ۲۵ " اشتمالی سماج " مکتبہ عرفان حیدرآباد دکن)

اس طرح جو چیز قیام اشتراکیت کی جدوجہد میں مددگار ہو وہ پاکیزہ ہے اور ہر وہ چیز جو مانع ہو وہ شدید اور عظیم ترین برائی ہے اس سلسلہ میں خود لنین Lenin

میں دولت اور غلامی کی بدترین شکل ہو گی ـــــــ سُرخ اقتصادی نظام جو کہ مغربی سرمایہ داری نظام کے مقابلہ میں پیش کر کے دُنیا میں غربت و افلاس کا حل اُس سے ممکن دکھایا جاتا ہے اس کا اصل مقصد دنیا کے مفلس افراد کو سرمایہ داری نظام کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا ہے۔ تاکہ انقلاب برپا کر کے کمیونزم کو مسلط کر دیا جائے

اسلام کا اقتصادی نظام دنیا کی غربت و افلاس کا حل کشت و خون" یا Divide and Rule" کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر نہیں پیش کرتا۔ بلکہ امن اور انصاف کے تقاضوں کی روشنی میں چند اچھوتے اُصُولوں پر گامزن ہو کر دنیا سے غربت و افلاس دور کرنے کا داعی ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا نظامِ معیشت ہے جو کہ نہ تو موجودہ سرمایہ داری اصولوں پر استوار ہے اور نہ کمیونزم کے پیش کردہ اقتصادی نظام (Economic order) پر بلکہ ایک متوازن Balanced نظریہ پیش کرتا ہے ـــــــ

اسلامی اقتصادی اصُولوں کو سمجھنے سے بہتر ہوگا کہ پہلے کمیونزم کے نظریہ کو سمجھ لیا جائے۔

کمیونزم دو نظریات پر مشتمل ہے۔ ایک تو فلسفہ کمیونزم (Philosophy of communism) جو کہ دہریت (atheism) کی بدترین شکل ہے کیونکہ اس میں خدا کے وجود رسالت سابقہ پیغمبران، الٰہی ضابطہ ہائے زندگی وجودِ جنت فرشتے اور حیات بعد مرگ وغیرہ سے انکار کر کے روحانی اقدار کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کرتا ہے ـــــــ دوسرا نظریہ کمیونزم کا اقتصادی نظام (Economic order) ہے جس میں تقسیم دولت پر بحث کی جاتی ہے اس نظام کے تحت تمام ذرائع آمدنی means of production حکومت کے تحویل میں ہوتے ہیں اور اس طرح کسی کے پاس دولت فاضلہ (surplus wealth) جمع نہیں

نظام کو بھی جاری و ساری کر سکتے تھے۔ جب خود نیچرل طور پر انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے مساوات قائم نہیں رکھی یعنی کوئی سیاہ ہے کوئی سفید کوئی لمبا ہے کوئی ٹھنگنا ہے کوئی خطہ گرم ہے کوئی سرد کائنات میں چمکتے دمکتے ستارے و سیارے غرض اس دنیا و مافیہا کی کوئی چیز ایک جیسی نہیں تو مادی مساوات چہ حقیقت دارد؟ —— ہاں الٰہی قانونِ عمل ضرور ایک ہے۔ کیونکہ دین ایک ہی راستہ دکھاتا ہے جس پر گامزن ہونے کے لئے تمام مخلوق کو ایک ہی ضابطۂ حیات و لائحہ عمل دیا گیا۔ اُن کے سامنے انسانیت کی ایک معراج رکھ دی گئی جہاں بلاتمیز رنگ و نسل پہنچنا ہے۔ اس معراج کے حصول کے لئے انسان جو کچھ جد و جہد کرتا ہے اور جو ذرائع اختیار کرتا ہے اُسی کے لئے جزا و سزا مقرر ہے —— اس نظام میں امرا بھی ہیں اور غربا بھی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ذرائع فراہم کرتا ہے۔ حتیٰ کہ قرآنی احکامِ الٰہی" Divine guidance" کہیں بھی اقتصادی مساوات کا درس نہیں دیتے۔

"سب فضل و کرم اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے"۔ (سورۂ آلِ عمران آیت ۷۳)

"کہہ دیجئے بے شک فضل (وکرم) اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے وہ عطا کرتا ہے"۔

ہر مسلمان کو حکم ہوا کہ جستجو اور جد و جہد سے وہ خود فضل تلاش کرے اور جتنی سعی کرے گا اتنا پائے گا۔ لیکن جس کو مال و دولت عطا کیا گیا قرآن اُس کے جائز استعمال کا سبق سکھاتا ہے۔ کیونکہ بے یار و مددگار بے سہارا غربا و مساکین کے لئے اُن کی دولت پر زکوٰۃ واجب کی گئی۔ اس کے علاوہ بھی اگر دین و اسلام کی سربلندی کے لئے ضرورت درپیش ہو وہی امرا اپنی دولت بخوشی و رغبت حتی الوسع فراہم کریں۔ کسی آڑے وقت میں بھی حکومت کبھی اِس قسم کی اعانت جبراً وصول نہیں کرتی یا املاک

ایک جگہ اشتراکیت کی تعریف اِن الفاظ میں کرتا ہے: "ہم ہر اُس اخلاق کو روکتے ہیں جو مافوق الفطرت تخیلات و افکار جو طبقاتی تصورات سے ماورا ہو ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ اخلاق تابع ہے طبقاتی جنگ کے مفاد کا —— ہر وہ چیز جو اخلاقاً جائز ہے جو قدیم اجتماعی نظم کو ہٹانے اور محنت کش عوام کو ایک کرنے کے لئے ضروری ہو۔ جس طبقہ کو اب تک لوٹا جا رہا ہے وہ جب اپنے دشمنوں کے خلاف جدوجہد کرے گا تو ایسی جدوجہد میں جھوٹ اور مکر و فریب کے ہتھیاروں کا استعمال ناگزیر ہوگا۔"

بس جس نظام کی بنیاد ہی اخلاقیات اور روحانیت سے پہلو تہی کرے وہ کسطرح کامیاب ہو سکتی ہے کیا آج اس خطہ میں جہاں روسی نظام پورے شد و مد سے نافذ ہے کیا انقلاب سے لے کر آج تک اتنے طویل عرصے میں کمیونسٹ روس میں عوام کو اقتصادی مساوات حاصل ہوئی؟ کیا تمام لوگ خروشیف سے لے کر ایک عام مزدور تک ایک ہی حیثیت کے حامل ہیں؟ کیا کمیونسٹ پارٹی کے افراد اور سوویت حکومت کے اربابِ حل و عقد یعنی صدر مملکت اور وزراء وغیرہ اور لیبر یونینوں کے ممبر (مزدور طبقہ) کا کھانا پینا، رہن سہن ایک ہی قسم کا ہے؟ —— چونکہ اس قسم کا مساوی نظام فطرت کے خلاف ہے اس لئے یہ ناممکن اور ناقابلِ عمل ہے جس کی مثال خود سوویت روس پیش نہ کر سکا تو اشتراکی انقلاب سے دوسرے ملک میں اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانا کیسے ممکن ہے؟ جوازاً مارکس اور لینن کی تھیوری و نظریات نیچر کی غیر مساوی تقسیم کی روشنی میں بھی پھیکے رہ جاتے ہیں —— حضرت آدمؑ سے لے کر نبی آخر الزمان تک اللہ تعالیٰ نے دین میں یا اسلامی معاشرہ میں اقتصادی مساوات کی صراحت نہ رکھی ورنہ جہاں پیغمبران دیگر احکام خداوندی کی تبلیغ کرتے رہے۔ اِس

تاریخ میں ایک ایسا دور پیش کر چکا ہے جبکہ اسلامی معاشرہ میں غربت و افلاس کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ امرا اور رؤسا زکوٰۃ و صدقات لے کر گلیوں اور کوچوں میں تلاش میں نکلتے تھے لیکن کوئی حاجت مند اُس کو لینے والا نہ ملتا تھا یہ اسلامی اقتصادی نظام کی افادیت کا بین ثبوت ہے کیونکہ سرمایہ دار کی دولت و املاک پر پابندی عائد کئے بغیر غریب مزدور یتیم، لاچار بے کس اور بے سہارا کسی کی حاجت ایسی نہ تھی جو پوری نہ ہوتی ——— اگر آج بھی امرا و رؤسا اپنے سرمایہ کا چالیسواں حصہ (۲½ فیصد) ہر سال نکالیں تو غربت و افلاس کی شکل کسی معاشرہ میں نظر نہ آئے گی۔ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اگر آج رؤسا زکوٰۃ نہ ادا کریں۔ تو اُن سے اسی طرح زبردستی وصول کی جائے گی جس طرح حضرت ابوبکرؓ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف اعلانِ جہاد فرمادیا تھا۔

اِسی طرح اسلامی ریاست اراضی کی ملکیت کو بھی کنٹرول نہیں کرتی بلکہ زمینداری کا پورا حق عوام کے زمیندار طبقہ ہی کو حاصل ہے۔ اسلامی حکومت مفتوح زمینوں تک کو اپنے قبضہ میں نہ رکھتی نہ مجاہدین میں تقسیم کرتی بلکہ وہ زمینیں زمیندار طبقہ ہی میں رہنے دی جاتیں۔ اس طرح سوشلسٹ نظریہ کے برعکس اسلام میں ذرائع پیداوار (Means of Production) پر کسی قسم کی اجارہ داری نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ پیدا ہو اُس پر ٹیکس عائد ہوتا ہے اور یہ ٹیکس بھی صرف اسی قدر ہوتا جس سے زمینداروں کی حق تلفی نہیں ہوتی اور بیت المال سے حاجت مندوں کی خدمت بھی ہوتی رہتی ہے۔

چونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جہاں وہ مذہبی عقائد و عبادات کا حکم دیتا ہے وہاں وہ سیاسی، معاشی، معاشرتی اور سائنسی پہلو سے بھی انسان کی راہنمائی

ضبط نہیں کرتی۔ اس طرح امراء کی افادیت واضح ہو جاتی ہے کیونکہ اگر امراء نہ ہوں اور تمام لوگ پھوکٹ ہوں یا اقتصادی طور پر مساوی حیثیت کے حامل ہوں اور حکومت وقت کو یا اسلام کی سربلندی کے لئے کسی آڑے وقت میں مدد و اعانت کی ضرورت درپیش ہو یا جہاد و قتال کے لئے سرمائے کی ضرورت ہو اور قوم کے پاس اگر سرمایہ نہ ہوگا تو ضرورت کس طرح پوری ہوگی۔ پس یہی صاحب رزق اور صاحب دولت جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا کرتا ہے جو قوم حکومت یا اسلام کے لئے دولت کی قربانی کرتے ہیں سورۂ بقرہ آیت ۲۱۲ میں فرمایا گیا۔

"اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے"۔

پھر بنی اسرائیل آیت ۳۰ میں آیا ہے۔

"بلاشبہ آپ کا رب ہی جس کی روزی چاہتا ہے۔ فراخ کرتا ہے اور کم کرتا ہے۔ (جس کی چاہے)

پس آیاتِ بالا جیسی متعدد آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اقتصادی نظام میں سرمایہ دار کے لئے گنجائش رکھتا ہے۔ بلکہ اسلامی ریاست میں امراء و غرباء دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اس لئے حکومت نہ تو دولت فاضلہ ضبط کر سکتی ہے اور نہ غریبوں سے اُن کا خون کروا سکتی ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں امراء رؤسا جن کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت ہو وہ ملت میں سے مساکین، غرباء و حاجتمندوں کی مدد و اعانت کے لئے اپنی دولت کے منہ بند نہیں کرتا۔ اس طرح نہ صرف یہ لوگ بلکہ حکومت کا بیت المال بھی غربت و افلاس دور کرنے کی ہر ممکن سعی کرتا ہے۔ تاکہ معاشرہ میں ایک فرد شکم اور جبین سے ہو اور دوسرا پریشان خاطر نہ رہے یہ اسلامی نظام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں فرماتے " الفقر فخری "۔ اسلام کو سینے سے لگانے والے
زیادہ غربا ہی ہوں گی۔ وہ اسی لئے کہ اللہ تعالیٰ جسے دولت کی فراوانی عطا کرتا
ہے اس کا اس لحاظ سے بھی امتحان لیتا ہے کہ آیا اللہ کی دولت کا اُس نے جائز مصرف
کیا ہے یا نہیں۔ اسی لئے وہ جزا و سزا کا حقدار ہے۔ جس طرح اسلام رہبانیت نفس
کشی یا دنیا سے کنارہ کشی کر کے صرف اللہ کی عبادت کے لئے خود کو مخصوص کرنے کی
اجازت نہیں دیتا بلکہ دنیا داری میں پھنس کر اُس کو اپنے فرائض و احکامات فراموش
نہ کرنے کی تلقین کی گئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

" تمہاری مال اولاد تمہارے لئے آزمائش (فتنہ) ہے"۔ اُسی طرح اسلامی
نظام میں دولت کے جائز مصرف یا ذخیرہ اندوزی کو آزمائش قرار دیا گیا۔ جس پر
خود عوام کو عمل پیرا ہونا ہے حکومت کی بے جا مداخلت کی اجازت نہیں۔ پس اسلامی
نظام کے لئے جس طرح ایک حکومت کا ڈھانچہ ضروری ہے اور اس کے تحت ایک نظام
عدلیہ کا نظام کارفرما ہوتا ہے۔ اُسی طرح معاشی نظام بھی جاری و ساری ہوتا ہے۔
اس نظام میں ایک سرکاری بیت المال ہوتا ہے جس میں بوقت ضرورت اور ہر
سال قوم کا ہر فرد جس کے پاس اتنی مال و دولت ہے (اُس کی ضروریاتِ زندگی سے
کچھ زیادہ ہے) تو اُس کو فاضلہ دولت کا ڈھائی فیصدی حصہ بیت المال میں ادا
کرنا ہوگا۔ جو کہ غرباء و مساکین کے لئے ایک قسم کا ٹیکس ہے ——— حکومت
سرمایہ داروں، صنعت کاروں اور زمینداروں کی صحیح آمدنی و اخراجات کا
حساب لگا کر اگر وہ ایمانداری سے زکوٰۃ ادا نہ کریں تو حکومت اُن سے جبراً زکوٰۃ
وصول کر سکتی ہے۔ معاشرہ میں قوم کے غربا و مساکین طبقہ کی حالت بہتر بنانے کی

کرتا ہے۔ معاشی نظام کے تحت وہ عام سرمایہ کاری محنت ومشقت اور مقابلہ کی کھلی اجازت دیتا ہے جن کے پاس ضرورت سے زیادہ کچھ بھی ہو خواہ وہ چاندی سونے ہیرے جواہرات زیورات غلہ کپڑا کسی بھی صورت میں ہو اُس پر اپنی مرضی سے ٹیکس ادا کرتا ہے۔ ایمرجنسی حالات میں وہ مقررہ شرح سے بڑھ کر جتنی چاہے قربانی وخیرات کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی تمام دولت بھی پیش کر سکتا ہے جس طرح کہ دورِ رسالت میں جنگِ یرموک کے جہاد کے موقعہ پر ایک صحابی نے اپنی تمام دولت پیش کر دی تھی۔ اور دیگر صحابہ نے بھی حسبِ توفیق عطا کیا تھا۔ اگر اسلام میں دولتمند طبقہ نہ ہوتا تو ہزارہا موقعوں پر اسلام کی خدمت کس طرح ہوتی رہتی ؟ اور خود قرآن کی رُو سے بھی اللہ تعالیٰ اس جائداد سرمایہ رزق زمین، جائداد وغیرہ کی تقسیم صرف اُسی کنبہ ہی میں مخصوص رکھتا ہے صرف اُس کے جائز وارثان ہی اُس کے صحیح حقدار ہو سکتے ہیں۔ حکومتِ وقت کو ضبط کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسی لئے وراثت کے قانون کو اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے اس نظامِ وراثت کی بابت ایک جگہ پروفیسر میکسٹائن لکھتا ہے۔

"اسلام کے قانونِ وراثت میں ہمیں وہ احکام ملتے ہیں جن میں اُن سب کے حقوق پوری طرح ادا ہو جاتے ہیں جنہیں فطرت نے ہمارے دلوں کے قریب کر دیا ہے اور جو ہماری محبتوں کے مراکز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ عادلانہ، منصفانہ، اور متوازن نظام کا تصور بھی ذہنِ انسانی کے لئے ممکن نہیں۔"

پھر اگر سرمایہ داری کی اجازت ہوتی تو اسلام میں زکوٰۃ کا نظام کیوں جاری ہوا تھا؟ اگر اسلام میں ذاتی املاک کا تصوّر نہ ہوتا یہ عظیم الشان قانون وراثت بے معنی وارد؟ اور اسی طرح اگر اسلامی سوسائٹی میں امراء اور غرباء کے دو طبقے نہ ہوتے تو

لانا ہو گی۔ کیونکہ ان کو بند کر دینے سے ملکی معیشت اور کاروبار پر سخت دھکا لگے گا۔
اس لئے تمام بنک اسلامی ریاست میں کچھ بنیادی تبدیلیوں کے ساتھ اسی طرح کام کرتے رہیں گے ——— سود کی بجائے منافع کی شکل قائم کی جائے گی۔ جتنا روپیہ قوم بنک میں رکھے گی۔ اس کو بنک ایمانداری اور نیک نیتی کے ساتھ منافع والی تجارت میں لگائے گا۔ اس طرح جو پچاسوں جگہ سرمایہ کاری ہو گی۔ کسی ایک دو جگہ نقصان کا احتمال ہو سکتا ہے ورنہ عموماً نفع ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس نفع کا مستقل حساب رکھا جائے گا اور یہ منافع تمام کا تمام خواہ سابقہ مقررہ شرحوں سے کم ہو یا زیادہ پورا کا پورا حصہ داروں میں اُن کے سرمائے کی مناسبت سے خرچ وغیرہ ادا کر کے ادا کیا جائے گا۔ اور اس طرح یہ منافع حلال ہو گا۔ اور اس اصول کے تحت کام کرنے والے بنک اسلامی معیشت کا لازمی جزو ہوں گے۔ ——— غیر ممالک یا بین الاقوامی فنڈ سے اسلامی حکومت قرض صرف اسی وقت لے گی جب کوئی اُسے قومی اضطراری ضرورت درپیش ہو گی۔ جس سے قوم کو مستقل فائدہ پہنچے۔ ایسی صورت میں اگر حکومت کو بین الاقوامی قرض ادا کرنے کی صورت میں اصل رقم سے زائد رقم ادا کرنا پڑے تو قومی معیشت و ملت کی بہتری کے لئے یہ قرض لیا جا سکتا ہے۔

انشورنش موجودہ دور کی اہم ضرورت اس لئے اسلامی نظام میں انشورنش کو مطلق نظر انداز نہیں کیا جا سکتا گو اسلامی نظام معیشت میں چند بنیادی تبدیلیاں کر کے ہی اس کی اجازت دی جا سکتی ہے چونکہ آج اگر ایک شخص کچھ پیس انداز کر لیتا ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد اُس کے بیوی بچے اس سے استفادہ کر سکیں اور معاشرہ یا حکومت پر بوجھ نہ بنیں اور اسلامی ریاست بھی اتنی بڑی آبادی

ذمہ داری حکومت کے سر ہوتی ہے اس کے علاوہ معذور، بے کس و بے سہارا، یتیم بے بس و بیواؤں کے لئے وظائف ادا ہوتے ہیں۔ اس طرح جب مخیر حضرات ایک طرف اپنے طور پر اور دوسری حکومت قوم کے حاجتمندوں کی مدد کرے گی۔ تو تھوڑے ہی عرصہ میں اسلامی ریاست کا ہر فرد اس قابل ہو سکے گا کہ حقداروں کو ان کا حق پہنچاتا رہے تاکہ وہ معاشرہ پر بوجھ نہ بن سکے۔

اسلامی ریاست کے قیام کے بعد موجودہ ضروریات وحالات کے تقاضوں کے تحت بنک اور انشورنس کمپنی کا وجود بھی ضروری ہوگا۔ اس کے علاوہ غیر ممالک یا ورلڈ بنک سے شرح سود پر قرض لینے کے مسائل بھی پیش آئیں گے۔ چونکہ اسلام میں سود بالکل حرام قرار دیا گیا ہے لہٰذا اسلام کے اقتصادی نظام میں جہاں سرمایہ داری کی ضرورت ہے وہاں قرآن ان پر پابندی بھی عائد کرتا ہے کہ اگر وہ حاجتمندوں کو قرض دیں۔ تو وہ ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اصل رقم سے زائد رقم وصول نہ کریں بلکہ اگر مقروض تنگدست ہو تو رقم تک معاف کر دی جائے تو قرض دہندہ کا اجر اللہ کے پاس ہے۔ اگرچہ بنکنگ وانشورنس کے موجودہ سسٹم میں مسلمان جو اپنا سرمایہ لگائیں گے۔ ان کو بنک سے شرح سود قرض لینا اسی طرح حرام ہے جس طرح ایک یہودی روپے دے کر سود وصول کرتا تھا۔ گو بنک کی صورت اس طرح کے قرض کی لین دین سے مختلف ہے کیونکہ بنک تو لوگوں کی جمع شدہ رقموں سے تجارت کرتا اور نفع کماتا ہے۔ اور اسی منافع میں سے پھر وہ سرمایہ داروں کو منافع ادا کرتا ہے۔ لیکن اس کی موجودہ شکل یعنی حساب داروں کے لئے اُن کو ایک مقررہ شرح پر سالانہ منافع یا سود ادا کرنا ہے اس کی اسلامی نظام میں اجازت نہ ہوگی۔ موجودہ بنکنگ سسٹم میں تھوڑی سی تبدیلی

کی علیحدہ فروخت کی صراحت ہو سکتی ہے۔ لیکن دلالی اور ناجائز کمیشن وغیرہ کی اجازت نہ ہوگی۔ کاروبار میں آزادانہ مقابلہ کی اجازت ہوگی۔ کسی گروہ یا طبقہ کی کسی خاص چیز پر اجارہ داری کی اسلامی نظام اجازت نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ ریل بسوں صنعت یا راشن ڈپو وغیرہ پر بھی حکومت اپنی اجارہ داری قائم نہیں رکھ سکتی۔ حکومت کسی پیداوار کی خود ایک قیمت مقرر کر کے جبراً خرید کر غیر ممالک کو برآمد نہیں کر سکتی۔ اس طرح تجارت صنعت و حرفت وغیرہ میں افراد کو ہر قسم کی کاروباری آزادی ہوگی۔ گو حکومت اُن کے منافع یا خرید و فروخت پر جائز ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔

اسلامی ممالک کی دولتِ مشترکہ

(کنفڈریشن Confederation)

کنفڈریشن مختلف با اختیار و با اقتدار ریاستوں کی ایسی یونین کو کہتے ہیں۔ جو کسی ایک ہی نظریہ یا حصولِ مقاصد کے لئے معرض وجود میں آتی ہے۔ سب سے اہم خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اس یونین کی ممبر ریاستوں کے اقتدارِ اعلیٰ (Sovereignty) پر حرف نہیں آتا اور وہ اپنے اپنے علاقوں میں مکمل خود مختار حیثیت برقرار رکھتی ہیں۔ نیز یونین سے علیحدہ ہو جانے کا اختیار بھی ہوتا ہے۔ یہی وہ اختیار اور اقتدارِ اعلیٰ کا وجود ایک کنفڈریشن کو ایک فیڈریشن سے ممیز کرتا ہے۔ یہاں کنفڈریشن سے ہماری مراد ممبر ممالک کی ایک ایسی دولت مشترکہ ہے جو صرف ایک ہی آئیڈیالوجی کے پیروکار اپنے چند مشترکہ مقاصد و نظریات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وجود میں لائیں ——— گو اس وقت دنیا میں ایسی کنفڈریشن کی کوئی مثال موجود نہیں ہے البتہ سابقہ ادوار

میں کہاں تک ایک شخص کی دیکھ بھال کر سکتی ہے۔ اس لئے انشورنس سسٹم اسلامی معاشرہ میں بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن انشورنش کی موجودہ شکل جوئے کی سی ہے اور اسلام میں جؤا و سٹہ وغیرہ کی مطلق اجازت نہیں۔ اس لیئے اسلام اس پر پابندی عائد کرتا ہے اسلامی نظام میں انشورنش کی یہ شکل ہو گی کہ لوگ کسی ادارہ کو اپنی ضروریات سے بچا کر رقم ادا کرتے رہیں گے اور اس سرمایہ کاری سے یہ ادارہ تجارت کرے گا اور منافع کماتا رہے گا۔ کسی ممبر کی موت ہو جانے کی صورت میں ادارہ اس کی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیئے اُن کی ضروریات قطع نظر اس کے کہ مرحوم نے کتنی رقم جمع کی اُن کی ضرورت برابر پوری کرتا رہے گا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے۔

پس بنک اور انشورنس سسٹم میں Pooling of the resources اسلامی نظام معیشت کا اہم جزو قرار پائے گا۔

اسلامی نظام معیشت میں کسی شخص کی مجبوری سے سرمایہ دار کو ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ ہو گی۔ سرمایہ دار صنعتیں کھول کر اور زمیندار اپنی زمینیں مزارعین کو دے کر اور کارخانہ دار وغیرہ افراد معاشرہ کو کام مہیا کریں گے۔ جس کے لیئے انہیں معقول معاوضہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو ہر قسم کی سہولت بھی مہیا کی جائے گی۔ اور اگر دوران ملازمت ملازم کو نقصان پہنچتا ہے تو اس کا معاوضہ ادا ہو گا۔ کاروباری سلسلہ میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے کوئی مکان یا دوکان وغیرہ منتقل کرنے کے سلسلہ میں ناجائز رقم کی لین دین پگڑی کی جیسی لعنت کی اجازت نہ ہو گی۔ البتہ کاروبار میں فروختگی کے سلسلہ میں اس کی مقبولیت کا معاوضہ یعنی good will

جغرافیائی حالات کے مندرجہ بالا خصوصیات کا سہارا لئے بغیر معرض وجود میں آئی ہیں یا آسکتی ہیں آخر وہ کیا چیز ہے جو نسل، زبان اور مذہب کی ہم آہنگی کے بغیر قوموں کو متحدہ کر کے ایک فیڈریشن بنانے پر اکساتی ہے یہ ہے اُن قوموں کا ایک سیاسی اور تاریخی پس منظر یعنی سابقہ دور میں وہ ایک ہی قسم کی تاریخی و سیاسی کشمکش کا شکار رہے ہیں یا کسی ایک آئیڈیالوجی پر متفق ہو کر اپنے دیگر تنگ نظری پر مبنی تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر جدوجہد میں برسر پیکار رہے ہوں اور آخر حالات کے دھارے نے ان کو ایک ہی قوم بننے پر مجبور کر دیا ہو۔ پس سابقہ سیاسی و تاریخی ہم جو مختلف ذہنوں میں یکسوئی اور ہم آہنگی پیدا کرتی ہے یا جو قومیں ایک ہی آئیڈیالوجی پر عمل پیرا ہوتی ہیں اُن کا آگے چل کر متحد ہو جانا ایک فطرتی فعل ہوتا ہے۔ اور اس بنیاد پر جو فیڈریشن بھی بنے گی یا کوئی نظام استوار ہو گا وہ دیگر تمام نظاموں سے افضل اور پائیدار ہوگا۔ موجودہ دور تک تمام نظریات یا ازم وغیرہ کی ناکامی کا اصل سبب یہی ہے کہ اُن نظاموں میں مختلف اقوام متحد تو کر دی گئیں لیکن چونکہ ان کے سامنے کوئی آئیڈیالوجی یا سمجھ نظر نہ ہونے کے سبب انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اور صرف رنگ نسل، زبان یا مذہبی عقائد کی بنا پر کوئی پائیدار سلطنتیں قائم کرنے میں ناکام رہیں۔ لیکن کسی ایک آئیڈیالوجی پر استوار نظام نے اسی نظریہ پر متفق قوموں کو ایک سیسہ پلائی دیوار بنا کر پیش کیا۔ جس کے مقابلہ میں دیگر سلطنتیں ناکامی کا شکار ہوتی رہیں۔ اسی ایک ہی آئیڈیالوجی پر استوار سب سے نمایاں مثال خود جنگ عظیم سے قبل تک خلافت اسلامیہ تھی۔ چونکہ اسلام محض چند رسومات نہیں بلکہ ایک آئیڈیالوجی ہے جو ایک ریاست میں مذہبی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی تمام نظریات میں یکسوئی پیدا کر کے ایک مکمل

میں سوئیٹزرلینڈ کی (Cantones) اور امریکہ کی State نے مل کر پہلے اسی قسم کی کنفیڈریشن کی بنیاد ڈالی تھی۔ جس میں ہر صوبے یونٹ یا اسٹیٹ کو مکمل خود مختاری حاصل ہوتے ہوئے اِس یونین کا ممبر بنایا گیا لیکن بعد ازاں ایک کلی مختار ریاست میں اُن یونین ممبروں کو نیم مختار حیثیت دے کر اُس تنظیم کو ایک فیڈریشن کی شکل دے دی گئی۔ اس طرح ان یونٹوں (Component parts) کی اپنی جداگانہ حیثیت ختم کر کے صرف ایک ہی خود مختار ریاست کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی ——— اسی طرح فیڈریشن بنانے کے لئے بعض علاقوں کے لوگ مذہبی اعتبار سے متحد ہو جاتے تقسیم ہند کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ہی زبان بولنے والے لوگ جن کا رہن سہن اور کلچر ایک سا ہو متحد ہو کر فیڈریشن بنا لیتے ہیں تیسری شکل اس کی یہ ہے کہ وہ ایک ہی رنگ و نسل لوگوں کو اپنی علیحدہ فیڈریشن بنانے پر مجبور کر دے سابقہ ادوار میں یہی وہ تین شکلیں تھیں جن کی بنا پر ایک۔ فیڈریشن کی بنیاد پڑی تھی۔ لیکن انیسویں اور بیسویں صدی میں ایسی فیڈریشن بھی معرض وجود میں آئی جن کے بنانے میں رنگ و نسل زبان اور مذہبی عقائد کا سہارا نہ لیا گیا۔ جیسے آسٹریلیا، سوئیٹزرلینڈ، کینیڈا اور انڈیا وغیرہ وہ ممالک ہیں۔ جہاں ایک سے زیادہ سرکاری زبانیں بولی جاتی ہیں اور مختلف رنگ و نسل و مختلف مذہبی عقیدہ رکھنے والے اُس کے شہری ہوتے ہیں بسا اوقات ایک فیڈریشن کی ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جو جغرافیائی اعتبار سے ایک علیحدہ طبعی خطہ کی شکل میں موجود ہونے کے سبب وہ قدرتی طور پر ایک فیڈریشن کی شکل میں تبدیل ہو گئی ہوں جیسے لنکا، آسٹریلیا اور برصغیر پاک و ہند، لیکن موجودہ دَور میں ایسی خود مختار ریاستیں بھی پائی جاتی ہیں۔ جو رنگ و نسل، زبان، مذہب، کلچر اور

پڑا ہے اُن میں اوّل تو ادارۂ اقوام متحدہ ہے جو کہ اپنی بنیادی خامیوں اور ممبر ممالک کے آپس میں خلفشار کی وجہ سے League of Nations کے حشر کو پہنچنے والا ہے۔
—— دوسرے نمبر پر برطانوی دولت مشترکہ "Common wealth" ہے چونکہ ان کے سامنے کوئی ایک آئیڈیالوجی نہیں اس لئے ان کے لئے اصل مقصد حاصل کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ ایک غیر جانبدار ادارہ ہونے کی بجائے مغربی طاقت کا آلہ کار اور اُس کے حاشیہ بردار ممالک کے ہاتھوں کھلونا بن چکا ہے۔ اس لئے جبکہ خود اس کا پلہ ایک طرف جھکا ہے تو یہ مشرق و مغرب کی ترازو کو سیدھا رکھنے میں کوئی پارٹ کیسے ادا کر سکتا ہے؟ —— یہ مقام کسی حد تک غیر جانبدار (Neutral) ممالک حاصل کر سکتے تھے لیکن یہ ممالک بھی صحیح معنوں میں غیر جانبدار نہیں اور نہ تمام غیر جانبدار ممالک کسی مسئلہ پر بھی ہم آہنگ و ہم خیال ہیں۔ اس پر ستم یہ بھی کہ نہ تو کوئی اس کی تنظیم ہے اور نہ ہی تاریخی و جغرافیائی اعتبار سے وہ ایک طاقت یا بلاک بن سکنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

مشرق اور مغرب کی نظریاتی کشمکش کے مقابلہ میں صرف ایک ہی آئیڈیالوجی پیش کی جا سکتی ہے جو ضرورتوں کے عین تقاضے کے مطابق اُس خلیج کو پر کر سکتی ہے جس کی عرصہ سے ضرورت ہے۔ یہ آئیڈیالوجی ہمیں صرف اسلام سے مل سکتی ہے چونکہ اسلامی ریاستیں اپنے ایک نظریاتی لگاؤ کے سبب اسلامی آئیڈیالوجی کو پیش نظر رکھ کر ایک ایسا بلاک بنا سکتی ہیں اور ان اسلامی ممالک کی ایک ہی لڑی جو کہ دنیا کے قلب میں واقع ہے ایک ایسی سیسہ پلائی دیوار بن سکتی ہے جو ایک طرف روس اور امریکہ کو ان کی حدود میں رکھ کر دنیا میں پائیدار امن قائم کرنے میں مدد دے سکتی ہے ورنہ دونوں طاقتوں کے بھڑ جانے کے بعد

ضابطہ حیات کے تحت ایک منظم اور پائیدار سلطنت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ جب تک مسلمان قوم اس آئیڈیالوجی کو اپنائے رہی۔ دنیا میں اُن کا خوف و دبدبہ طاری رہا۔ لیکن جونہی اپنے نظریات وافکار سے ہٹ گئے۔ تمام قوم کی شیرازہ بندی بکھر گئی۔ یہ اس آئیڈیالوجی کی شکست نہیں تھی بلکہ ملت اسلامیہ کی ذہنی اُپچ اور اپنے جدت پسند فکر کی شکست تھی جس کی وجہ سے پے در پے ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور آخر پھر اُسی آئیڈیالوجی کو اپنانے کی سعی اس دور میں شروع کرنا پڑی۔ اور یہی وہ تڑپ ہے جس کی بنا پر مسلم اکثریت کے علاقے یا تو آزادی حاصل کر کے اپنی علیحدہ مملکت قائم کر چکے ہیں اور یا اُسے حاصل کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا رکھی ہے ـــــــ اور دوسری آئیڈیالوجی جب پر مختلف قومیں متحد ہو کر ایک ایسی قوت بن چکی ہیں جس نے تمام دنیا کا چین اور سکون تلپٹ کر رکھا ہے۔ وہ اشتراکی آئیڈیالوجی ہے۔

اس دَور میں جبکہ دنیا دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہے اور ایک دوسرے کی جنگی دھمکیوں مہلک ایٹمی ہتھیاروں کی ایجاد اور راکٹ و میزائیل کی دوڑ نے دنیا کو ہولناک تباہی کے غار پر لا کھڑا کیا ہے کہ کسی وقت بھی ذرا سی چنگاری شعلہ بن کر تمام دنیا کی تہذیب ترقی اور تمدن کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دے گی۔ اس وقت کوئی بھی ایسی طاقت دُنیا میں موجود نہیں جسے ایسی حیثیت حاصل ہو کہ وہ دونوں بلاکوں کو سرد جنگ سے آگے بڑھنے نہ دے اس مقصد کے حصول کے لئے دنیا میں ایک ایسے تیسرے بلاک کی ضرورت ہے جو ان کے درمیان ثالث کی حیثیت اختیار کر کے ان دونوں مختلف گروہوں کی کشمکش اور نظریات کے ٹکراؤ کو روکے رکھے۔ گو موجودہ دَور میں اس تیسرے بلاک کی خلیج کو پُر کرنے کیلئے متعدد ادارے کوشاں رہے ہیں۔ لیکن انہیں بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا

حامل ہیں۔ لیکن عرصہ تک یہ صورت برقرار نہیں رہ سکتی کیونکہ یہ انقلاب کا دور (Era of Revolutions) ہے۔ حالات کا دھارا جس رخ بہ رہا ہے اُس میں اُن کا انجام کو پہنچنا ناگزیر ہے۔ اور تمام مسلم ممالک کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اس دور میں بالخصوص کمیونزم کے سیلاب سے بچنے کے لئے خود کو متحد کر کے ایک ناقابلِ تسخیر طاقت بن جائیں۔ گو عرب ممالک پہلے ہی عرب لیگ کے تحت متحد ہیں لیکن ہمیں قومیت، نسل یا عربی عجمی کا سوال اٹھائے بغیر مراکش سے انڈونیشیا تک واقع اسلامی ممالک کی کڑیوں کو ایک زنجیر میں پرو دینا ہے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خطۂ زمین کے عین سینے پر اسلامی ممالک کا سلسلہ ایک کہکشاں کی پٹی کی مانند ہے جس میں مراکش، الجیریا، لیبیا، متحدہ عرب جمہوریہ شام، سوڈان، سعودی عرب، اردن، عراق، کویت، ٹرکی، ایران، پاکستان اور افغانستان جیسی سلطنتوں کو جغرافیائی اعتبار سے ملا رکھا ہے اور یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ دنیا میں دوسری طرف اسلامی ممالک کی ایک اور لڑی شروع ہوتی ہے جن میں مشرقی پاکستان، انڈونیشیا ملایا وغیرہ شامل ہیں۔ یہ پُرشکوہ سلطنتیں قدرتی معدنی و زراعتی وسائل سے لبریز و زرخیز زمین کے مالک ہیں اور ان ممالک میں آباد قوم روحانی اعتبار سے ایک ہی ملت ہے جو دنیا کی سب سے بہادر و جنگجو قوم ہے جو آپس میں دوست اور ایک دوسرے کے ہمدرد اور تعصب و تنگ نظری سے بالا ہیں لیکن دُشمن کے مقابلہ میں فولاد ہیں۔ پس قدرت کی اتنی نعمتوں کے ہوتے ہوئے موجودہ دور میں مسلمانوں کی پاسبانی کے لئے ایک ہی حرم کا وجود میں لانا نہایت ضروری ہے کیونکہ تمام اسلامی ممالک بآسانی اسلامی آئیڈیالوجی پر استوار ایک اسلامک کنفیڈریشن یعنی اسلامی دولت مشترکہ

یہ بلاک غیر جانبدار رہ کر اُن کے زوال کے بعد عالمی طاقت بن سکتا ہے ـــــ تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ مسلم ممالک کو یکجا کرنے اور ان کی ایک کنفیڈریشن یا خلافت بنانے کی کوششیں متعدد بار ہوچکی ہیں لیکن اُس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی اور وہ اس مقصد کے حصول کے لیے مناسب وقت بھی نہ تھا۔ موجودہ دور میں جبکہ بیشتر مسلم ممالک آزاد ہوچکے ہیں اور اپنی خود مختاری کو برقرار رکھتے ہوئے وہ متحد ہو کر زیادہ طاقتور بلاک بنا سکتے ہیں۔ ان کے اس اتحاد سے دنیا کے دیگر خطوں میں بھی جہاں مسلمان آباد ہیں اور جنگِ آزادی لڑ رہے ہیں۔ ان کو نہ صرف نظریاتی طور پر مدد پہنچے گی بلکہ اسلامی بلاک سامراجی طاقتوں سے مسلمان قوم کو آزاد کرانے میں بہت بڑا پارٹ ادا کرسکتا ہے۔ اس طرح اُن کی آزادی کے بعد اسلامی دولتِ مشترکہ میں اُن کی شمولیت بھی اسلامی بلاک کو مزید مضبوط کر کے ایک عالمی طاقت بنانے میں مدد دے سکتی ہے۔ جس طرح انگریزوں نے امریکہ کے براعظم اور دیگر علاقوں پر قبضہ کر کے مذہبی مشنری کو حرکت میں لاکر اور اپنی سیاسی اور انتظامی صلاحیتیں بروئے کار لاکر بڑی طاقت بن گئے تھے اسی طرح آج مسلمانوں کے لئے بھی بالخصوص افریقہ کا براعظم ایک ایسا میدان ہے جہاں مسلمان تبلیغ اسلام کے بعد اس خطہ پر قبضہ کرکے یہاں کے تمام قیمتی مسائل سے پورا فائدہ اٹھا کر دنیا میں سب سے بڑی طاقت بن سکتے ہیں لیکن اس کے لئے تمام مسلمانوں کی مشترکہ جدوجہد کی ضرورت ہوگی۔ پھر آج جمال الدین افغانی اور اقبال جیسے مبلغین اور مجاہدین کی ضرورت درپیش ہے ـــــ افسوس کا مقام ہے کہ چند اسلامی ممالک کے سربراہ اسلامی حکومت کو صرف اپنی جاگیر سمجھ کر اپنی تنگ نظری و خود غرضی کی وجہ سے اسلام کی سربلندی میں

فوج بنا کر دنیا کو امن کی ضمانت دے سکتی ہے اور اپنی سالمیت برقرار رکھ سکتی ہے
اسلامی بلاک میں مسلمانوں کی یہ فوج ایک مشترکہ کمان کی صورت میں ہونی چاہیئے جس میں
ہر اسلامی ملک کے مجاہدین شامل ہوں اور تمام متحدہ ہو کر ہی اس مسلم ممالک کے پھیلے
ہوئے طویل علاقے کی حفاظت کریں۔ بالخصوص اس کے دونوں سروں پر زبردست
فوجی طاقت رکھنا ہو گی یعنی اسلامی دولت مشترکہ کے ایک طرف ترکی اور دوسری
طرف افغانستان و پاکستان دفاعی دیوار بنیں اور تمام اسلامی ممالک ان کی مدد
کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔ جدید ترین راڈر وائرلیس ٹیلی کمیونی کیشن ذرائع
مواصلات اور راکٹ اور میزائیل کے اڈوں (Base) وغیرہ جو جدید ترین
ہتھیار سے لیس ہوں تمام خطوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے ـــــ تیسرے
یہ کہ اسلامی دولتِ مشترکہ تمام مسلمانوں میں ایک ہی زبان کی ترویج کرے یہ زبان
بہر صورت عربی ہونی چاہیئے۔ ویسے بھی دنیا کے تمام مسلمان چونکہ اسے پڑھ سکتے ہیں اس
لئے اس کو سمجھ کر پڑھنے بولنے اور سکھانے کے لئے انگریزی یا فرانسیسی زبان جیسی مصیبت
مسلمانوں کو در پیش نہ ہو گی اور بہت قلیل عرصہ میں عربی دُنیا کی دوسری سب سے
بڑی زبان بن سکتی ہے۔ چونکہ یہ تمام مسلمانوں کی مادری زبان بن چکی ہو گی۔ اور اس
زبان سے بالخصوص وہ تمام خوبیاں اور صلاحیتیں موجود ہیں۔ جن سے اسے ایک عالمگیر
زبان آسانی سے بنایا جا سکتا ہے ـــــ چوتھے یہ کہ ہر علاقے کے مسلمانوں کو
ان کی معاشرتی اور سیاسی زندگی میں مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل ہو ۔ اور
دولتِ مشترکہ ان کی اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرے ـــــ ہر اسلامی
ملک اپنے طور پر پوری آزادی کے ساتھ تعلیمی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی

بنا سکتے ہیں۔ ان اسلامی ممالک میں سعودی عرب کے شاہ سعود متحدہ عرب جمہوریہ کے جمال عبدالناصر، نائیجیریا کے سر ابوبکر اور پاکستان کے صدر ایوب ایسی شخصیتیں ہیں جو اسلامی بلاک بنانے کے سلسلہ میں بہت بڑا ابتدائی کام سرانجام دے سکتی ہیں۔ شاہ سعود اور شاہ اردن نے دنیا کے تمام اسلامی ممالک کے سربراہوں کو اسلامی دولتِ مشترکہ بنانے کے لئے مدعو کرنے کا جو قدم اٹھایا ہے وہ قابل قدر ہے اور جو ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

اسلامک کنفیڈریشن کا ڈھانچہ

اس کنفیڈریشن کا اولین مقصد دنیا کے تمام مسلمانوں کو متحد کر کے ایک لڑی بنا دینا ہے تاکہ قومیت رنگ یا نسلی امتیاز وغیرہ کی کوئی رکاوٹ اس کی برادری میں حائل نہ ہو اور تمام دنیا کے مسلمان صرف ایک ہی "امت مسلمہ" (ملت) کہلا سکے — — — دوئم یہ کہ ملت اسلامیہ اپنی یکجہتی، اتحاد اور ایک دوسرے کی مدد و اعانت سے اپنے اپنے خطوں (یونٹوں) کے وسائل کو یکجا کر کے تمام ملت اسلامیہ کی بہتری اور فلاح کے لئے اُن کا صحیح مصرف کرے بلکہ ایک خطے کے مسلمان دوسرے خطے کے مسلمانوں کے خفتہ مسائل کی تلاش میں یا اقتصادی امداد میں یا جہالت دور کرنے میں یا غربت و افلاس اور بیماری دور کرنے میں معاون ہوتا کہ ان کو کسی غیر ملکی ملک سے کسی قسم کی امداد نہ لینی پڑے اور اسی طرح اپنی عناکو ٹھیس نہ پہنچنے دے۔ یہی جذبہ یکجہتی، ہم آہنگی اور اخوت مسلمانوں میں جو جذبہ جہاد پیدا کرتی ہے وہی ان کو دنیا میں زبردست

اسلامی ممالک کا چونکہ روحانی مرکز مکّہ ہے۔ اس لئے سکریٹریٹ کا ہیڈکوارٹر مکّہ میں رکھا جائے۔ جہاں ہر سال اسلامی ممالک کے سربراہوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوا کرے گی۔ جو دنیاوی مسائل پر غور و فکر کرکے مسائل حاضرہ پر اپنی رائے و مشورہ کنفیڈریشن کونسل کو روانہ کرے گی۔ یا کسی مدد کے سلسلہ میں اسلامی ممالک کے سربراہ اس سلسلہ میں کسی قسم کی درخواست رائے یا مشورہ اسی سیکریٹریٹ کے حوالہ کیا جائے گا۔ تاکہ اُسے کنفیڈریشن کونسل کے نوٹس میں لایا جائے اور اس پر فوری عمل درآمد ہو سکے۔

تمام اسلامی ممالک کے سفراء ایک دوسرے ممالک میں موجود ہوں گے ہر ملک میں ان کی بھی کانفرنس وقتاً فوقتاً منعقد ہوا کرے گی تاکہ کسی سیاسی مسئلے ایمرجنسی یا عالمی صورتِ حال کی بابت قرارداد پاس کرکے اپنے نقطہ نظر سے اُس صورت حال کی بابت سیکریٹریٹ کو آگاہ رکھے اور اس طرح ہر ملک سے اس قسم کی قرارداد رائے اور مشورے جو سیکریٹریٹ کو موصول ہوگا اُس سے سیکریٹریٹ کو ایک مشترکہ پالیسی بنانے میں ذرا دقت پیش نہ آئے گی۔ اور ہر وقت ایسی پالیسیوں کا اعلان کنفیڈریشن کا صدر کرتا رہے گا۔

۲۔ معاشی جس طرح اسلامی ملکوں کی سیاسی طور پر مشترکہ پالیسی ہوگی معاشی لحاظ سے بھی مسلمانوں کی غربت و افلاس دور کرنے کے لئے وسائل کا مشترکہ استعمال عمل میں لایا جائے گا۔ اسلامی کنفیڈریشن ایک معدنی وسائل کی کونسل بھی بنائے۔ جو تمام اسلامی ممالک میں تحقیق و ریسیرچ سے خفتہ وسائل تلاش کرے۔ اور اُس سے ملک کی معیشت بہتر کرنے کی کوشش کرے۔ اور

زندگی میں ترقی کے منازل طے کرتا رہے اور اپنے سے کمتر (backward) ممالک کے مسلمانوں کو جس میدان میں بھی ضرورت درپیش ہو ۔ خاطر خواہ مدد و اعانت کرتا رہے ——— پانچویں یہ کہ اسلامک کنفیڈریشن ایک ہی نظریہ اور آئیڈیالوجی کی مددگار رہو۔ اُس کے زیر اثر چند کام ہوں گے جو ایک مشترکہ پالیسی کے تحت سرانجام پائیں گے جس کا مقصد تمام علاقوں کے مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتا ہوگا۔ اور تمام علاقوں کے اقتدار اعلیٰ کی حفاظت کی یہ کنفیڈریشن ضمانت دے گی۔

کنفیڈریشن کا دائرۂ عمل اور اختیارات

سیاسی اس دولتِ مشترکہ کو کوئی خود مختار حیثیت (sovereign status) حاصل نہ ہوگی اور نہ کوئی ایسا قدم اٹھایا جائے گا جس سے کسی اور اسلامی ممالک کی سالمیت و خود مختاری پر اثر پڑے۔ یہ ایک آزاد تنظیم ہوگی جو کہ تمام اسلامی ممالک کی ایک ہی آئیڈیالوجی کی آئینہ دار ہوگی اور مشترکہ پالیسی پر عمل پیرا ہوگی۔ اس کنفیڈریشن کا صدر یا خلیفہ تمام اسلامی ممالک کی قانون ساز اسمبلیوں کے ووٹ سے کسی بھی ملک کا فرد منتخب ہو سکتا ہے۔ اس کی مدت مقررہ یا مستقل دونوں صورتوں میں ہو سکتی ہے اُس کو مشورہ دینے اور مشترکہ پالیسیوں کے اجراء کے لئے ہر ملک سے ایک ایک ممبر منتخب ہو کر ایک کونسل کا وجود عمل میں لایا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس کنفیڈریشن کی ایک مستقل سیکرٹریٹ ہوگی جس کے لئے ہر ملک مختلف پالیسیاں بنانے کے لئے اپنے سیکرٹری نامزد کرے تاکہ متحدہ طور پر متفقہ فیصلہ سے ایک پالیسی اختیار کرنے کے لئے کونسل کے سامنے سفارش پیش کی جائے

ہیں کہ اگر اُن کی صحیح معنوں میں تلاش کی جائے تو زمین مسلمانوں کے قدموں میں بے انتہا دولت بکھیر سکتی ہے۔ جتنی جلد ان خطوں کے خفتہ وسائل کو تلاش کر لیا جائے اتنی جلد مسلمان دنیا کا عالمی اقتصادی Balance حاصل کر سکتے ہیں۔ معدنی وسائل کی تحقیق غیر ممالک کے ماہرین سے کروانے کی بجائے خود مسلمانوں کو غیر ممالک میں ٹریننگ دلوا کر اُن سے تحقیق کا کام لیا جائے۔ تبھی صحیح معنوں میں زمین دولت اُگل سکتی ہے غیر مسلم ماہرین سے یہ توقع رکھنا محض ایک خوش فہمی سے کم نہیں۔ کیونکہ وہ ہمیں اقتصادی طور پر ترقی کرتے دیکھ کر خوش نہیں ہو سکتے کہ وہ معدنی دولت زمین سے نکال کر ہمارے قدموں میں ڈال دیں۔ اور مغربی ممالک ہم سے وہی خریدنے کے لئے محتاج رہیں۔

۲۔ فوجی

تمام اسلامی ممالک کی فوج چونکہ ایک ہی کمان میں ہو گی اور اس طرح مسلمانوں کی تمام فوجی طاقت یکجا کر دینا مشرقی اور مغربی بلاکوں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ پیدا کرے گا اور اس طرح دونوں بڑی طاقتیں قیامِ امن کے لئے سوچنے پر مجبور ہوں گی۔ ایسی صورت حال میں ان کے معاندانہ رویہ میں تبدیلی ہو گی اور گڑبڑ پھیلا کر دوسرے ممالک کو ہڑپ کر جانے کی ہوس اُن کے دل سے نکل جائے گی اور اس طرح ہر ملک کی آزادی کی وقعت خواہ وہ کتنا چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اُن کے دل میں پیدا ہو جائے گی۔ اور اُن کو ان کی حدود میں رکھے گی۔ اس طرح اسلامی بلاک دونوں بڑی طاقتوں کے اختلافات رفع کرنے کے لئے عالمی امن کی کوشش کرے گا۔ اور چھوٹے سے چھوٹے ملک کی آزادی کی بھی حفاظت کی ضمانت دے گا۔ اور دنیا کے کسی بھی خطہ میں رہنے والے مسلمان سا را جی

دوسرے ممالک کو قرض اور امداد کی صورت میں مدد دینے کی سفارش کرے۔

تمام اسلامی ممالک کا ایک مشترکہ بنک بھی ہوگا جس میں ہر ملک اپنی زیادہ سے زیادہ دولت کا سرمایہ لگائے گا اس طرح یہ ادارہ اس قابل ہوگا کہ ہر ضرورت مند ملک کو اقتصادی امداد بطور قرض دے سکے۔ یہ واضح رہے کہ یہ قرض بغیر سود کے دیا جائے گا۔ اسلامی ممالک کو اپنی مصنوعات معدنی و زرعی پیداوار وغیرہ کی غیر ممالک سے تجارت کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔ اور زرمبادلہ کمانے کے لئے اپنی منڈیاں تلاش کرنے کی پوری اجازت ہوگی۔ عرب ممالک میں بالخصوص تیل اور گیس کی پیداوار ایک خاص اہمیت رکھتی ہے جس سے دنیا کے بیشتر ممالک کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ یہ کونسل اس چیز پر نگاہ بھی رکھے گی اور ایسی پالیسی پر عمل پیرا ہوگی کہ اُس سے تیل پیدا کرنے والے ممالک کے مفادات کو نقصان نہ پہنچے اور اُن کے مفادات کے ٹکراؤ سے کسی نقصان کے پہنچنے کا احتمال نہ ہو۔ اس کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک کے اقتصادی وسائل میں ٹین اور کرومائیٹ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ زرعی پیداوار میں گیہوں، چاول، روئی، کھجور، پھل، ربڑ، پٹ سن، ناریل، والین، تیل اور تیل کے بیج، مچھلی، چائے وغیرہ مختلف اسلامی ممالک کی ایسی پیداوار ہیں جن سے نہ صرف اسلامی ممالک کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ بلکہ اسے بیرونی منڈیوں میں بھی فروخت کر کے دیگر ضروریاتِ زندگی و مشینری جدید آلاتِ حرب و آلات سائنس وغیرہ درآمد کئے جا سکتے ہیں اس کے علاوہ ان خطوں میں قیمتی پتھر، لوہا، کوئلہ، جواہرات، یورینیم، سونا چاندی مختلف دھاتیں، تیل اور قدرتی گیس وغیرہ کے اتنے ذخائر موجود

میں شریک ہو سکیں ——— تیسرے یہ کہ عربوں کی طرح غیر عرب ممالک بھی اپنے
ہاں عربی کو قومی زبان قرار دے کر عربی سرمایہ علوم سے پوری طرح استفادہ کریں۔ انگریزی
فرانسیسی، لاطینی کتب کو عربی میں منتقل کریں ——— چوتھے یہ کہ اسلامی اصول
اور اسلامی آئیڈیالوجی پر شد و مد سے عمل کرنے کا عزم کریں اور اپنی تبلیغی مشنری
حرکت میں لاکر بالخصوص علمائے اسلام مسجدوں کے حجروں سے نکل کر افریقہ
میں تبلیغ کا سلسلہ شروع کر کے اس بر اعظم کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔
جب تمام افریقہ پر اسلام کا جھنڈا لہرائے گا اور مسلمان افریقہ کے تمام وسائل کو
استعمال میں لائیں گے۔ تو مسلمان اقتصادی اعتبار سے دنیا کی بڑی سے بڑی
قوت کا مقابلہ کرنے کی جرأت بھی کر سکتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ ابھی سے اسلامی
سربراہوں کی کانفرنسیں منعقد کی جائیں اور اسلامی دولتِ مشترکہ بنانے پر
سنجیدگی سے غور و فکر کیا جائے۔

طاقتوں کے ہتھکنڈوں کا نشانہ نہ بن سکیں گے اور آہستہ آہستہ مسلمان دُنیا میں آزاد فرد کی طرح حقوق حاصل کر کے اپنا کھویا ہوا مقام پا سکیں گے مثلاً فلسطین، الجزائر، بحرین، کویت، قطر، کشمیر وغیرہ کے مسلمانوں کے حقوق، آزادی سے اپنی منفی حربوں اور ہتھکنڈوں سے نہ کھیل سکیں گے۔ اس طرح اسلامی کنفیڈریشن کے قیام سے چھوٹے سے چھوٹے اسلامی ملک کی بھی آزادی برقرار رہ سکے گی مغربی سامراجی طاقتیں تو کیا خود اسلامی ممالک اُن پر ناجائز قبضہ نہ کر سکیں گے۔ اُن کو سیاسی آزادی کے علاوہ دیگر مسلم ممالک کی طرح (full status) نصیب ہو سکے گا۔

کنفیڈریشن سے پہلے

اسلامی کنفیڈریشن (نظم دولت مشترکہ) مندرجہ بالا تین اہم مقاصد کے لئے معرضِ وجود میں آئے گی؛ باقی ہر لحاظ سے ممبر اسلامی ممالک اپنی پالیسی خود بنائیں گے لیکن سیاسی فوجی اور معاشی (اور کسی حد تک تعلیمی) میدان میں اسلامی کنفیڈریشن کے تمام ممبر ممالک مشترکہ عمل کرینگے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے پیہم جدوجہد اور کاوشیں بروئے کار لائی جائیں گی۔ سب سے پہلے اسلامی ممالک کے سربراہوں کو اسلامی کاز کے آگے بڑھانے کے لئے زندہ دلی اور فراخدلی کا ثبوت دینا ہوگا۔ اور قومی تعصب و تنگ نظری سے ہٹ کر اسلام کی سربلندی کو قومیت پر ترجیح دینا ہوگی۔ اِس کے لئے اسلامی ممالک کے بہت سے افراد کو اپنی بے لوث خدمات پیش کر کے راہ عامہ ہموار کرنی ہوگی۔ دوسرے معاشرتی میدان میں اسلامی ممالک کے افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کام کر کے اپنے نظریات میں ہم آہنگی پیدا کرنی ہوگی۔ تاکہ وہ ایک دوسرے کے مسائل سمجھیں اور ایک دوسرے کے دُکھ درد

پر استفسار

جناب مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سابق وزیر تعلیم انڈیا

کا

ایک تاریخی غیر مطبوعہ خط
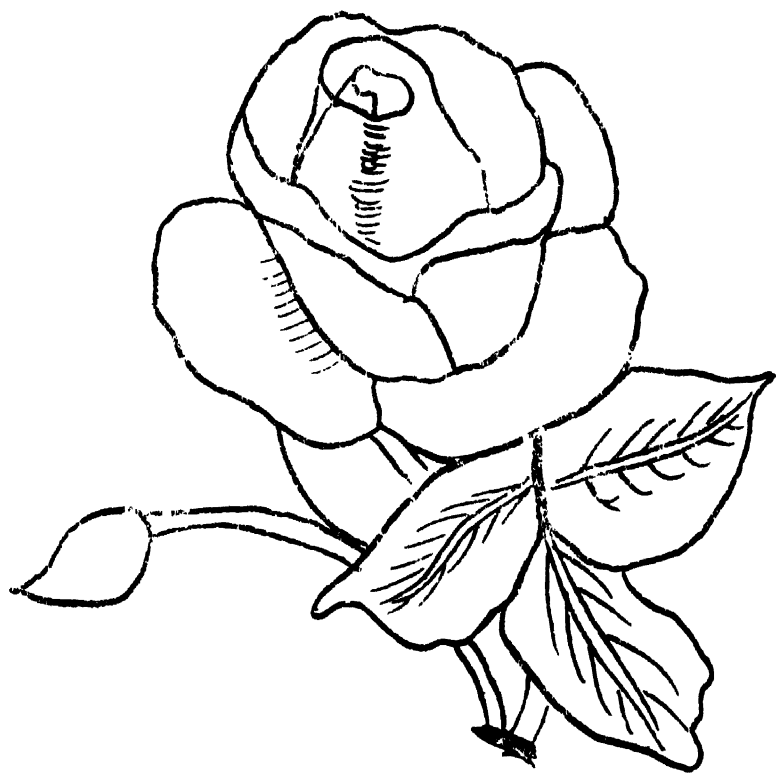
مسئلہ مہدی کے اقرار و انکار کے سلسلہ میں بہت تضاد پایا جاتا ہے۔ راقم کے ایک عزیز دوست جناب محمد ادریس توقیر سبحانی بی۔اے (سرگودھا) نے جناب مولانا ابوالکلام آزاد سے اس مسئلہ پر جب استفسار کرتے ہوئے جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی رائے کا بھی حوالہ دیا تو اس کے جواب میں مولانا آزاد مرحوم نے نہایت پیارے پیرائے میں مختصر جواب دیا لیکن اس سے یہ اخذ نہیں کرنا چاہیئے کہ آپ اس مسئلہ سے انکاری تھے کیونکہ اس مسئلہ پر تفصیلی جواب آپ پہلے ہی دے چکے تھے بالخصوص یہاں اس استفسار کے جواب میں ضمنی طور پر آپ نے جو پیارے الفاظ جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی نسبت ارشاد فرمائے ہیں وہ آپ کے صحیح جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ خاص اہمیت کا حامل اس لیے ہے کہ ایک بلند پایہ عالمی شہرت کے حامل مفکر اسلام کی بلند شخصیت اور اس کی دینی خدمات کا اعتراف مرحوم جیسے فراخدل اور تنگ نظری سے عاری شخصیت کے نوک قلم سے ہی ممکن تھا۔

کاش!

ہمارے عصر حاضر کے علماء بھی ایک دوسرے کو ہدف ملامت بنانے کی بجائے جس قدر بھی کوئی دینی خدمات سرانجام دے رہا ہے اسکا نیک نیتی سے اعتراف کریں اور ملکر اسلام کا پرچم بلند کریں۔

مؤلف

حرفِ آخر

دورِ حاضر کے تقاضوں و نت نئے مسائل پر

جناب قبلہ مولانا محمد تقی امینی صاحب یکے از مقتدر علمائے اہلِ قلم و

پرنسپل دارالعلوم معینیہ اجمیر شریف (بھارت)

اور

قبلہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب داعیٔ احیائے دین و مدیر

ترجمان القرآن لاہور پاکستان

کا

اظہارِ خیال

(متن مرسلہ)

کنگ ایڈورڈ روڈ دھلی
۱۱،۴،۵۷ء

عزیزم وعلیکم السلام

گلہ عدم توجہگی و شکائیت بے التفاتی بجا مگر کسے کہوں اور کیا!
کس نمی فہمد زبان را
بعزیزان چہ بیان کنم

منصب افتاکی ذمہ‌داریوں سے دامن ہمیشہ الگ رکھا استفتا کیلئے کسی صاحب منصب کیطرف راجع ہونا چاھئیے تھا میری رائے میں مسلہ مہدی کا اقرار و انکار برابر اور امور ایمالیہ سے خارج ھے۔ مزید توضیح کیلئے "تذکرہ" دیکھیں۔

مولانا ابوالاعلی کی خدمات جلیلہ سے امت مسلمہ کبھی صرف نظر نہیں کر سکتی کہ ایسے کارھائے نمایاں تاریخ تجدید اسلام کے ھر باب و فعل کے لئے سرمایہ افتخار و بہ درجہ عنوان ھیں۔ مولانا گلشن حق کے ان لالہ سنبل میں سے ھیں جنکی خوشبو سدا بہار ہمیشہ تعفن باطل کو مغلوب کرکے طالبان حق کے دل و دماغ کو معطر کرتی رھتی ھے اور جسے فنا نہیں۔

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما!

ابوالکلام

جوابات

جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب

بنیادی طور پر پہلے چند باتیں سمجھ لینا ضروری ہے۔

(ا) موجودہ دور عمومی حیثیت سے لامذہبی دور ہے۔ حکومتی سطح پہ مذہب کی جو کچھ "نمود" نظر آتی ہے وہ بڑی حد تک سیاسی مذہب کی ہے نہ کہ حقیقی مذہب کی۔
جب تک معاشرتی زندگی کی تنظیم و تشکیل میں دیانتداری کے ساتھ مذہبی زاویۂ نگاہ کارفرما نہ ہوگا اس وقت تک جزئی مسائل کی اصل حقیقت وافادیت نہ برقرار رکھی جا سکے گی۔

(ب) موجودہ دور میں جن سیاسی و معاشرتی نظریات کی کارفرمائی ہے۔ انہوں نے بحیثیت مجموعی ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کر دی ہے کہ دل و دماغ بھی اس سمت جا پڑے ہیں۔ جس سمت سے ہدایت الٰہی انہیں کھینچ کر لائی تھی۔
نیز زندگی کی مادی تعبیر و توجیہ نے انسان کا رشتہ حیوانی نسل سے اس طرح جوڑ دیا ہے کہ اُس کے سارے مسائل میں بڑی حد تک حیوانی زاویۂ نگاہ ہی کارفرما بن گیا ہے۔
بخلاف اس کے ہدایت الٰہی نے انسان کی "نورانی اصل" تسلیم کی ہے اور یہی روح اس کے جملہ مسائل میں سرایت ہے دونوں کے حل کئے ہوئے مسائل میں کسی لمحہ بھی اس تفاوت کو نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیئے۔ ورنہ مذہبی مسائل کی خصوصیات سمجھ میں نہ آسکیں گی۔

(ج) موجودہ دور "ردعمل" کا دور ہے اس کے زاویہ نگاہ میں گذشتہ تفریط کے مقابلہ

(سوالات و جوابات کی شکل میں)

سوال ۱

بیسویں صدی کے اس مہذب و ترقی یافتہ دور کی رہنمائی بھی مذہبی نقطہ نظر سے " اسلام " کر سکتا ہے۔ یا عیسائیت ؟

(ا) کیا انسان کو سیکولرازم یا دھریت روحانی و مادی ترقی کی معراج نصیب کرا سکتی ہے ؟

(ب) بالخصوص کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے اور ختم کرنے کی صلاحیت کس میں ہے ؟

وجود میں آکر اپنے "کاز" کو آگے بڑھانے لگی۔ اگر یہ سارے امور ابتدائی مرحلہ میں انجام پا سکتے اور مختلف مراحل سے گذرنا ان کی فطرت میں ودیعت نہ ہوتا تو ثبوت کو تائید غیبی کے باوجود اتنا طویل عرصہ طے کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اگر اسلامی اسٹیٹ کے اعلان سے "خلافت" وجود میں آجایا کرتی تو نبوت کو خداداد بصیرت کے باوجود وہ وسائل و ذرائع نہ اختیار کرنے پڑتے جو "خلافت" کو بروئے کار لانے کے لئے ناگزیر تھے، غرض "ہدایت" کے مسائل میں ایک خاص ترتیب و تنظیم ہے جو اسی وقت ٹھیک سمجھے جا سکتے ہیں جبکہ معاشرتی احوال و کوائف پر نظر اور ان کی وجہ سے ہونے والی تبدیلیوں سے واقفیت ہو۔ ان چند تمہیدی اشارات کے بعد اصل سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) دنیا نے ہدایت الٰہی کی رہنمائی چھوڑ کر کیا کھویا اور کیا پایا؟ یہ ایک مستقل اور وسیع بحث ہے البتہ اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ دنیا اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود عقل کو جذبات پر فتح مند بنانے کے لئے اب تک کوئی "مشین" نہ ایجاد کر سکی۔ نیز قومی و وطنی حد بندیوں سے بالا ہو کر عقل کو خالص انسانی نظر سے محبت و مروت کا "زاویۂ نگاہ" دینے کے لئے کوئی "معقول تدبیر" نہ سوچ سکی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آئے دن فطرت انسانی کو چیلنج دینے والے بے شمار مسائل پیدا ہوتے رہتے اور انسانیت کی نئی تعبیر و توجیہ کے باوجود وہ حل ہوتے نہیں نظر آرہے ہیں۔ اس کے علاوہ رفتہ رفتہ زندگی میں ایسے "جراثیم" پیوست ہوتے جارہے ہیں کہ ان کی وجہ سے موجودہ تہذیب بوسیدہ اور تمدن خود تمدن کا دشمن بن رہا ہے۔

افراط ہے۔ ہدایت الٰہی زندگی میں "اعتدال" پیدا کرنا چاہتی ہے اور اسی کی مناسبت سے احکام و قوانین مقرر کرتی ہے۔ اس لئے دونوں کے مسائل کا موازنہ کرتے وقت اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(د) مسائل کا باہمی ربط و تسلسل اس طرح ہے کہ کسی ایک جزو کی افادیت پورے نظام سے الگ کر کے نہیں قائم رکھی جا سکتی ہے۔ پھر بعض احکام و قوانین مقصد کے درجہ میں ہیں اور بعض وسائل و ذرائع کے درجہ میں اور دونوں کی حیثیتوں میں فرق ہے جب تک ہمہ جہتی نگاہ نہ ہو اور کلی حکمت و عمومی اصول کے ماتحت مسائل کا مطالعہ نہ کیا جائے محض ایک جزو یہ "ضابطہ" کی بحث و تمحیص سے خاطر خواہ نتیجہ کی توقع نہیں ہے۔

(ہ) ہدایت الٰہی بتدریج "زندگی اور مسائل میں" اعتدال "پیدا کرنا چاہتی ہے اس کے لئے مختلف مراحل سے گزرنا اور موقع و محل کی مناسبت سے مختلف تدبیریں اختیار کرنا ناگریز ہے مسائل کے سمجھنے میں ان مراحل و تدابیر سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا ہے ورنہ اصل "ساخت" بگڑ جائے گی اور تقریباً ہر دور میں "مسائل" ناقابل عمل قرار پائیں گے مجموعۂ ہدایت (قرآن حکیم) کی تکمیل ۲۳ سال کی مدت میں ہوئی ہے۔ اگر دفعتہً فضا ہموار ہو کر "انگیز" کے قابل بن جایا کرتی تو یکبارگی مکمل کر دینے میں کیا دشواری تھی؟

اسی طرح نبوت (جو مافوق العادت اوصاف سے آراستہ تھی) ایک عرصہ تک اپنے کارخانہ میں افراد کو ڈھالتی اور سنوارتی رہی۔ نیز تمام آبادی سے اپنی افادی حیثیت منواتی اور غیر جارحانہ طرز عمل کا ثبوت فراہم کرتی رہی۔ جب ایک معتدبہ جماعت تیار ہو گئی ادھر اصول و نظریات سے اختلاف رکھنے والی آبادی بھی معاہدات وغیرہ کے ذریعہ غیر جانبدار اور پرسنل معاملات میں غیر دخیل بن گئی تو خلافت الٰہیہ

مادیت روحانیت کی چاشنی حاصل کرکے انسان کو معراج کمال پر پہنچانے کے قابل بن سکے گی۔ جیساکہ دور اول میں اس وقت کے لحاظ سے یہ کمال حاصل ہو چکا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ عرصہ سے مذہب کے نام پر عمومی حیثیت سے اس کی جس طرح نمائندگی ہو رہی ہے وہ واقعی اس قابل نہیں کہ انسان کے اندر افادیت وصلاحیت کے جوہر نمایاں کرکے اقدام، عزم، شجاعت وغیرہ زندگی کے "عناصر" پیدا کرے اور کسی خوش آئند حال و مستقبل کی نشاندہی کرے۔

اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ موجودہ "سیاست" نے انسان کے کل پرزے اس قدر ڈھیلے کر دیئے ہیں کہ وہ حد سے زیادہ خود غرض اور ناعاقبت اندیش بن گیا ہے اس کے اندر انتہائی سطحیت اور خود فریبی آگئی ہے جس کی بنا پر مذہب کی گہرائی وعالی حوصلگی کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

لیکن یہ حقیقت بھی مسلّم ہے کہ "ضرورت ایجاد کی ماں" ہے زندگی کے بہت سے مسائل حل کرنے کے لیے موجودہ دور کی خورد بینی کی نگاہیں بیکار ثابت ہو رہی ہیں ان کے حل کے لئے ایمان و وجدان کی حقیقت بینی والی نگاہوں کے بغیر چارہ نہیں رہ گیا ہے۔ جن کی سچی نمائندگی سچا مذہب ہی کر سکتا ہے جو غیر شعوری طور پر حقیقت کا احساس پیدا کرکے اس تک پہنچاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا نے کسی ناگہانی واتفاقی حادثہ کی بنا پر نہیں بلکہ فطری رفتار کے مطابق بتدریج ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔ یہ بھی واضح ہے کہ معلومات وانکشافات کے نئے وسائل وذرائع نے انسان کے ذہن ومزاج میں بڑی حد تک تبدیلی کر دی ہے۔ اب وہ ہر چیز کو تجربہ کی کسوٹی پر کسنے اور افادیت وصلاحیت کے پیمانہ سے ناپنے لگا ہے

اس صورت حال کو ظاہر بین اور سطحی نظر بین اگرچہ ابھی محسوس نہیں کر رہے ہیں لیکن حقیقت بین نظروں سے یہ پوشیدہ نہیں ہے وہ اس سے سخت مضطرب اور انجام سے نہایت خائف ہیں جیسا کہ وقتاً فوقتاً ان کے بیانات سے وضاحت ہوتی رہتی ہے۔

یہ صورت حال زیادہ دن نہ برداشت ہوسکیگی چارو نا چار آتش فشاں پہاڑ پر بیٹھی ہوئی انسانیت کے تحفظ و بچاؤ کی فکر ہوگی اور پھر ایسی رہنمائی کی تلاش ہوگی جو جذبات کی سرمستیوں اور شعلہ باریوں کو روک لگا سکے نیز عقل کو قلب کی تربیت گاہ میں لے جاکر عمومی محبت و مروت کی "چاشنی" اس کو عطا کر سکے۔

اس قسم کی رہنمائی ہدایت الٰہی کے دامن میں پناہ لینے ہی سے میسر آ سکتی ہے کہ اس میں انسان کو بجائے "دور بینی" کی نگاہ کے حقیقت بینی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور زندگی کے باریک "تاروں" کے عمل و ردعمل کا جائزہ لے کر حالات و مسائل میں رہبری کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں تاریخ و فلسفۂ تاریخ کی شہادت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انسان اپنی زندگی اور اس سے متعلق مسائل حل کرنے میں مسلسل گردش سے گذرتا رہا ہے افراط و تفریط کی مختلف راہوں سے گذر کر بالآخر اس منزل پر پہنچا ہے جہاں سے گردش کی ابتدا ہوئی تھی۔

اس دور کا انسان بھی مختلف راہوں اور "آزموں" کا تجربہ کرکے "انتہا" کے قریب آپہنچا ہے جب یہ "انتہا" اپنے تکمیلی مراحل طے کرلے گی تو پھر ابتدا اسی مقام سے ہوگی جس کا نقطۂ آغاز مذہب تھا اور اس میں انسان کی اصل "نورانی" تھی یہی وہ مقام ہوگا کہ انسان کی رہنمائی کے لئے ہدایت الٰہی کی روشنی میں عقل و قلب کا "آمیزہ" تیار ہوگا اور پھر موجودہ

تجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کر کے اپنے استعمال میں لا سکتا ہے یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ دنیا کے دیگر مذاہب سائنس کے "عناصر" کو مافوق القوۃ اور مقدس اشیاء سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے یا مطالعہ فطرت کو مذموم سمجھ کر اس کی جانب توجہ کرنے والے کا بعوت پلید سے تعلق جوڑتے تھے۔

قرآن حکیم کے اسی نظریہ کے ماتحت بعد کے ہر دور میں اس کی صلاحیت و ضرورت کے لحاظ سے کام ہوتا رہا حتیٰ کہ یورپ کو یہ نظریہ دے کر اس قابل بنایا کہ وہ نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھ سکے۔ اس سلسلہ میں یورپ کے مختلف محققین و مؤرخین مثلاً جان ڈیون پورٹ۔ رینان۔ ڈاکٹر جوزیف ہیل اور گسٹاؤ لی بان وغیرہ نے اس قدر مواد فراہم کر دیا ہے کہ ثبوت کے لئے مزید شہادت کی ضرورت نہیں باقی رہ گئی ہے [۱]

البتہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہدایت الٰہی کا یہ منصب کبھی نہیں رہا ہے کہ وہ سائنس و طبیعیات کے ذریعہ کائنات کی نیرنگیوں کی تحقیقات کرتی پھرے اور نئے نئے فارمولے وضع کر کے نوع بنوع رازہائے فطرت کے انکشاف کو اپنے ذمہ لے بلکہ اس کا اصل منصب یہ ہے کہ خود انسان کو اس کے اصلی رنگ و روپ میں پیش کرے اس کی تخلیقی قوتوں کو فطری صداقتوں کی شاہراہ دکھانے نیز فکری و عملی زندگی کے صحیح حدود متعین کر کے نظم و ضبط اور صلاحیتوں کے استعمال کرنے کے اصول سمجھائے تاکہ انسان دنیا میں اپنے مقام اور کام کی سمتوں کا متعین کر کے اپنے فرائض کی ٹھیک بجاآوری کرے۔

یہی وجہ ہے کہ "ہدایت" نے مادی ترقیات میں صرف مرکز اور سمت متعین کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور حالات و زمانہ کے تقاضہ کی مناسبت سے عقل و تجربہ کی رہنمائی کو کافی

---

[۱] اس سلسلہ میں راقم الحروف کی کتاب "عروج و زوال کا الٰہی نظام" بھی مفید رہے گی جو ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

ایسی حالت میں یہ توقع رکھنا فضول ہے کہ جب وہ مذہب کی طرف مائل ہوگا تو ہر مذہب یا اس کی ہر بات کو بغیر سوچے سمجھے قبول کریگا اور ٹکراؤ کی صورت میں علم و تحقیق کے مسلمہ ذخیرہ کو نذر آتش کر دے گا۔ بلکہ اس کی نظر میں وہی مذہب قابل قبول بن سکے گا۔ جو علم و حکمت کا علمبردار اور افادیت و صلاحیت کے پیمانہ پر ٹھیک اترتا ہو۔ اور وہی بات قابل وقعت بن سکے گی جو عقل و تجربہ کی کسوٹی پر کسے جانے کے لائق ہو۔

مذاہب عالم کی موجودہ تعلیمات کے مطالعہ سے یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ مذکورہ معیار کے مطابق ہونے کی صلاحیت آخری مجموعۂ ہدایت (قرآن حکیم) کی تعلیمات ہی میں ہے اس نے اپنے دور اوّل ہی میں انسان کی داخلی تبدیلی کے ذریعہ زندگی کے "ان تاروں" کے چھیڑنے میں "یقیناً" کامیابی حاصل کر لی تھی جو عقل کو جذبات پر فتح مند بناتے اور اس کو عمومی محبت و مروت کی چاشنی عطا کرتے ہیں۔ اس کی تعلیم زندگی کے کسی ایک گوشہ تک محدود نہ تھی۔ بلکہ اجتماعی و تمدنی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی اور ان کے مسائل کو عدل و رحمت کی فضاء میں حل کرتا تھا۔ وہ مطالعہ فطرت کا داعی نیز "معجزات" کے ذریعہ بعد کے سائنٹفک دور کی نشاندہی کرنے والا تھا۔

چنانچہ جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے انہیں اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ سائنٹفک دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی تاریخ (چھٹی صدی عیسوی) سے ہوا ہے اسی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں (آفتاب و ماہتاب سے لے کر ذرہ تک) اپنی اصلی ساخت اور مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت گذاری کے لئے پیدا ہوتی ہیں اور انسان کو یہ اہلیت دی گئی ہے کہ وہ عقل و

دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں دین اور دنیا مذہب اور سیاست کی تفریق نہ تھی بعد میں انکے ماننے والوں نے تفریق پیدا کی اس بناء پر "دین و دنیا" کا الزام حضرت عیسیٰ پر نہیں بلکہ ان کے ماننے والوں پر درست ہو سکتا ہے مغالطہ کی وجہ بھی یہی ہے کہ عیسائیت کے نام پر مروجہ مذہب کو اصل مذہب سمجھ لیا گیا اور اسی الزام پر ایک مستقل عمارت تعمیر کر دی گئی۔

صورت یہ ہوئی کہ عیسائیت کو ابتدا ہی میں یہودی مذہب و ذہنیت سے ایسا شدید قسم کا ٹکراؤ ہوا کہ اس نے اُس کو مٹا نے اور نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر لیا اور سازشیں کرتے رہے ادھر رومی حکومت کی جانب سے بروقت ایسی پُشت پناہی نہ میسر آ سکی کہ اس کے حدود و خطوط کے مطابق حکومت تشکیل ہو کر تہذیب و تمدن میں اس کی تعلیمات رواں دواں ہو سکتیں۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت معتقدین و متبعین کے لئے نہایت روح فرسا اور مایوس کن تھی حالات سے مجبور ہو کر "پولوس" نے یہی طریقہ کار آسان سمجھا کہ وہ مسیحی تعلیم کے صرف روحانی و اخلاقی حصہ پر زیادہ زور دیں اور شرعی و معاشرتی یا تہذیبی و تمدنی پہلو کو نظر انداز کر دیں۔ پھر یہودیوں کے مزاج میں جس قدر "درشتی" پیدا ہو گئی تھی اور انہوں نے دین کی اصلی تعلیم اور روح کو پس پشت ڈال کر محض "مراسم" کی پرستش کو اصل مذہب سمجھ لیا تھا اس افراط کا تقاضہ یہی تھا کہ روحانیت پر اتنا زیادہ زور صرف کیا جائے کہ آنے والے دور میں اعتدال کے لئے راہیں ہموار ہو سکیں چنانچہ موجودہ عیسائیت میں بھی عفو و درگذر اور رحم و کرم وغیرہ کی بعض مثالیں اس قسم کی موجود ہیں جنہیں معتدل معاشرہ کے لئے کسی طرح موزوں نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مسیحی تعلیم کے ساتھ ایک زیادتی یہ ہوئی کہ اس کی تدوین و حفاظت کا کوئی معقول بندوبست نہ ہو سکا۔ مسیحی مذہب کے بارے میں معلومات کے مستند ترین

قرار دیا ہے کہ مرکز اور سمت کی تعیین کے بعد استعمال کے مضر اثرات سے تحفظ کا بڑی حد تک اہتمام ہو سکتا ہے۔

مذہب عیسائیت کے بارے میں جو آپ نے سوال کیا ہے تو اس میں شک نہیں کہ جہاں تک اس کی اصل تعلیم اور روح کا تعلق ہے اس میں اپنے دور کے تمدنی و اجتماعی مسائل حل کرنے کی صلاحیت تھی جیسا کہ ڈاکٹر جوزیف ہیل کی تحقیق ہے۔

"انبیاء و رسل اور بانیان مذہب نے اپنے زمانہ اور اپنی قوم کی تہذیب و تمدن میں حصہ لیا ہے لیکن جو عالمگیر تبدیلیاں اسلام سے براہ راست نہایت سرعت کے ساتھ مرتب ہوئی ہیں ان کی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں ملتی ہے" [۱]

مذہب کی تاریخ میں بھی اس کی شہادت موجود ہے چنانچہ

وکذالک کل نبی استخلفہم فی عمارۃ الارض وسیاستہ الناس وتکمیل نفوسہم وتنفیذ امرہ فیہم [۲]

"اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو زمین آبادکاری میں لوگوں کی سیاست [illegible] کے نفوس کی تکمیل میں اور ان میں اللہ کا حکم نافذ کرنے میں اپنا خلیفہ بنایا"

ان تصریحات کی موجودگی میں "روسو" کا قول بے بنیاد ہے کہ

"حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں ایک روحانی سلطنت قائم کرنے کیلئے تشریف لائے جس نے مذہبی اور سیاسی نظام کو جدا کر کے ریاست کی وحدت مٹا دی اور اندرونی تفرقے پیدا کر دئے جنہوں نے عیسائی اقوام کو کبھی چین نہ لینے دیا" [۳]

---

[۱] تمدن عرب ص ۲۳ [۲] بیضاوی ص ۵۹ [۳] معاہدہ عمرانی ص ۲۲۸

کا نتیجہ ہے۔

نظریۂ ارتقاء کے بارے میں بھی بعضوں کا خیال ہے کہ اس کی بنیاد مذہبی تصور پر قائم ہے کیونکہ اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقاء ہے اور سب سے اعلیٰ خدا ہے۔ [۱]

اس نظریہ میں یہ تصور مان لینے سے یہ شبہ ضرور ہوتا ہے کہ جب انسان ابتدائی حالت میں حیوان تھا تو کیا اس وقت بھی مذہبی جذبہ کارفرما تھا؟ لیکن اس کا جواب ماہرین نفسیات نے یہ دیا ہے کہ مذہبی جذبہ کا تعلق کسی ایک جذبہ کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ یہ چند جبلتوں کے آپس میں امتزاج اور عمل کا نہایت پیچیدہ اور عجیب و غریب نتیجہ ہے۔ ان چند جبلتوں کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ مذہبی نوعیت کی ہوں بلکہ دو یا چند چیزیں جب الگ الگ رہتی ہیں تو ان کے خواص و اثرات مختلف ہوتے ہیں اور جب مل جاتی ہیں تو ان کے خواص و اثرات میں یکسر تبدیلی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح دو متضاد وصف کے آپس میں اشتراک و امتزاج سے ایک تیسرا وصف پیدا ہو جاتا ہے جو ان کی انفرادی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ اس بناء پر مذکورہ جبلتیں اگرچہ مذہبی نوعیت کی نہ تھیں لیکن بتدریج ترقی کے نتیجہ میں "تاثیر اور تاثر" کا جو عمل ان میں ہوا اس عمل کے نتیجہ میں مذہبی جذبہ نمودار ہو کر انسان کی جبلت میں داخل ہو گیا۔ [۲]

مذہب کے اسی عالمگیر اثر کو محسوس کر کے "یورپ" کے مصنفوں نے لکھا ہے۔ کہ مذہبی جبلت انسان کی اساسی صفتوں میں داخل ہے اور ڈاکٹر "مونیاں" نے کہا ہے کہ مذہبی جبلت انسان میں ایسی ہی ہے جیسے "چڑیوں میں گھونسلا بنانے کی جبلت ہے"! [۳]

---

[۱] مقدمہ بستانوری کا فلسفہ تمدن و تعلیم [۲] معاشرتی نفسیات ص۵۸ [۳] حوالہ بالا

ذرائع چار انجیلیں مانی جاتی ہیں (۱) متی (۲) مرقس (۳) لوقا (۴) یوحنا — ان کی
حیثیت کلام الٰہی یا کلام مسیح علیہ السلام کی نہیں ہے بلکہ "انسائیکلوپیڈیا" کی تصریح کے
مطابق ان چار تذکروں کی ہے جو عہد نامہ جدید میں مسیحؑ کی زندگی تعلیمات اور کردار کے
متعلق ملتے ہیں پھر ان کے مصنفین کی زندگی کے حالات کے بارے میں اب تک تفصیلی تحقیق
نہ ہو سکی کہ یہ کون لوگ تھے؟ حضرت مسیحؑ یا ان کے کسی حواری کی صحبت بھی میسر آئی تھی یا نہیں؟
ویسے بھی یہ کتابیں نہ سریانی زبان میں تھیں اور نہ عبرانی زبان میں بلکہ مسیح کے زمانہ کو ایک مدت گذرنے کے بعد یونانی زبان
میں لکھی ہوئی ملیں غرض یہ وجوہ اسباب تھے جن کی بناء پر مسیح علیہ السلام کی اصلی تعلیم کے کل
حصے منظر عام پر نہ آسکے اور موجودہ دنیا کے "خاموش نگاروں" کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ "وہ
صرف روحانی سلطنت قائم کرنے آئے تھے اور مذہبی و سیاسی نظام میں جدائی کر کے ریاست
کی وحدت مٹادی، اور اندرونی تفرقہ پیدا کر دیتے۔"

رہی یہ بات کہ موجودہ دور میں عیسائیت انسان کو معراج کمال پر پہنچا سکتی ہے اور
اس میں نت نئے حالات و مسائل حل کرنے کی صلاحیت ہے؟ اگر یہ بات کسی درجہ میں بھی
صحیح ہوتی تو مذہبی دور سے سابقہ ہی نہ پڑتا اور دنیا مذہب کو خیرباد کہہ کر "سیکولرازم"
یا "کمیونزم" کے دامن میں پناہ نہ ڈھونڈھتی۔

یہ اس لئے کہ "نشاۃ ثانیہ" کی ابتداء میں اس کے نوک پلک درست کرنیوالے مذہبی
ہی لوگ تھے اور "لوتھر" وغیرہ کی مذہبی و اصلاحی تحریک کا اثر اس قدر ہمہ گیر مانا جاتا ہے کہ
بعد کی ہر تحریک میں مذہبی جذبہ کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے چنانچہ "ڈلتھائی" نے مختلف
دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جرمنی، انگلستان اور فرانس وغیرہ کی علمی و فلسفیانہ تحریکات
کے نشوونما میں مذہب ہی کارفرما تھا نیز مغرب کی جدید روح ایک وسیع مذہبی تصور

آئند ثابت ہوئے۔ پھر قوم جب ابتدائی مرحلات طے کرکے تمدنی و اجتماعی مسائل کی طرف متوجہ ہوئی تو اس کی تنگ دامنی حائل بنی اور مجبوراً اس کو دوسری راہ اختیار کرنی پڑی۔

ایک طرف ذہنی و فکری اور عملی زندگی کی وسعتیں تھیں اور دوسری طرف مذہب کی تنگدامنی دبلے لیسی تھی۔ دنیوی ضرورت کی نیرنگیاں سمٹ کر اس مذہب میں سمانہ سکتی تھیں۔ اور مذہب کی تنگدامنی ان نیرنگیوں کو جذب کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی تھی۔

ایسی صورت میں شدید قسم کا "ردعمل" ہونا لازمی تھا چنانچہ بالآخر یہی ہوکر رہا اور دنیا نے مذہب کو خیر باد کہہ کر مذہب کی جگہ لینے کے لئے مختلف "ازم" ایجاد کرنے شروع کر دیئے جس میں انسانیت کی نئی تعبیر و توجیہ ہوتی اور وہ "اقدار" جن سے انسانیت نشوونما اور بالیدگی حاصل کرتی تھی نیز وہ اخلاق جو روحانی پاکیزگی کے طور پر اختیار کئے جاتے تھے سب "سیاست" کی نذر ہو گئے؛ اور موجودہ دور کا "انسان" ایک عجیب و غریب مخلوق بن کر رہ گیا [۱]

"نشاۃ ثانیہ" کی ابتداء میں اصلاح شدہ مذہب کے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں ان میں کس قسم کے داخلی و خارجی محرکات تھے؟ نیز مذہب نے اس وقت کی زندگی کو کیا دیا؟ اور زندگی نے مذہب کو کیا عطا کیا؟ مصلحین میں کون سی بیرونی روح سرایت تھی اور کس تعلیم سے متاثر تھے؟ یہ ساری بحثیں وسیع اور تفصیل طلب ہیں سوال کے دائرہ سے بھی خارج ہیں۔

---

[۱] مزید تفصیل راقم الحروف کا مقالہ "لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر" میں دیکھنا چاہیئے۔ جو برہان جنوری ۱۹۶۱ء سے شائع ہوتا رہا ہے۔

نیٹشے۔ کانٹ۔ پستانوری۔ وغیرہ کہتے ہیں کہ نفس انسانی کا جوہر مذہبی احساس ہے اور تمدنی زندگی کے لئے مذہب بمنزلہ روح کے ہے۔ [1]

غرض موجودہ دور میں مذہب کے مذکورہ وسیع اثرات مسلم ہوں یا نہ ہوں لیکن یہ حقیقت بہر حال مسلم ہے کہ مذہب عیسوی زندگی کے ایسے اقدار دینے میں ناکام رہا جو "نشاۃ ثانیہ" کے مختلف گوشوں میں رہبری کے فرائض انجام دے سکتے نیز اس میں بالخصوص تمدنی و اجتماعی مسائل حل کرنے کی صلاحیت مفقود تھی۔ اس کے "جدید ایڈیشن" سے بعض اصلاحات ضرور ہوئیں لیکن ساتھ ہی فرقہ وارانہ خونریزی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور نہ صرف یہ کہ جدید زندگی داعی کی ضروریات کو "دو انگیز" نہ کرسکا بلکہ سمجھنے سے بھی بڑی مدت تک قاصر رہا۔

دراصل یہ "جدید ایڈیشن" فکر و عمل کا کوئی مستقل نظام نہ تھا بلکہ "پوپ" کے طرز عمل کے خلاف صدائے احتجاج کی صورت میں منظر عام پر آیا تھا، اور "ردعمل" کے طور پر صرف چند خرابیوں کے دور کرنے میں اس کا اثر ظاہر ہوا تھا مثلاً یہ کہ پوپ کی غلامی کا جوا اتار پھینکا گیا تھا "گرجا" سے حضرت مریم و عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے نکالے گئے تھے اور بعض اس قسم کے مسائل کی اصلاح ہوئی تھی جن کا زندگی کے حقائق و ناگزیر حالات سے زیادہ تعلق نہ تھا اس اصلاح شدہ "ایڈیشن" کو نہ اصول فطرت کے مطابق بنانے کی کوشش ہوئی تھی اور نہ ہی اجتماعی و تمدنی مسائل سے اس کا تعلق جوڑا گیا تھا۔

لیکن خوش قسمتی سے یہ اصلاحی تحریک ایسے دور میں ظاہر ہوئی جبکہ یورپ میں زندگی کے آثار نمایاں تھے اور اس کی اندرونی قوتیں زوال کی انتہائی منزلوں سے گذر کر مائل بہ عروج ہو چکی تھیں، اس بناء پر عمومی حیثیت سے ابتدائی مرحلہ میں اس کے اثرات خوش

---

[1] پستانوری کا فلسفہ ص ۱۸۵

ہوں۔ یہ چیزیں جس طرح ساتویں صدی عیسوی میں قابل عمل تھیں اس طرح اس بیسویں صدی میں بھی قابل عمل ہیں اور ہزاروں برس آئندہ بھی انشاء اللہ قابل عمل رہیں گی۔ اس ترقی یافتہ دور میں کسی ایسی چیز کی نشان دہی نہیں کی جاسکتی جس کی وجہ سے اسلام آج نہ چل سکتا ہو یا انسان کی رہنمائی نہ کرسکتا ہو۔ جو شخص اس معاملہ میں اسلام کو ناقص سمجھتا ہو۔ یہ اس کا کام ہے کہ کسی ایسی چیز کی نشان دہی کرے جس کے معاملے میں اسلام اس کی رہنمائی سے قاصر نظر آتا ہو۔

(۵) سیکولرازم یا دہریت درحقیقت نہ کسی روحانی ترقی میں مددگار ہیں اور نہ مادی ترقی میں۔ معراج نصیب کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ موجودہ زمانے کے اہل مغرب نے جو ترقی مادی حیثیت سے کی ہے وہ سیکولرازم یا مادہ پرستی یا دہریت کے ذریعہ سے نہیں کی بلکہ اُس کے باوجود کی ہے۔ مختصراً میری اس رائے کی دلیل یہ ہے کہ انسان کوئی ترقی اس کے بغیر نہیں کرسکتا کہ وہ کسی بلند مقصد کے لئے اپنی جان و مال، اپنے اوقات اور محنتوں کی اور اپنے ذاتی مفاد کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو۔ لیکن سیکولرازم اور دہریت ایسی کوئی بنیاد فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔ جس کی بنا پر انسان یہ قربانی دینے کو تیار ہوسکے اسی طرح کوئی انسانی ترقی اجتماعی کوشش کے بغیر نہیں ہوسکتی اور اجتماعی کوشش لازماً انسانوں کے درمیان ایسی رفاقت چاہتی ہے جس میں ایک دوسرے کے لئے محبت اور ایثار ہو۔ لیکن سیکولرازم اور دھریت میں محبت و ایثار کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے اب یہ ساری چیزیں مغربی قوموں نے مسیحیت سے بغاوت کرنے کے باوجود اُن مسیحی اخلاقیات ہی سے لی ہیں جو ان کی سوسائٹی میں روایتاً باقی رہ گئی تھیں۔ ان چیزوں کو سیکولرازم یا دہریت کے حساب میں درج کرنا غلط ہے سیکولرازم اور دہریت نے جو

جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب

۱۔ یہ سوال کئی سوالات کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اس کے ایک ایک جزو پر علیحدہ بحث کرنی ہوگی۔

(الف) جہاں تک عیسائیت کا تعلق ہے اس دور کی رہنمائی سے وہ پہلے ہی دستبردار ہو چکی ہے۔ بلکہ درحقیقت وہ کسی دور میں بھی انسانی تہذیب و تمدن کی رہنمائی نہیں کر سکی ہے۔ عیسائیت سے مراد اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ تعلیمات ہیں جو اب عیسائیوں کے پاس ہیں تو بائیبل کے عہد جدید کو دیکھ کر ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ وہ انسانی تہذیب و تمدن کے متعلق کیا رہنمائی اور کتنی رہنمائی کرتی ہے؟ اس میں بجز چند مجرد (Abstract) اخلاقی اصولوں کے سرے سے کوئی چیز موجود نہیں جس سے انسان اپنی معاشرت اور اپنی معیشت اور عدالت اور سیاست اور قانون کے متعلق کوئی ہدایت حاصل کر سکے۔ لیکن اگر عیسائیت سے مراد وہ نظام زندگی ہے جو عیسائی پادریوں نے بنایا تھا تو سب کو معلوم ہے کہ یورپ میں احیائے علوم کی نئی تحریک کے رونما ہونے کے بعد وہ ناکام ہو گیا اور مغربی قوموں نے اس کے بعد جتنی کچھ بھی مادی ترقی کی وہ عیسائیت کی رہنمائی سے آزاد ہو کر ہی کی ہے۔ اگرچہ اسلام کے خلاف عیسائیت کا تعصب اور عیسائیت کے ساتھ ایک جذباتی تعلق ان میں اس کے بعد بھی موجود رہا اور اب بھی ہے۔

(ب) جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ اپنے آغاز ہی سے تمدن و تہذیب کے معاملے میں نہ صرف یہ کہ رہنمائی کرتا رہا ہے بلکہ اس نے خود اپنا ایک مستقل تمدن اور اپنی ایک خاص تہذیب پیدا کی ہے انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو ہدایت نہ دی ہو اور ان ہدایات کے مطابق عملی ادارے قائم نہ کر دیئے

سوال ۲

اگر بیسویں صدی میں بھی اسلامی نظام قابل نفاذ ہے تو موجودہ رجحان و نظریات کی جگہ لینے میں جو مشکلات یا موانع (Handicaps) درپیش ہوں گی۔ ان کا بہترین حل ابن خلدون کے ہر دو نظریۂ حکومت و ریاست یعنی "الخلافت" یا "الحکومت" کس سے ممکن ہے؟

کام کیا ہے وہ یہ کہ مغربی قوموں کو خدا اور آخرت سے بے فکر کر کے خالص مادہ پرستی کا عاشق اور مادی لذات و فوائد کا طالب بنا دیا ہے مگر ان قوموں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جن اخلاقی اوصاف سے کام لیا وہ ان کو سیکولرازم یا دہریت سے نہیں ملے بلکہ اُس مذہب ہی سے ملے جس سے وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اسی لئے یہ خیال کرنا سرے سے غلط ہے کہ سیکولرازم یا دھریت ترقی کی موجب ہیں۔ وہ تو اس کے برعکس انسان کے اندر خود غرضی، ایک دوسرے کے خلاف کشمکش اور جرائم پیشگی کے اوصاف پیدا کرتی ہیں۔ جو انسان کی ترقی میں مددگار نہیں بلکہ مانع ہیں۔

(د) کمیونزم کے سیلاب کو روکنے کی صلاحیت کسی ایسے ہی نظام زندگی میں ہو سکتی ہے جو انسانی زندگی کے عملی مسائل کو اُس سے بہتر طریقہ پر حل کر سکے اور اس کے ساتھ انسان کو وہ روحانی اطمینان بھی بہم پہنچا سکے۔ جس کا کمیونزم میں فقدان ہے۔ ایسا نظام اگر بن سکتا ہے تو صرف اسلام کی بنیاد پر بن سکتا ہے۔

❖

بروئے کار لانے کی کوشش ہے۔ جس قدر زندگی میں اس کی معاونت ہوگی اسی لحاظ سے "خلافت" اپنے "کاز" کو آگے بڑھانے میں کامیابی حاصل کرلے گی۔

موجودہ دَور میں جس قسم کی رہنمائی ہے اور بالخصوص مسلم معاشرہ جس انداز سے اس رہنمائی کو قبول کرتا جا رہا ہے۔ اس کے پیشِ نظر "خلافت" کے راہ کی مشکلات کو سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔

اِدھر "خلافت کے بلند و بالا مقام تک پہنچنے کے لئے عادۃً بھی مختلف مرحلات اور بتدریج منزلوں سے گذرنا لازمی ہے کہ دفعۃً نہ کبھی معاشرتی زندگی میں تبدیلی ہوئی ہے اور نہ اس دَور میں ہو سکتی ہے۔

مسلم حکومتیں اس سلسلہ میں نہایت اہم پارٹ ادا کر سکتی ہیں اس لئے وسیلہ اور ذریعہ کے طور پر ان کو اپنانا اور علمی و عملی حیثیت سے حتی الامکان اس "نظریۂ" خلافت کو تقویت پہنچانا موجودہ دَور کی اہم خدمت ہے۔

یہ حکومتیں محض اس بناء پر نظر انداز نہیں کی جا سکتی ہیں کہ ان میں بڑی حد تک انسانوں کے بنائے ہوئے قانون نافذ ہیں یا ارباب حکومت اصحاب دعوت و عزیمت نہیں ہیں۔

ان حکومتوں کے ساتھ ہمارے رویہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام وہ "فرمودات" دلیل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں آپؐ نے اس دَور کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ جبکہ خلافت کا اصلی نظام درہم برہم ہو کر اس کی جگہ ملوکیت کے طرز کی حکومت قائم ہو جائے گی اور ارباب حکومت احکام شرعیہ میں من مانی کارروائی کرنے لگیں گے۔

چونکہ ملت کے قیام و بقاء کے لئے حکومت کا وجود ناگزیر ہے اس لئے رسول اللہ نے اصلاح کی کوششوں کے ساتھ اس کی اتباع کا حکم دیا ہے لیکن چونکہ یہ حکومت

امینی صاحب

(۲۱) کسی نظام کے قابل نفاذ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ "آن واحد" میں سارے جزئیات و فروع نافذ ہو کر معاشرتی زندگی میں اپنے اثرات مرتب کرنے لگیں۔

اور اگر معاشرتی ناہمواری و فریب خوردگی کی بناء پر ایسا ہوتا نہ نظر آئے تو فیصلہ کر دیا جائے کہ موجودہ دور میں یہ نظام ہی نفاذ کے قابل نہیں ہے۔

پھر اسلام اوپری سطح کی چند خرابیاں دور کر کے انہیں اعمال و اخلاق پر زیادہ زور نہیں دیتا ہے جو قومی ترقی و سربلندی کے لئے محض قومی پیمانہ پر اپنائے جاتے ہیں اور ان کا اثر مادی ترقیات کی حد تک محدود رہتا ہے۔ بلکہ اس کی اولین توجہ اندرونی قوتوں کی اصلاح پر ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ زندگی میں ایسا "کردار" پیدا کرتا ہے جو روحانی پاکیزگی کی راہ سے ابھرتا اور نشو ونما حاصل کرتا ہے۔

یہ کردار قوم و جماعت کے دائرہ تک محدود نہیں رہتا ہے بلکہ اس میں نیابت الٰہی کی شان جلوہ گر ہوتی ہے اور "تخلقوا باخلاق اللہ" (الحدیث) (اللہ کے اخلاق کو اپنے اخلاق بناؤ) کی ترجمانی کرتا ہے۔

"نیابت" میں جس قدر انسانی عالمگیر افادیت اور عمومی رحمت ملحوظ ہوتی ہے اس کا اندازہ درج ذیل تصریحات سے ہو سکتا ہے۔

الخلق کلھم عیال اللہ (الحدیث) — تمام مخلوق اللہ کی عیال ہیں۔

الناس کلھم اخوۃ (الحدیث) — تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔

دنیا عمومیت و عالمگیریت کے خواب دیکھنے کے باوجود زندگی کے اس نظریہ کے لئے ہر ابتدائی وسائل بھی نہیں فراہم کر سکی ہے۔ مسئلہ "خلافت" دراصل اسی نظریہ کو

سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کرے اور اس طرح "خلافت" کو بتدریج بروئے کار لانے کے لئے جدوجہد کرتا رہے۔

جن رجحانات و نظریات کی طرف سوال میں اشارہ ہے معلوم ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ بحیثیت مجموعی وہ ایسے معاشرہ کی تشکیل کر رہے ہیں کہ جس کی سمت ہدایت الٰہی کے "محاذ" میں واقع ہے اور نظریۂ خلافت کو بروئے کار لانے میں بڑی حد تک وہ "رکاوٹ" بنے ہوئے ہیں۔

لیکن ان میں بہت سے رجحانات و نظریات معاشرتی فلاح و بہبود کے بارے میں ایسے ہیں۔ جن کو صحیح زاویۂ نگاہ دینے کے بعد اپنایا اور قبول کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بہت بڑی حد تک نظریۂ خلافت سے متاثر یا اس سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔

دنیا میں ہمیشہ یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ ہارنے والی قوم دحکومت جانے والی سے صدہا باتیں سیکھتی اور نظام حکومت کی تشکیل میں اس کی پیروی کرتی ہے جب کہیں جا کر اپنی حکومت کو وہ "مضبوط" کر پاتی ہے۔

موجودہ دور کی ساری حکومتیں اسلام کے بعد وجود میں آئی ہیں اور ان کی تشکیل میں نہ معلوم کتنی باتیں اسلام سے لی ہوئی ہیں۔ محض افراد و اشخاص کے بدل جانے سے ان سب کو غیر اسلامی سمجھ کر نظر انداز کر دینا دور اندیشی اور خوش آئندہ مستقبل کا کوئی اچھا ثبوت نہیں ہے۔

دراصل دنیا رجحانات و خیالات کے لحاظ سے بتدریج ترقی کرتی جا رہی ہے ان میں معاشرتی فلاح و بہبود کے بارے میں بہت سے وہ رجحانات و نظریات ہیں جو دوسری شکلوں اور ناموں سے دنیا کو "خلافت" کے قریب لا رہے ہیں اس بنا،

خلافت کے طرز پر نہیں قائم ہے اور الٰہی حکمت عملی کے مطابق قوانین کا نفاذ نہیں ہو رہا ہے اس بنا پر "اقتدار" سے منع فرمایا ہے۔

"حدیث" کی تقریباً تمام کتابوں میں اس مضمون کی روایتیں بکثرت ملتی ہیں اور ان میں دو قسم کے احکام دو مختلف دَور سے متعلق بیان ہوئے ہیں

(۱) خلافت راشدہ میں امت کو خلفاء راشدین کی اطاعت و اقتداء دونوں کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) اس کے بعد ہونے والے خلفاء و سلاطین کو صرف اطاعت کا مستحق بتلایا گیا ہے۔

اقتداء اور اطاعت میں فرق ہے۔

اقتداء:۔ فکری اور عملی زندگی میں کسی کو اپنا پیشوا تسلیم کر لینا پھر اسی کی زندگی کو "نمونہ" بنا کر اس کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرنا۔

اطاعت:۔ کسی کو اپنا قومی فرمان روا تسلیم کر کے رعایا جیسی فرمانبرداری کرنا اور اس کے خلاف کوئی بات ایسی نہ کرنا جس سے یہ ثابت ہو کہ اس کو حاکم نہیں مان رہے ہیں۔

"اطاعت" ایک عام حالت ہے اور اقتداء اس سے زیادہ خاص ہے دونوں کے فرق کو نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیئے ورنہ احادیث کا محل متعین کرنے میں بڑی دشواری پیش آئے گی۔

موجودہ دَور کی مسلم حکومتیں چونکہ خلافت کے مطلوبہ نظام کے مطابق نہیں ہیں۔ ارباب حکومت بھی اس نظریہ زندگی کے مطابق پورے نہیں اترے ہیں اس لئے ان کی صرف اطاعت کا حکم ہے ان کے طور طریقوں کی پیروی (اقتداء) اور ان کے کاموں کو شرعی حیثیت دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا فرض ہے کہ جس کی طاقت جہاں تک کام دے موجودہ آئینی طریقوں کو اپناتے ہوئے حکومت و ارباب حکومت کو انہی

ہر زمانہ کے رجحانات و مالوفات کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کے طرز عمل سے استفادہ کرنا چاہیئے یہ حضرات اپنے زمانہ کے رجحانات و مرغوبات کے سلسلہ میں شمشیر بے نیام نہ تھے کہ جو بات بھی موجود دیکھی اس کو غیر آئینی قرار دے دیا یا جو چیز لوگوں کی پسندیدہ ہوئی اس سے روک دیا۔

بلکہ لوگوں کی نفسیات اور معاشرتی احوال کے پیش نظر "خذ ما صفا ودع ماکدر" (ہر اچھی چیز کو قبول کرنا اور خراب چیزوں کو چھوڑ دینا) کے اصول پر عمل کرتے رہے [۱] اس طریق سے ہر دور میں بہت سے رجحانات و مالوفات نظام الہیٰ کا جز بنتے رہے اور بدستور ان پر عمل درآمد باقی رہتا رہا۔ البتہ یہ حضرات ترک و قبول کے ہر مرحلہ میں دو باتوں کا لحاظ ضروری سمجھتے تھے۔

(۱) معاشرہ کی حالت اور عوامی شعور کی کیفیت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ۔

(۲) ان میں ہدایت الہٰی کی روح پھونکنا اور الہٰی سانچہ میں اس طرح ڈھالنا کہ وہ نظام الہٰی میں فٹ ہو جائیں۔

موجودہ رجحانات و نظریات جو معاشرتی زندگی میں رائج ہیں اور ان سے بہتر نتائج برآمد ہو رہے ہیں ان سب سے قطع نظر کر کے اسلام کی مجوزہ روزگار "تعبیر و توجیہ" کرنا یا اس انداز سے پیش کرنا کہ اس کا نفاذ عملاً ناممکن نظر آئے میرے نزدیک اسلام کی یہ کوئی اچھی خدمت نہیں ہے۔

ترک و قبول کے مرحلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا وہ بیان بالخصوص مفید رہے گا۔ جس میں انہوں نے مروجہ مراسم و قوانین کا تذکرہ کر کے انبیاء کی طرز عمل کی نشاندہی کی ہے [۲]

---

[۱] ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ص ۹۰ و ۱۰۳ - ۱۲۳ [۲] حجۃ البالغہ

پر خلافت کی کوشش اور جد و جہد میں ان کو ہر گز نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیئے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات اور پیغمبرانہ طرز عمل سے اسی کا ثبوت ملتا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے۔

یامرھم بالمعروف وینھھم عن المنکر ۔ وہ پیغمبر لوگوں کو "معروف" کا حکم دیتا اور "منکر" سے روکتا ہے

"معروف" کی تعریف میں مفسر قرآن نے نہایت دقیق اور نکتہ کی بات کہی ہے۔

والمعروف ما حسّنہ الشرع والعقل[1] معروف وہ ہے جسکی شرع اور عقل تحسین کرے

اِس تصریح کے مطابق ہر دور زمانہ کے وہ رجحانات و نظریات جو عقل و شرع کے خلاف نہ ہوں "معروف" میں داخل ہوں گے۔

قرآن حکیم کی اس تعبیر میں بڑی وسعت و گنجائش ہے اس سے معاشرتی فلاح و بہبود سے متعلق ہر اچھے رجحان و قوانین کی قدر شناسی و حوصلہ افزائی کا ثبوت ملتا ہے۔

البتہ "معروف" و منکر کی شناخت میں ہدایت الٰہی کی عطا کی ہوتی روشنی ہی معیار بن سکتی ہے کہ اس کے بغیر قومی اندیشہ ہے کہ "جرائم" و "جواہر" میں امتیاز نہ باقی رہیگا اور لاعلمی کی حالت میں بہت سے "جرائم" جواہر کے روپ میں معاشرتی زندگی کی نمو بخش صلاحیت پر اثر انداز ہوتے رہیں گے۔

غرض ان رجحانات و نظریات کو اصلاحی و انتقامی نقطۂ نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے ان میں سے بعض بعینہٖ اختیار کرنے کے لائق ہوں گے اور بعض میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت ہوگی اور بعض کو بتدریج ختم کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

---

[1] احکام القرآن للجصاص ص۱۳۳

ہمارے تعلیمی نظام کی پیداوار تھے اور ہر ملازمت ان لوگوں کے لئے مخصوص کردی
جو اُن کے قائم کردہ نظام تعلیم سے فارغ ہوکر نکلے تھے۔ معاشی زندگی میں بھی اپنے ادارے
اور طور طریقے رائج کئے اور معیشت کا میدان بھی رفتہ رفتہ اُن لوگوں کے لئے مخصوص ہوگیا
جنہوں نے مغربی تہذیب و تعلیم کو اختیار کیا تھا۔ اس طریقہ سے انہوں نے ہماری تہذیب
اور ہمارے تمدن اور اس کے اصولوں اور نظریات سے انحراف کرنے والی ایک نسل
خود ہمارے اندر پیدا کردی جو اسلام اور اس کی تاریخ۔ اس کی تعلیمات اور اس کی روایات
ہر چیز سے عملی طور پر بھی بیگانہ ہے اور اپنے رجحانات کے اعتبار سے بھی بیگانہ۔ یہی وہ
چیز ہے جو دراصل ہمارے اسلام کی طرف پلٹنے میں مانع ہے اور یہی اس غلط فہمی کا موجب
بھی ہے کہ اسلام اس وقت قابل عمل نہیں ہے۔ جن لوگوں کو ساری تعلیم اور تربیت
غیر اسلامی طریقے پر دی گئی ہو وہ آخر اس کے سوا اور کہہ بھی کیا سکتے ہیں کہ اسلام قابل عمل
نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو وہ اسلام کو جانتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار کئے
گئے ہیں۔ جس نظام زندگی کے لئے وہ تیار کئے گئے ہیں اسی کو وہ قابل عمل تصور کر سکتے
ہیں۔ اب لامحالہ ہمارے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ یا تو ہم من حیث القوم کافر
ہو جانے پر تیار ہو جائیں اور خواہ مخواہ اسلام کا نام لے کر دُنیا کو دھوکا دینا چھوڑ دیں۔
یا پھر خلوص اور ایمانداری کے ساتھ (منافقانہ طریق سے نہیں) اپنے موجودہ نظام تعلیم
کا جائزہ لیں اور اس کا پورے طریقہ سے تجزیہ کرکے دیکھیں کہ اس میں کیا کیا چیزیں ہم
کو اسلام سے منحرف بنانے والی ہیں اور اس میں کیا تغیرات کئے جائیں جن سے ہم ایک
اسلامی نظام کو چلانے کے قابل لوگ تیار کر سکیں۔ مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ
کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے تعلیمی کمیشن نے اس مسئلہ کی طرف کوئی اچٹتی ہوئی توجہ بھی

حاصل یہ کہ خلافت کو مقصد کے درجہ میں اور حکومت کو وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت میں رکھا جائے اور بتدریج بہتر صورت کی جدوجہد جاری رہے بالخصوص مذہبی تنظیم اور اس کے ذریعہ رفاہ عام کے کاموں کو نمایاں حیثیت دی جائے۔ اسی طرح موجودہ رجحانات و نظریات میں اسلامی شرع و مقصد کے پیش نظر فراخ حوصلگی سے کام لیا جائے نیز بتدریج مختلف تدبیروں (تعلیم و تربیت وغیرہ) کے ذریعہ اعتدال و توازن پیدا کرنے کی کوشش ہوتی رہے تو آسانی مشکلات پر قابو پانے کی راہیں نکل سکتی ہیں اور منزل بہ منزل خلافت تک پہنچنے میں زیادہ دشواری نہیں رہتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الحکمۃ ضالۃ المومن حیث وجدھا فھو احق بھا (الحدیث)

حکمت و دانائی مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں بھی اسکو پائے وہ سب سے زیادہ مستحق ہے

اس حدیث میں جس طرح "مومن" کی طرف اضافت سے اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قبول کرنے سے احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو کہ وہ اسی کی چیز ہے اس سے زیادہ اس بات کی رعایت ہے کہ مومن کو فراخ حوصلہ اور وسیع النظر ہونا چاہیئے۔

مودودی صاحب

۲۔ اس زمانے میں اسلامی نظام کو جو چیز نافذ ہونے سے روک رہی ہے اور جو رجحانات اور نظریات اس کے راستے میں سدِّراہ ہیں ان کا اگر تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ انہیں مسلمان ملکوں پر مغربی قوموں کے طویل سیاسی غلبہ نے پیدا کیا ہے۔ مغربی قومیں جب ہمارے ملکوں پر مسلط ہوئیں تو انہوں نے ہمارے قانون کو ہٹا کر اپنا قانون ملک میں رائج کیا۔ ہمارے نظام تعلیم کو معطل کر کے اپنا نظام تعلیم رائج کیا۔ تمام چھوٹی بڑی ملازمتوں سے اُن سب لوگوں کو برطرف کیا جو

سوال ۳

اگر اسلامی نظریہ حکومت کی افادیت بین الاقوامی طور پر عوامی جمہوریت کی شکل میں تسلیم کر لی جائے تو

(ا) بالخصوص مسلم ممالک میں کیا سربراہ حکومت (The Head of the State) ایک مسلمان کے علاوہ ایک غیر مسلم بھی (خواہ قائم مقام سربراہ ملک کی حیثیت سے ہی) عہدہ سنبھال سکے گا؟ یا

(ب) اس وقت قانون ساز اسمبلی کا اسپیکر غیر مسلم چنا جا سکے گا؟

(ج) یا عدلیہ کے کسی منصب پر فائز ہو سکے گا جیسا کہ پاکستان میں ایک رومن کیتھولک عیسائی (اپنی انصاف پسندی، قابلیت seniority کی بناء پر) چیف جسٹس جیسے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہے؟۔

(د) اگر اسلامی مملکت میں یہی نظم قائم رہے۔ کیونکہ تمام ڈھانچہ (Set-up) یکدم بدل دینا ممکن نہ ہوگا۔ تو کیا پھر بھی قابلیت پر مذہب کو ہی ترجیح دینا اس ترقی یافتہ دور میں مبنی بر انصاف ہوگا؟۔

نہیں کی۔ یہ مسئلہ بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہے اور جب تک ہم اسے حل نہیں کرلیں گے اس وقت تک اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ کبھی ہموار نہ کرسکیں گے۔

ابن خلدون کے کسی نظریہ کی طرف رجوع کرنے سے اس مسئلہ کے حل کرنے میں مدد نہیں مل سکتی کیونکہ اس مسئلہ کی جو نوعیت اب پیدا ہوئی ہے وہ ابن خلدون کے زمانے میں پیدا نہیں ہوئی تھی مسئلہ کی حقیقی نوعیت یہ ہے کہ مغربی استعمار رخصت ہوتے ہوئے ہمارے ملکوں میں اُس نسل کو حکمران بناکر چھوڑ گیا ہے جس کو اس نے اپنی تعلیم اور اپنی تہذیب کا دودھ پلا پلا کر اس طرح تیار کیا تھا کہ وہ جسمانی حیثیت سے تو ہماری قوم کا حصّہ ہے لیکن علمی اور ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے انگریزوں فرانسیسیوں یا ولندیزیوں کا پورا جانشین ہے۔ اس طبقہ کی حکومت جو مشکلات پیدا کرتی ہے ان کو رفع کرنے کا معاملہ ایک پیچیدہ معاملہ ہے جسے حل کرنا ابن خلدون کے نظریات کا کام نہیں۔ اس کے لئے بڑے سنجیدہ غور و فکر کی اور حالات کو سمجھ کر اصلاح کے لئے نئی راہیں نکالنے کی ضرورت ہے۔

❁

اسی طرح حکومت کی مضبوطی و استواری کے لئے ضروری ہے کہ عوام میں اس کا احترام برقرار رہے یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ سربراہ حکومت اصول و نظریات پر ایمان رکھتا ہو ورنہ بصورت دیگر عوام سے حکومت کی گرفت ڈھیلی ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

غرض داخلی و خارجی متعدد وجوہ کی بناء پر تاریخ کے ہر دور میں اور آج بھی ہر اصولی و نظریاتی حکومت میں سربراہ کے لئے اصول و نظریات کا حامل ہونا ضروری قرار دیا جاتا ہے۔

نظم حکومت اگر قوم و وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ اصول و نظریات کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور بتدریج اس کو خلافت کے عالمگیر اصول اور عمومی رحمت کو بروئے کار لانا ہے تو سربراہ حکومت کا مسلم (اصول و نظریات پر ایمان والا) ہونا ضروری ہے۔

قرآن حکیم میں ہے۔ یاایہاالذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ———— ترجمہ:۔ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں صاحب حکم و اختیار ہوں۔

یہ خطاب ایمان والوں سے ہے اور "کم" ضمیر مخاطب کی ہے جس سے اہل ایمان مراد ہیں۔

"تکوین حکومت" کے مرحلہ میں سربراہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ حکومت کے معاملات و مسائل سے بخوبی واقف ہو اور حمیت و غیرت ہو کہ جس کی بناء پر عوام میں اس کا احترام برقرار رہے نیز مزاحمت و مدافعت کے وقت پر جوش اور مضبوط قدم اٹھانے میں جھجک نہ محسوس کرے۔

اس مرحلہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ پورے معاشرہ میں وہ سب سے افضل و

الٰہی صاحب

۱۴۔ حکومتیں عموماً دو بنیادوں پر قائم ہوتی ہیں۔

۱) قوم و وطن رنگ و نسل اور فرقہ کی بنیاد پر ۲) اصول و نظریات کی بنیاد پر۔

اول الذکر میں حکومت کی پالیسی اور دستوری پوزیشن چند اشخاص طے کرتے ہیں اور حالات و تقاضہ کے مناسب ان کے خیال میں جو صورت حال مناسب ہوتی ہے وہ اس کو اختیار کرتے جاتے ہیں۔ اور ثانی الذکر میں بنائے کار اصول و نظریات ہوتے ہیں۔ حکومت کا مزاج انہیں سے بنتا ہے اور انہیں سے اخذ کی ہوئی وہ روح و پالیسی ہوتی ہے جو حکومت کے ذریعہ فروغ حاصل کرتی ہے اس میں قوم و وطن رنگ و نسل اور فرقہ یہ پوزیشن نہیں اختیار کرتے ہیں کہ ان کی وجہ سے اصولی حکومت کی نوعیت میں تبدیلی کی جائے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کی افادیت اور غیر جارحیت کا ثبوت فراہم کر کے ان اضافتوں کو ثانوی حیثیت دینے کی کوشش ہوتی ہے۔

" سربراہ حکومت " کئی حیثیتوں سے مرکز توجہ ہوتا ہے اگر وہ اصول و نظریات کا حامل نہ ہو تو حکومت کی صیانت و حفاظت کے لئے فطری طور پر جس قسم کی حمیت و غیرت درکار ہے وہ اس میں برقرار نہیں رہ سکتی ہے شخصی مفاد کی خاطر جس طرح قوم و وطن کو قربان کرنے کی مثالیں موجود ہیں اسی طرح قوم کی خاطر شخصی مفاد کو قربان کرنے کی مثالیں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ اصول و نظریات پر ایمان سے جو حمیت و غیرت پیدا ہوتی ہے اور قیام و بقاء کی جد و جہد میں جس حیثیت سے وہ اثر انداز ہوتی ہے اس کا مقابلہ اور کسی وجہ سے پیدا ہونے والی حمیت و غیرت نہیں کر سکتی ہے۔

تو ہمیں بتایا جائے کہ انگلستان میں کیا ایک رومن کیتھولک بادشاہ ہو سکتا ہے یا امریکہ میں کسی کمیونسٹ کو صدارت کا منصب دیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر ہم پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے۔

٭

سوال ۴

اسلامی مملکت میں اقلیتی فرقوں کو مثلاً عیسائی، یہودی، بدھ، جین، پارسی، ہندو وغیرہ کو دیگر مسلمانوں کی طرح پورے حقوق حاصل ہوں گے؟

(ا) کیا ان کو اپنے مذہب کی تبلیغ بھی اسی طرح کرنے کی اجازت ہوگی جیسا کہ آج کل پاکستان اور دیگر ممالک میں کھلے بندوں پرچار ہوتا ہے؟

(ب) کیا اسلامی مملکت میں ایسے مذہبی یا نیم مذہبی ادارے مثلاً ادارہ مکتی فوج (Salvation Army) یا کیتھیڈرل، کانونٹ، سینٹ جان و سینٹ فرانسس وغیرہ جیسے ادارے کیا قانوناً بند کر دیئے جائیں گے (جیسا کہ حال ہی سیلون میں ہوا یا دو ایک ممالک میں ہو چکا ہے)؟

(ج) فراخدلی سے غیر مسلمان بچوں کو وہاں بھی ماڈرن ایجوکیشن حاصل کرنے کی عام اجازت ہوگی؟

(د) کیا اس صدی میں بھی ان اقلیتی فرقوں سے جزیہ وصول کرنا مناسب ہوگا۔ (عالمی حقوق انسانی کی روشنی میں بھی) جبکہ وہ نہ صرف فوج بلکہ سرکاری عہدوں پر فائز اور حکومت کے وفادار ہوں۔؟

اعلیٰ اور کردار کے لحاظ سے سب سے بلند ہو۔ قرآن حکیم میں جالوت و طالوت کا واقعہ مذکور ہے ۲ : ۲۴۹۔ طالوت کو حکومت و فرمانروائی کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت سموئیل نبیؑ موجود ہیں جو سب سے اعلیٰ و افضل اور کردار کے لحاظ سے سب سے بلند ہیں۔ اس واقعہ میں حکومت و فرمانروائی کے اصولی قسم کی دو صلاحیتوں کا ذکر ہے۔ فی العلم والجسم ۲ = ۲۴۹ یعنی دماغی وجسمانی قابلیت کے اس کے ذریعہ حکومت کے کاروبار بخوبی انجام پا سکیں نہ کہ مال و دولت اور نسل و خاندان کا شرف۔

البتہ خلافت کے مرحلہ میں "سربراہ" کی حیثیت معاشرہ میں مقتدا و پیشوا کی ہوتی ہے اس لئے اس کو ہر صفات کے ساتھ متصف ہونا اور سب سے اعلیٰ و افضل ہونا ضرور قرار دیا جائے جیسا کہ کتب متداولہ میں مذکور ہے۔

سوال کی بقیہ جزئیات گذشتہ تفصیلات سے حل کی جا سکتی ہیں۔

مودودی صاحب

۳۔ اگر اسلامی نظریہ پر کوئی حکومت قائم ہو تو اس کا سربراہ مملکت یا چیف جسٹس یا اس کی قانون ساز اسمبلی کا صدر کوئی غیر مسلم نہیں ہو سکتا۔ اس کے معنی قابلیت پر مذہب کو ترجیح دینے کے نہیں ہیں۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ ایک نظریاتی مملکت میں اس طرح کے مناصب صرف انہی لوگوں کو دیئے جا سکتے ہیں جو اس کے بنیادی نظریہ کو مانتے ہوں۔ نظریاتی مملکت میں قابلیت محض علمی قابلیت کا نام نہیں ہوتا بلکہ اس میں اس نظریہ کو جس پر مملکت قائم کی گئی ہے جاننا اور اس کی اسپرٹ کو سمجھنا اور ایمانداری کے ساتھ اس کو عمل میں لانا بھی قابلیت ہی کا ایک لازمی جزو قرار دیا جاتا ہے۔ اس پر اگر کسی کو اعتراض ہے

انهم امۃ واحدۃ[۲] "یہ سب لوگ (جن کے آپس میں معاہدہ ہوا ہے) ایک ہی امت سمجھے جائیں گے"۔

مدینہ مختلف قبیلوں اور مختلف مذہبوں کا مجموعہ تھا معاہدہ کے مطابق ہمیشہ ان کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کیا گیا ان سب لوگوں کو زمانۂ خلافت میں عدالتی و قانونی خود مختاری حاصل تھی۔ البتہ انہیں اس بات کی اجازت تھی کہ اپنی خوشی سے چاہیں تو اسلامی عدالت میں مقدمہ پیش کر سکتے ہیں چنانچہ اس قسم کے بعض مقدمات کی سماعت رسول اللہ نے خود فرمائی تھی اور ان کے قانون شخصی کے مطابق فیصلہ دیا تھا۔[۳]

مذہبی مراسم و احکام کی بھی اقلیتوں کو پوری آزادی حاصل ہوگی اس کے ثبوت میں بھی بے شمار مثالیں موجود ہیں ان اقلیتوں کی حیثیت تو معاہدین کی ہے اسلام نے جن پر غلبہ سے فتح حاصل کی تھی ان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ تاریخ میں ضرب المثل ہے جیسا کہ ابو عبیدؒ ممالک مفتوحہ کے ذکر کے بعد کہتے ہیں۔

فھذہ بلادُ العنوۃ واقرا ھلھا فیھا علیٰ ملکھم وشرائعھم

یہ تمام ممالک غلبہ سے فتح کئے گئے تھے اور ان کے باشندے اپنے اپنے مذہب اور رسم و رواج پر باقی رکھے گئے تھے[۴]

ایک دوسرے موقع پر انہیں لوگوں کے تذکرہ میں ہے۔

فھم احرار فی شھاداتھم و مناکحاتھم و مواریثھم و جمیع احکامہم

یہ سب لوگ اپنی شہادتوں نکاح کے معاملوں میں وراثت کے قانون میں غرض اپنے تمام پرسنل قوانین میں آزاد تھے[۵]

---

[۲] سیرت ابن ہشام جلد ۱ وکتاب الاموال لابی عبیدؒ صہ ۲۰۴-۲۰۵ از اسلام کا زرعی نظام [۳] رسول اللہ کی سیاسی زندگی [۴] الاموال صہ ۱۰۱ [۵] حوالہ بالا صہ ۱۰۴۔

ایلیٹی صاحب

۴۔ تمام اقلیتی فرقوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ ملکی حقوق میں کسی قسم کی تخصیص وترجیح کی صورت نہ پیدا کی جائے گی جس نظام کی بنیاد نفس انسان کی فلاح وبہبود پر ہو "الناس کلھم اخوۃ" (تمام انسان بھائی بھائی ہیں)۔ اس میں تخصیص وترجیح کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ خلافت راشدہ کی بیشمار مثالیں ثبوت کے لئے موجود ہیں۔ حالات اگر اجازت دیں اور وہ خود مختار وحدت کی شکل میں رہنا چاہیں تو اس کا بھی ثبوت موجود ہے چنانچہ کلیسائی تاریخ جغرافیہ کے قاموس میں ایک رومن کیتھولک پادری نے لکھا ہے۔

"مسلمان عربوں کو یعقوبی (جاکوبائٹ) عیسائیوں نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا مسلمانوں کی سب سے اہم جدت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا یہ تھی کہ انہوں نے ہر مذہب کے پیروؤں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا اور اس مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیاوی اور عدالتی اقتدارات عطا کئے"۔ ؎

دراصل موجودہ دور کی اقلیتوں کی حیثیت معاہدین جیسی ہے اور تقریباً وہی پوزیشن ہے جو مدینہ میں رسول اللہ کے ہجرت کرنے کے بعد دیگر مذاہب والوں کی تھی اور رسول اللہ نے ان کے لئے فرمایا تھا۔

؎ عہد نبوی میں نظام حکمرانی بحوالہ ہسٹری آف دی لا آف نیشن۔

دی جائے گی۔

اسلامی نظام میں "لا اکراہ فی الدین" کا عام اعلان میں مذہبی افادیت وصلاحیت خود بخود اس کی طرف آنے پر مجبور کرے گی۔

معاہدات میں درج ذیل الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے تبلیغ کی اجازت کا ثبوت ملتا ہے۔

ولا یحال بینھم وبین شرائعھم[۱] انکے اور مذہبی امور کے درمیان حائل نہ بنایا جائیگا۔

جزیہ دراصل جان ومال کی حفاظت کا معاوضہ تھا اُس زمانہ کے حالات کے مطابق مقامی طور پر حفاظت کے لئے مستقل فوج کی ضرورت ہوتی تھی اس حفاظت کے عوض میں جزیہ کے نام سے ٹیکس وصولی کرنے کا دستور قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا۔ جب یہ حفاظت نہ ہوسکتی تو وصول کیا ہوا یہ ٹیکس بھی واپس کردیا جاتا تھا چنانچہ ابوعبیدہؓ نے شہر کے حاکموں کو یہ فرمان لکھا تھا۔

ان تردوا علیھم ما جبی بھم من الجزیۃ والخراج

کہ خراج اور جزیہ کی جو رقم وصول کرچکے ہیں وہ واپس کردیں اور یہ کہہ دیں۔

انکم قد اشترطتم علینا ان نمنعکم وانا لا نقدر علی ذلک وقد رددنا علیکم ما اخذنا منکم ونحن لکم علی الشروط

"ہم اس شرط کو نہ پورا کرسکیں گے جس کا تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری حفاظت ہمارے ذمہ ہے اب ہم اس کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ اس لئے جو کچھ وصول کیا تھا واپس ہے اور ہم اپنے شرط پر بدستور قائم ہیں۔"

اسی طرح جو لوگ فوج میں شریک ہوکر حفاظت میں مدد کرتے تھے ان سے جزیہ بھی نہ لیا

---

[۱] طبری بحوالہ الفاروق   [۲] کتاب الخراج ص۱۴۱

فقہ اسلامی میں یہاں تک تصریح ہے کہ اگر کوئی مسلم ان کے خنزیر یا شراب کو تلف کر دے تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

ویضمن المسلم قیمۃ خمرہ وخنزیرہ اذا اتلفہ

مسلمان خمر اور خنزیر کو تلف کر دے تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

غرض کسی حیثیت سے بھی حکومتی سطح پر ان کے پرسنل معاملات میں دخل اندازی نہ کی جائے گی جس نظام نے فوجیوں کو یہ تاکید کی ہو کہ

ولا تنزوا معاھدا ابرۃ فما فوقھا ؎۶ کوئی فوجی کسی معاہد کی سوئی یا اس سے کمتر شئی کا بھی نقصان نہ کرے۔

اس میں کسی ظلم و زیادتی یا حق تلفی کی کیا گنجائش رہ سکتی ہے اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جو آج بھی دنیا کے لئے درس عبرت ہیں ؎۳

ملکی و مذہبی حقوق میں مساوات کا اندازہ درج ذیل تصریح سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ ایک نسطوری پادری نے خلافت راشدہ کے زمانہ میں جو تاثرات قلمبند کئے تھے وہ یہ ہیں

یہ طائی (عرب) جنہیں خدا نے آج کل حکومت عطا فرمائی ہے جو ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے مطلق برسرپیکار نہیں ہیں بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں ہمارے پادریوں اور مقدس لوگوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں ؎۴

اقلیتوں کو اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت ہوگی اور ان کے ہر قسم کی تعمیری خدمات کی حوصلہ افزائی کی جائیگی۔ البتہ جارحانہ طرز عمل کی اجازت کسی مذہب والوں کو نہ

؎۳ ملاحظہ ہو اسلام کا زرعی نظام ص۵۴، ۵۵ وغیرہ ؎۴ عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص۱۲۸ بحوالہ پادری اسمعانی اور دخویے کی کتاب۔ ؎۶ الاموال ص۱۵۱

غیر مسلم حکومتوں کا طرزِ عمل منافقانہ ہے اور اسلامی حکومت کا طرزِ عمل صاف صاف ایماندارانہ۔ مسلمان اس بات کو صاف صاف کہتے ہیں اور اس پر عملدرآمد کرنے میں خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری ملحوظ رکھتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی شرافت اور فراخ دلی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ غیر مسلم بظاہر کاغذ پر قومی اقلیتوں (National minorities) کو سب قسم کے حقوق دے دیتے ہیں مگر عملاً انسانی حقوق تک نہیں دیتے۔ اس میں اگر کسی کو شک ہو تو دیکھ لے کہ امریکہ میں سیاہ فام لوگوں (Negroes) کے ساتھ اور روس میں غیر کمیونسٹ باشندوں کے ساتھ اور چین و ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ خواہ مخواہ دوسروں سے شرما کر ہم اپنے مسلک کو صاف صاف کیوں نہ بیان کریں اور اس پر صاف صاف کیوں نہ عمل کریں۔

جہاں تک غیر مسلموں کی تبلیغ کا معاملہ ہے اس کے بارے میں یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جب تک ہم بالکل خودکشی کے لئے ہی تیار نہ ہو جائیں ہمیں یہ حماقت نہ کرنی چاہئے کہ اپنے ملک کے اندر ایک طاقتور اقلیت پیدا ہونے دیں جو غیر ملکی سرمایہ سے پرورش پائے اور بڑھے اور جس کی پشت پناہی بیرونی حکومتیں کر کے ہمارے لئے وہی مشکلات پیدا کریں جو ایک مدت دراز تک ٹرکی کے لئے عیسائی اقلیتیں پیدا کرتی رہی ہیں۔

عیسائی مشنریوں کو یہاں مدارس اور ہسپتال جاری رکھ کر مسلمانوں کے ایمان خریدنے کی کوشش کرنے اور مسلمانوں کی نئی نسلوں کو اپنی ملت سے بیگانہ (De-Nationalise) کرنے کی کھلی اجازت دینا بھی میرے نزدیک قومی خودکشی ہے ہمارے حکمران اس معاملے میں انتہائی کم نظری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ ان کو قریب کے فائدے تو نظر آتے ہیں۔ مگر دور رس نتائج دیکھنے سے ان کی آنکھیں عاجز ہیں۔

جاتا تھا۔ خود حضرت عمرؓ نے فوج میں شرکت کرنے والوں کے بارے میں عراق کے افسروں کو لکھا تھا۔

ویرفعوا عنہم الجزاء [۴] ان سے جزیہ ہٹا دو۔

اگر سال میں ایک مرتبہ شرکت ہو جاتی تو پورے سال کا جزیہ معاف ہو جاتا تھا۔

وضع عنہ جزاء تلک السنۃ [۵] اس سال کا جزیہ معاف کر دیا جاتا۔

غرض جزیہ جان و مال کی حفاظت کا معاوضہ تھا نہ کہ مذہبی ٹیکس۔ اسلامی حکومت میں چونکہ اقلیتیں فوج میں شریک اور ملکی حفاظت و مدافعت میں حصہ دار ہوں گی اس بناء پر موجودہ دور میں ان سے مخصوص جزیہ وصول کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

مودودی صاحب

۴۔ اسلامی مملکت میں غیر مسلم گروہوں کو تمام مدنی حقوق (Civil Rights) مسلمانوں کی طرح حاصل ہوں گے۔ مگر سیاسی حقوق (Political Rights) مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر سوال نمبر ۲ میں بیان کی گئی ہے۔ اسلام میں ریاست کے نظام کو چلانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور مسلمان اس بات پر مامور ہیں کہ جہاں بھی ان کو حکومت کے اختیارات حاصل ہوں وہاں وہ قرآن اور سنت کی تعلیمات کے مطابق حکومت کا نظام چلائیں چونکہ غیر مسلم نہ قرآن اور سنت کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں اور نہ اس کی اسپرٹ کے مطابق ایمانداری سے کام چلا سکتے ہیں اس لئے وہ اس ذمہ داری میں شریک نہیں کئے جا سکتے البتہ نظم و نسق میں ایسے عہدے ان کو دئے جا سکتے ہیں جن کا کام پالیسی بنانا نہ ہو۔ اس معاملہ میں

---

[۴] طبری [۵] حوالہ بالا

سوال ۵

کیا اسلامی ملک میں اُن مغربی مستشرقین غیر مسلم اسکالرز اور پروفیسروں کو تعلیم یا تقریر کے لئے مدعو کیا جا سکتا ہے۔ جنہوں نے اپنے نقطۂ نظر سے اسلام کے موضوعات پر کتابیں لکھتے ہوئے نہ صرف اسلام پر بے جا تنقیدی تبصرے کئے ہیں بلکہ عمداً یا کم علمی و تعصب سے اسلامی تاریخ لکھنے میں حضور اکرم، اہل بیت، خلفائے راشدین، صحابہ کرام و آئمہ کرام (جن پر اسلام اور مسلمانوں کو فخر ہے۔) کی شان میں نازیبا فقرات لکھ کر ہدف ملامت بنایا ہے۔ مثلاً امریکی و برطانوی قابل ترین پروفیسروں کی نظر ثانی شدہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں بھی دیگر اعتراضات کے علاوہ رسول مقبول کی ازواج مطہرات کو (concubines) (لونڈیاں) لکھا ہے

(الف) ان میں اکثر کے یہاں آ کر لیکچر اور خطبات دینے اور ان کی تشہیر کرنے پر کیا اسلامی حکومت بالکل پابندی عائد نہ کر دے گی؟

(ب) ان کتابوں اور زہر آلودہ لٹریچر کی ہماری لائبریریوں میں موجودگی گوارا کی جا سکتی ہے؟ حکومت ان کے جوابات و تردید شائع کرنے، اُن کی تصحیح کرانے یا اُن سے رجوع کرانے کے لئے کیا اقدام کر سکتی ہے؟

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں سے جزیہ لینے کا حکم اس حالت کے لئے دیا گیا ہے.
جبکہ وہ یا تو مفتوح ہوتے ہوں یا کسی معاہدہ کی رو سے جزیہ دینے کی واضح شرط پہ
اسلامی حکومت کی رعایا بنائے گئے ہوں. پاکستان میں چونکہ یہ دونوں صورتیں پیش
نہیں آئی ہیں. اس لئے یہاں غیر مسلموں پہ جزیہ عائد کرنا میرے نزدیک شرعاً
ضروری نہیں ہے۔

تاریخ کے متعلق اپنے ہم مذہبوں کے سوا کسی کی رائے کو ذرہ برابر دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے۔ یہودیوں نے اپنی انسائیکلوپیڈیا (Jewish Encyclopaedia) شائع کی ہے اور اس میں کوئی ایک مضمون (Article) بھی کسی مسلمان تو درکنار کسی عیسائی مصنف کا بھی نہیں ہے۔ بائبل کا ترجمہ بھی یہودیوں نے اپنا کیا ہے عیسائیوں کے ترجمے کو وہ ہاتھ نہیں لگاتے۔ اس کے برعکس یہودی مصنفین اسلام کے متعلق مضامین اور کتابیں لکھتے ہیں اور مسلمان ہاتھوں ہاتھ ان کو لیتے ہیں اور ان کا یہ حق مانتے ہیں کہ ہمارے مذہب اور ہماری فقہ اور ہماری تہذیب اور ہمارے بزرگوں کی تاریخ کے متعلق وہ محققانہ کلام فرمائیں اور ہم یہ چیزیں ان سے سیکھیں۔ یہ صورت حال کسی صحیح اسلامی حکومت میں نہیں رہ سکتی اور نہ رہنی چاہیئے اور کوئی وجہ نہیں کہ رہ سکے۔ اسلامی حکومت بھی ہو اور اسلام اور مسلمان یتیم بھی ہوں؟ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہیں۔ یہ روش مسلمانوں کی غیر اسلامی حکومت ہی کو مبارک رہے۔

امینی صاحب

(۵) اسلامی مذاکرات۔ اس کی افادی حیثیت کی رونمائی۔ تعلیمات کی نشر و اشاعت افادہ و استعادہ کے مواقع فراہم کرنا وغیرہ بہرحال حکومت کے فرائض میں داخل ہوں گے کہ اس کے بغیر وہ اپنی حکومتی پوزیشن برقرار ہی نہیں رکھ سکتی ہے، مشنری طرز کی تنظیم و رفاہ عام کے کاموں کا بندوبست بھی ضروری ہوگا۔

اسی طرح اس سلسلہ میں لوگوں کے جو شکوک و شبہات ہوں گے ان کو دور کرنے کی تدبیریں کرنا اور ایسی سہولتیں فراہم کرنا کہ آزادانہ غور و فکر کے ذریعہ اصل حقیقت تک وہ پہنچ سکیں یہ بھی حکومت کے لئے ضروری ہوگا۔ البتہ کسی مذہب و ملت کی ایسی جارحانہ پوزیشن نہ برداشت کی جا سکے گی کہ جس سے توہین لازم آتی ہو یا افادی حیثیت مجروح ہو۔ علم و عقل کی روشنی میں جائز اور مہذب تنقید کو انگیز کر کے افہام و تفہیم کی صورتیں ضرور نکالی جائیں گی۔

مودودی صاحب

یہ زمانے کے انقلابات ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ یورپ کے عیسائی اندلس (Spain) جا کر مسلمانوں سے انجیل کا سبق لیا کرتے تھے۔ اب معاملہ اتنا ہو گیا ہے کہ مسلمان یورپ والوں سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کیا ہے اور اسلام کی تاریخ اور اس کی تہذیب کیا ہے حتیٰ کہ عربی زبان بھی مغربی مستشرقین سے سیکھی جاتی ہے مغربی ممالک سے استاد درآمد کر کے ان سے اسلامی تاریخ پڑھوائی جاتی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ وہ لکھتے ہیں نہ صرف اسے پڑھا جاتا ہے۔ بلکہ اس پر ایمان بھی لایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ خود اپنے مذہب اور اس کی

ایلچی صاحب

۶۔ جدید ضروریات کے ماتحت جو جدید حالات و مسائل درپیش ہوں گے ان میں مقصد کو برقرار رکھتے ہوئے بتدریج متوازن راہ نکالے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ ابتدا میں لازمی طور سے مقصد تک پہنچنے کے لئے بہت سی ایسی چیزیں قبول کرنی یا نظر انداز کرنی ضروری ہوں گی جو آگے چل کر اپنی موجودہ پوزیشن میں نہ باقی رہ سکیں گی۔ اس طرح بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کرنے کی گنجائش ہوگی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کڑی شرطیں منظور فرمائی تھیں۔ اس میں اسلامی سیاست خارجہ اور بیرونی ممالک سے تعلقات استوار رکھنے کے سلسلہ میں واضح مثالیں موجود ہیں۔ [۱]

اسی طرح ترک و قبول کے مرحلہ میں معاشرتی اصول و کوائف پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس کا ثبوت درج ذیل واقعہ میں ہے حطیم خانہ کعبہ کا ایک حصہ تھا اور کعبہ سے علیحدہ تھا اس کے باوجود رسول اللہ نے اس کو کعبہ کے ساتھ نہیں شامل کیا اور اس کی وجہ یہ فرمائی۔

لولا حداثة عهد قومك بالله لنقضت الكعبة ولجعلتها على اساس ابراهيم [۲]

اگر تمہاری قوم نئی نئی کفر سے اسلام کی طرف نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ توڑ کر اساس ابراہیم پر اس کی تعمیر کراتا اور حطیم کو اس میں شامل کرتا۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اندرون ملک جو بہت سے کاروبار چل رہے ہیں اور ان کی وجہ سے اسلامی اقدار پامال ہو رہے ہیں۔ مرعوبانہ ذہنیت یا سہل

---

[۱] ملاحظہ ہو اسلام کا زرعی نظام صفحہ ۸ تا ۸۴ [۲] مسلم ج ۱ ص ۴۲۹ اور عروج و زوال کا الٰہی نظام ص ۱۴

سوال ۶

کیا اسلامی حکومت موجودہ دور میں جبکہ ایک ملک دوسرے ملک سے قطع تعلق کر کے ترقی نہیں کر سکتا غیر ممالک سے مطلق اقتصادی، فوجی، ٹیکنیکل امداد یا بین الاقوامی بنک سے شرح سود پر قرض لینا بالکل حرام قرار دے گی؟

(ا) پھر مادی، صنعتی زراعتی و سائنسی ترقی وغیرہ کی جو عظیم خلیج مغربی ترقی یافتہ (Advanced) ممالک اور مشرقی وسطی بالخصوص اسلامی ممالک یا اس ایٹمی دور میں Have اور Have not کے درمیان حائل ہے کس طرح پر ہو سکے گی؟

(ب) نیز کیا اندرون ملک تمام بینکنگ و انشورنس سے ترک کرنے کا حکم دیا جائے گا؟

(ج) سود، پگڑی، منافع و ربح اور گڈول (Good Will) خرید و فروخت میں دلالی و کمیشن کے لئے کونسی اجتہادی راہ نکالی جا سکتی ہے؟

(د) کیا اسلامی ممالک آپس میں سود، منافع، ربح وغیرہ پر کسی صورت میں قرض کا لین دین کر سکتے ہیں؟

سود پر قرض مانگنے کی صورت پیش نہیں آسکتی۔ ملک کے اندر جو ٹیکس لگائے جائیں گے
وہ سو فیصدی وصول ہوں گے اور سو فیصدی ہی وہ قوم کی ترقی پر صرف ہوں گے نہ ان
کی وصول یابی میں بے ایمانی ہو گی اور نہ اُن کے خرچ میں بے ایمانی ہو گی۔ اس پر بھی اگر
قرض کی ضرورت پیش آئے تو قوم خود سرمایہ کا ایک بڑا حصہ رضاکارانہ چندے کی صورت
میں اور ایک اچھا خاصہ غیر سودی قرض کی صورت میں اور ایک حصہ منافع میں شرکت
کے اصول پر فراہم کرنے کو تیار ہو جائے گی۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ پاکستان میں اگر اسلامی
اُصولوں کا تجربہ کیا جائے تو شاید بہت جلدی پاکستان دوسروں سے قرض لینے کے
بجائے دوسروں کو قرض دینے کے لئے تیار ہو جائے۔

بالفرض اگر ہمیں بیرونی قوموں سے سود پر قرض لینے کی کوئی ناگزیر صورت پیش
آہی جائے یعنی ہمیں اپنی ضرورت کو پورا کرنا بھی لازم ہو اور اس کے لئے ملک میں سرمایہ
بھی نہ مل سکے، تو دوسروں سے سود پر قرض لیا جا سکتا ہے۔ لیکن ملک کے اندر سودی
لین دین جاری رکھنے کا پھر بھی کوئی جواز نہیں۔ ملک میں سود بند کیا جا سکتا ہے۔
اور پورا مالی نظام (Financial System) سود کے بغیر چلایا جا
سکتا ہے۔ میں اپنی کتاب "سود" میں یہ ثابت کر چکا ہوں کہ بینکنگ کا نظام
سود کے بجائے منافع میں شرکت (Profit Sharing) کے اصول پر چلایا جا
سکتا ہے۔ اسیطرح انشورنس کے نظام میں ایسی ترمیمات کی جا سکتی ہیں۔ جن سے
انشورنس کے سارے فوائد غیر اسلامی طریقہ اختیار کئے بغیر حاصل ہو سکیں۔ دلالی، سود
پگڑی یا کمیشن یا گڈ ول Good Will وغیرہ کی علیحدہ علیحدہ شرعی پوزیشن ہے
جب اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آئے گا۔ تو اس کا جائزہ لے کر یا تو سابق پوزیشن

پسندی کی بنا پر ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے نہ ان میں متوازن صورت نکالنے کی کوشش ہو اور نہ ہی بتدریج ختم کرنے کی راہیں نکالی جائیں۔

اگر یہ صورت حال اسی طرح جاری رہی جس طرح مسلم ممالک میں ہے کہ بہت سے حالات و مسائل میں قابو پانے کے باوجود ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔ بلکہ مزید حوصلہ افزائی ہو رہی ہے تو موجودہ دور کے قاموس نگار یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ ان حکومتوں نے مذہب کو "سیاسی مذہب" کی پوزیشن میں اختیار کیا ہے۔ نہ کہ حقیقی مذہب کی۔

مودودی صاحب

اسلامی حکومت نے کسی دور میں بھی غیر مسلم ممالک سے قطع تعلق کی پالیسی اختیار نہیں کی اور نہ آج کرے گی۔ لیکن تعلق کے معنی قرض مانگتے پھرنے کے نہیں ہیں، اور وہ بھی ان کی شرائط پر۔ یہ تعلق اس زمانے کے کم ہمت لوگوں نے ہی پیدا کیا ہے۔ اگر کسی ملک میں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم ہو تو وہ مادی ترقی سے پہلے اپنی قوم کی اخلاقی حالت سدھارنے کی کوشش کرے گی۔ اخلاقی حالت سدھارنے کے معنی یہ ہیں کہ قوم کے حکمران اور اس کی انتظامی مشنری کے کارپرداز اور قوم کے افراد ایماندار ہوں۔ اپنے حقوق سے پہلے اپنے فرائض کو ملحوظ رکھنے اور سمجھنے والے ہوں۔ اور سب کے سامنے ایک بلند نصب العین ہو جس کے لئے جان، مال اور وقت اور محنتیں اور قابلیتیں سب کچھ قربان کرنے لئے وہ تیار رہیں۔ نیز یہ کہ حکمرانوں کو قوم پر اور حکمرانوں پر قوم کو پورا اعتماد ہو اور قوم ایمانداری کے ساتھ یہ سمجھے کہ اس کے سربراہ درحقیقت اس کی فلاح کے لئے کام کر رہے ہیں۔ یہ صورت حال اگر پیدا ہو جائے تو ایک قوم کو باہر سے

وغیرہ کی عمل داری دخل اندازی یا انٹرنیشنل لاء پر عمل پیرا ہونے اور ان کی من وعن قبولیت
کے لئے اسلامی حکومت کا کیا رویہ ہوگا ؟

(س) اگر اسی قسم کے ادارے اسمبلی کنفیڈریشن یا اسلامی بلاک بنا کر عمل میں لائے جائیں۔
تو ان کو کیا حیثیت حاصل ہوگی ؟

(ص) کیا اسلامی قانون ساز اسمبلی کے پاس شدہ یا اجتہادی احکام کی اسلامی عدلیہ کو
نظر ثانی (review) کرنے کا اختیار ہوگا ؟

(ط) اسلامی ممالک اور تمام مسلمانوں کو ایک اسٹیج پر لانے کے لئے اختلافات کس
طرح رفع کئے جا سکتے ہیں ؟

○

بحال رکھی جائے گی یا پھر ضروری اصلاحات کی جائیں گی۔

سوال ۷

اس برصغیر میں چونکہ تمام قانونی ضابطہ ہائے دیوانی، فوجداری، مالیاتی اور عمل درآمد Procedural Law وغیرہ عرصے سے ہر عدالت میں جاری ساری ہیں اور چونکہ ڈیڑھ صدی سے تمام لوگ بالخصوص جج و وکلا وغیرہ نہ صرف ان قوانین سے پوری طرح مانوس بلکہ اس کا وسیع علم رکھتے ہیں اسلئے بھی اسلامی مملکت کے قیام سے یہاں برطانوی دور کے نظام عدل British Rule of Law کا سارا ڈھانچہ بدلنا ممکن نہ ہوگا۔ تو کیا پھر بھی عدالتی ریفارم لائی جائیں گی جبکہ اسلامی قانون کسی پہلو سے جامع مرتب یا مکمل اور مدون codified نہیں ہے؟

(ا) اسلامی عدالتی نظام میں وکلا کی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا اسی طرح Procedural Law کے تحت انہیں مقدمات لڑنے اور مقدمہ بازی Litigation کو طول دینے کا اختیار ہوگا؟

(ب) کیا اس موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی چور کے ہاتھ کاٹنے اور زانی کو سنگسار کرنے کی سزائیں دی جائیں گی؟

(ج) کیا قاضیوں کو موجودہ نافذ قانون شہادت (Evidence Law) کی مدد کے بغیر فیصلے صادر کرنے ہوں گے؟

(د) پھر بین الاقوامی قسم کے ادارے مثلاً اقوام متحدہ (United Nations) کی جنرل اسمبلی، سیکورٹی کونسل، بین الاقوامی عدالتِ انصاف یا کمرشل ٹریبونل اور بحیرہ قوانین

قسم کا معاہدہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اسمیں شرکت فرمائی۔ بلکہ اس کے لئے فرمایا کہ سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پیارا ہے [۱]

مودودی صاحب

اس سوال کے جواب میں یہ بات پہلے ہی سمجھ لینی چاہیئے کہ جب انگریزی حکومت اس ملک میں آئی تھی تو اس وقت سارا قانونی نظام (Legal System) اسلامی فقہ پر قائم تھا۔ انگریزوں نے آکر اس کو یک لخت تبدیل نہیں کیا بلکہ انگریزی حکومت میں سالہا سال تک اسلامی نظام ہی چلتا رہا۔ انگریز اس کو بتدریج تبدیل کرتے رہے اور رفتہ رفتہ انہوں نے اپنا نظام رائج کیا۔ اب اگر ہم اسلامی نظام قانون کو از سر نو قائم کرنا چاہیں تو یہ تبدیلی بھی یک لخت نہیں، بتدریج ہی ہو گی اور اس کے لئے بہت حکمت کے ساتھ ایک ایک قدم اٹھانا پڑے گا۔ اسلامی قوانین اگر مدون (Codified) نہیں ہیں تو ان کے مدون (codify) کرنے میں کوئی دقت نہیں ہے۔ اسی طرح اسلامی قانون کی شرحیں کثرت سے موجود ہیں۔ ان کو آسانی سے اردو زبان میں منتقل کیا جا سکتا ہے اور آگے نئی شرحوں کا سلسلہ چل سکتا ہے

اسی موجودہ ترقی یافتہ دور میں سعودی عرب میں زنا اور چوری کی سزائیں جاری ہیں۔ اور تجربے نے تمام دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انہی سزاؤں کی وجہ سے سعودی عرب میں جرائم کی اتنی کمی ہو گئی ہے جتنی دنیا کے کسی ملک میں نہیں ہے۔ اب اگر اس دور کے ترقی یافتہ ہونے کے معنی یہی ہیں کہ جرائم میں ترقی ہو تو بسم اللہ، مغربی قانونی سسٹم پر عمل کرتے رہیئے۔ لیکن جرائم کا انسداد بھی اگر ترقی کے لئے ضروری ہے تو پھر یہ تجربے نے

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج۱ حلف فضول

ایلیٰ صاحب

(۷) یہ کام بھی بتدریج کرنے کا ہے ابتدائی مرحلہ میں قانون کی "جدید تدوین" ہے۔ پھر اس کے مطابق تعلیم و تربیت کا انتظام ہے اور اس کے بعد نفاذ کا درجہ ہے قانون کے نفاذ میں بھی مختلف مراحل سے گذرنا لازمی ہے نہ بیک وقت سارے قانون نافذ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی معاشرتی زندگی ان کی متحمل بن سکتی ہے۔

اسلامی قانون کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ معاشرتی احوال کے پیش نظر ان میں لچک اور ہر حالت کی مناسبت سے قانون موجود ہے چوری وغیرہ کی ابتدا میں وہی سزائیں نافذ ہو سکیں گی۔ جو ابتدائی مراحل کے لئے مقرر ہیں۔

معاشرتی اصلاح اور اسلامی قانون کے نفاذ کے بعد "وکلا" کی حیثیت خود بخود متعین ہو جائے گی اور بڑی حد تک یہ اُن ضروریات کے حامل بن جائیں گے۔ جن کو معاشرہ کی ضرورت ہو گی۔ فریقین کی رہنمائی "مختار" کی حیثیت سے مقدمہ کی پیروی وغیرہ کا کام پھر بھی باقی رہے گا۔ جیسا کہ مسلم حکومتوں کے زمانہ میں وکیل الخصومۃ کے نام سے اسی قسم کے کام یہ انجام دیتے رہے ہیں[1]۔ البتہ عدالت کی سمتوں کی تعین کے بعد ان کے کام کی موجودہ نوعیت میں لازمی طور سے تبدیلی ہو جائے گی اور حکومت کا مزاج بدلنے کے بعد ان کے مزاج بھی بدل جائیں گے۔

بین الاقوامی ادارے اور اس قسم کی تمام وہ کوششیں جو دنیا کو ایک مرکز پر لانے انصاف کو عام کرنے مظلوم ملکوں اور قوموں کو نجات دلانے وغیرہ کاموں کے لئے ہوں گی۔ اسلام حکومت ان کی حوصلہ افزائی کرے گی۔ لیکن اپنے مقصد اور جد و جہد کو ایک لمحہ کے لئے بھی وہ فراموش نہ کرے گی۔ "میثاق فضول" محدود پیمانہ پر اسی

---

[1] فقہ کی کتابوں میں وکیل الخصومۃ کے احکام موجود ہیں۔

کی روئداد غلط لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مقدمات کو طول بھی دیتے ہیں۔ اور مقدمہ بازی کو بڑھاتے بھی ہیں۔

بین الاقوامی قسم کے تمام اداروں میں ہم شریک ہو سکتے ہیں۔ ان کے اندر اگر کوئی چیز بھی ہمارے اصول کے مطابق نہ ہوگی تو ہم اس کی حد تک اپنی الگ پالیسی بنائیں گے۔ اور اسی حد تک ہماری شرکت میں استثنا ہوگا۔ مسلمان ممالک خود اپنی دولت متحدہ (Common Wealth) یا تحالف (Confederation) بنا سکتے ہیں اور اسلامی اصول کے مطابق باہمی تعلقات کے طریقے مقرر کر سکتے ہیں۔

اسلامی قانون ساز اسمبلی کے طے کئے ہوئے اجتہادی احکام پر اسلامی عدلیہ نظر ثانی (Review) نہیں کر سکتی البتہ اگر وہ احکام قانون ساز اسمبلی کے اختیار سے متجاوز ہوں تو ان کو حدودِ اختیار سے تجاوز (Ultra vires) قرار دے سکتی ہے

اسلامی ممالک اور مسلمانوں کو ایک سٹیج پر لانے کے لئے اختلافات رفع کرنے کی صورت ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ مسلمان ایمانداری کے ساتھ قرآن اور سنت کی ہدایات پر چلنے کے لئے تیار ہوں۔ قرآن کی تاویل اور سنت کی تحقیق میں اختلافات ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ مل کر کام کرنے میں مانع نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم اس اصول کو مان لیں کہ جو شخص بھی قرآن اور سنت کو سند و حجت (Authority) مان لے وہ ہماری برادری کا آدمی ہے تو یہ چیز کسی آدمی کو ہماری برادری سے خارج نہیں کر سکتی کہ وہ قرآن کے معنی ہم سے مختلف سمجھ رہا ہے اور اسکے نزدیک کسی معاملہ میں سنت سے کوئی اور بات ثابت ہوتی ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جتنی عدالتیں بھی پاکستان کے دستور اور قانون کو واجب الاطاعت قانون مان کر کام کرتی ہیں وہ سب اس ملک کی جائز عدالتیں ہیں اس کے لئے یہ ضروری

ثابت کر دیا ہے کہ اسلامی قانون سے زیادہ کارگر کوئی قانون نہیں ہے. دراصل اس زمانے کی مذہبی تہذیب کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ اس کی ساری ہمدردیاں مجرموں کے ساتھ ہیں اسی لئے یہ نقطہ نظر پیش کیا جاتا ہے کہ یہ سزائیں وحشیانہ ہیں ۔اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ چوری کرنا کوئی وحشیانہ کام نہیں ہے۔البتہ اس پر ہاتھ کاٹنا وحشیانہ کام ہے۔اور زنا کا ارتکاب تو مغربی تہذیب میں ایک تفریح ہے ہی۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس خیال کا ماخذ کیا ہے کہ اسلامی قانون میں قاضیوں کو قانون شہادت (Law of Evidence) کی مدد کے بغیر فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے یا کوئی ایسا دستور العمل رہا ہے ۔حالانکہ خود قرآن نے قانون شہادت کے بہت سے اصول بیان کئے ہیں اور اس کی بیشتر تشریحات حدیث اور خلفائے راشدین کے فیصلوں سے ملتی ہیں۔ بالخصوص فقہا نے ان اصولوں کو نہایت محنت سے ترتیب دیا ہے اور اسلامی دور میں کوئی ایسا قاضی نہیں گزرا جس نے ثبوت کے بغیر فیصلے صادر کئے ہوں۔

وکالت کے بارے میں میرے نزدیک صرف اتنی اصلاح درکار ہے کہ قانون کی پریکٹس بند کر دی جائے اور وکلا کو اسٹیٹ معاوضہ دے ۔اب بھی قانون کا نظریہ یہ ہے کہ وکیل کا اصل کام اپنے موکل کی حمایت کرنا نہیں ہے ۔بلکہ عدالت کو قانون سمجھنے اور منطبق (Apply) کرنے میں مدد دینا ہے۔ وکالت کے پیشہ بن جانے کی وجہ سے یہ خرابی پیدا ہوئی ہے کہ وکیل عدالت کو گمراہ (Mislead) کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گواہوں کو سکھاتے پڑھاتے ہیں۔ عدالت کے سامنے مقدمے

امینی صاحب

(۸) عموماً تین قسم کی صورتوں میں اجتہاد کی ضرورت ہو گی۔
۱۔ موقع و محل کی تعین میں اجتہاد (۲) نئے مسائل کی تحقیق کے لئے اجتہاد (۳) حکم اور مسئلہ کی صورت موجود ہے۔ لیکن اس میں لوگوں کو واقعی مشقت پیش آتی ہے یا اس کا اصل مقصد فوت ہو چکا ہے اس لئے اجتہاد کے ذریعہ اس میں سہولت پیدا کرنا یا اس کو مفید مقصد بنانا۔

ملکی قانون کے نام سے قانون کی نئی ترتیب و تنظیم کی جائے گی۔ جس میں بڑی حد تک فروعی اختلاف کی حیثیت ثانوی درجہ میں ہو گی اور خالص عبادات وغیرہ کے احکام میں ہر فرقہ کو سہولت دی جائے گی۔

ملکی قانون کے بورڈ میں ہر فرقہ کے بیدار مغز و روشن دماغ علماء اور فنی ماہرین کو شامل کرنا بھی ضروری ہوگا۔ اس بورڈ کو "اجماع" کا درجہ بھی دیا جا سکتا ہے۔
یہ اجماع مجموعی حیثیت سے ہدایت الٰہی کی کلی پالیسی اور بنیادی اصول کے ماتحت ہوگا۔
یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر جزیہ کے لئے قرآن و سنت میں مستقل سند ہی موجود ہو[۱]

اس کے اختیارات درج ذیل قسم کے ہوں گے

(۱) حالات و تقاضہ کی مناسبت سے نئے قوانین وضع کرنا۔
(۲) پرانے اجماعی فیصلے جو حالات و مصلحت کے تابع تھے ان میں موجودہ حالات و مصلحت کے پیش نظر مناسب ترمیم کرنا۔
(۳) وہ احکام جو بتدریج نازل ہوتے ہیں معاشرتی حالات کے لحاظ سے انہیں مقدم و مؤخر کرنا۔

---

[۱] التقریر و التحریر ص ۱۱۲

نہیں ہے۔ کہ تمام عدالتوں کے فیصلے بھی یکساں ہوں۔

○

سوال ۸

کیا "اجتہاد" کے اُس دروازے کو جسے صدیوں بیشتر بند کر دیا گیا تھا۔ آج کھولنے کی شدید ضرورت نہیں ہے؟

(ا) اور وہ اجتہادی اصول جو آج سے ہزار سال قبل بنائے گئے تھے کیا ان کو بڑی سختی سے آج بیسویں صدی کے مسائل پر بھی نافذ کیا جائے گا؟

(ب) حکومت اس صورت حال سے کس طرح نپٹے گی جبکہ ہر طبقہ فکر یعنی (Sub-sects) کے پیرو اپنے آئمہ کے اجتہادی احکام کو بدلنے کے خلاف ہیں اور نہایت شدومد سے آج کے مسائل کے لئے بھی انہی کی تشریح و توضیح کر کے فیصلے کرنے کے حق میں ہیں؟

(ج) اگر ہر مکتب فکر کے علماء کو اکثریت آراء سے اجتماعی طور پر "اجماع" کے لئے مامور کیا جائے تو کیا جو "اجتہاد" اس طرح کیا گیا ہو وہ تمام مسلمانوں کے لئے "قابل قبول ہوگا؟

(د) کیا حکومت کو اس پر سختی سے عمل پیرا ہونے پر مجبور کیا جا سکے گا؟

(ہ) خلاف ورزی اور مخالفت و نکتہ چینی کہاں تک برداشت ہو سکتی ہے؟

(ھ) کیا حضرت علیؓ و جعفر صادقؒ و شیعہ آئمہ کا اجتہاد اور قوانین جو نہایت مناسب ہیں تمام مسلمانوں کے لئے اسلامی حکومت نافذ کر سکتی ہے؟

○

کر پھینک دیں۔ پھر اس پر مزید یہ کہ مغربی نظریات و اقدار کو لے کر اُن کی روشنی میں قرآن کی تاویلیں کرنا شروع کر دیں۔ اس طرح کے لوگ اگر اجتہاد کریں گے تو اسلام کو مسخ کر کے رکھ دیں گے اور مسلمان، جب تک اسلامی شعور کی رمق بھی ان کے اندر موجود ہے، ایسے لوگوں کے اجتہاد کو ہرگز ضمیر کے اطمینان کے ساتھ قبول نہ کریں گے۔ اس طرح کے اجتہاد سے جو قانون بھی بنایا جائیگا وہ صرف ڈنڈے کے زور سے ہی قوم پر مسلط کیا جا سکے گا اور ڈنڈے کے ساتھ ہی وہ رخصت ہو جائے گا قوم کا ضمیر اس کو اس طرح اگل کر پھینک دے گا جس طرح انسان کا معدہ نگلی ہوئی مکھی کو اگل کر پھینک دیتا ہے۔ مسلمان اگر اطمینان کے ساتھ کسی اجتہاد کو قبول کر سکتے ہیں۔ تو صرف ایسے لوگوں کا اجتہاد ہے جن کے علم دین اور خدا ترسی اور احتیاط پر ان کو اطمینان ہو اور جن کے متعلق وہ یہ جانتے ہوں کہ یہ لوگ غیر اسلامی نظریات و تصورات کو اسلام میں ٹھونسیں گے۔

(د) جو اجتہادی اصول آج سے ہزار سال پہلے بنائے گئے تھے وہ صرف اس لئے رد کر دینے کے قابل نہیں ہیں کہ وہ ہزار سال پرانے ہیں۔ معقولیت کے ساتھ جائزہ لے کر دیکھئے کہ وہ اصول تھے کیا اور اس بیسویں صدی میں ان کے سوا اور کچھ اصول ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ ان میں سے پہلا اصول یہ تھا کہ آدمی اُس زبان کو اور اُس کے قواعد اور محاوروں اور ادبی نزاکتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ بتائیے کیا یہ اصول غلط ہے؟ انگریزی زبان میں قانون کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں کیا ان کی تعبیر کا حق کسی ایسے شخص کو دیا جا سکتا ہے جو انگریزی زبان کی ایسی ہی واقفیت نہ رکھتا ہو۔ وہاں تو ایک کاما (comma) کے ادھر سے ادھر ہو جانے سے معنی میں عظیم فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات ایک کاما کی تبدیلی کے لئے پارلیمنٹ کو ایک قانون (Act)

۴۔ وہ احکام جن میں مقامی حالات رسم و رواج فضائل و عادات ملحوظ ہیں۔ ان کی روح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے جدید حالات کے پیش نظر ان کیلئے نیا قالب وضع کرنا۔

(۵) وہ احکام جو وقتی تقاضہ اور مصلحت کے تحت ہیں موجودہ تقاضہ اور مصلحت کے تحت ان میں مناسب ترمیم کرنا۔

(۶) رسول اللہ کے اصحاب جن احکام میں مختلف الرائے ہیں معقول دلیل کی بناء پر ان میں کسی ایک کو ترجیح دینا۔

(۷) فقہاء کی مختلف رایوں میں حالات و تقاضہ کی مناسبت سے ترجیحی صورت پیدا کرنا وغیرہ [1]

مودودی صاحب

یہ سوال بہت سے اصولی سوالات پر مشتمل ہے میں اس کے ایک ایک جزء کا جواب نمبر وار دوں گا۔

۱۔ اجتہاد کا دروازہ کھولنے سے کسی ایسے شخص کو انکار نہیں ہو سکتا جو زمانے کے بدلتے ہوئے حالات میں ایک اسلامی نظام کو چلانے کے لئے اجتہاد کی اہمیت و ضرورت کو اچھی طرح سمجھتا ہو۔ لیکن اجتہاد کا دروازہ کھولنا جتنا ضروری ہے اتنا ہی احتیاط کا متقاضی بھی ہے۔ اجتہاد کرنا ان لوگوں کا کام نہیں ہے۔ جو ترجموں کی مدد سے قرآن پڑھتے ہوں حدیث کے پورے ذخیرے سے نہ صرف یہ کہ ناواقف ہوں بلکہ اس کو دفتر بے معنی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہوں۔ پچھلی تیرہ صدیوں میں فقہائے اسلام نے اسلامی قانون پر جتنا کام کیا ہے اس سے سرسری واقفیت بھی نہ رکھتے ہوں اور اس کو فضول سمجھ

---

[1] حوالہ بالا ج ۳ ص ۶۹، ۷۰

سارے کاموں کو چھوڑ دے گی اور نئے سرے سے اپنی عمارت بنائے گی تو ایسا ہی احمقانہ فیصلہ ہمارے بعد آنے والی نسلیں کر سکتی ہیں۔ ایک دانشمند قوم اپنے اسلاف کے کئے ہوئے کام کو برباد نہیں کرتی بلکہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کو لے کر آگے وہ کام کرتی ہے جو انہوں نے نہیں کیا اور اس طرح مسلسل ترقی جاری رہتی ہے۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ آدمی ایمانداری کے ساتھ اسلامی اقدار اور طرز فکر اور خدا اور رسول کے احکام کی صحت کا معتقد ہو اور رہنمائی کے لئے اسلام سے باہر نہ دیکھے بلکہ اسلام کے اندر ہی رہنمائی حاصل کرے یہ شرطیں ایسی ہیں جو دنیا کا ہر قانون اپنے اندر اجتہاد کرنے کے لئے لازمی طور پر لگائے گا۔ درحقیقت اجتہاد کے یہی پانچ اصول ہیں۔ اگر کوئی صاحب معقول دلیل سے اس بیسویں صدی کے لئے کچھ اور اصول تجویز کر سکیں تو ہم ان کے ممنون احسان ہوں گے۔

(ج) مسلمانوں میں فرقوں کے جتنے اختلافات ہیں ان کے بارے میں پہلے ہی پاکستان کے علماء اس بات پر اتفاق کر چکے ہیں کہ جہاں تک پرسنل لا کا تعلق ہے ہر فرقے پر وہی احکام نافذ ہوں گے۔ جو اس فرقے کے نزدیک مسلم ہیں اور جہاں تک ملکی قوانین کا تعلق ہے وہ اکثریت کے مسلک کے مطابق ہوں گے۔ کیا اس کے بعد وہ مشکلات باقی رہتی ہیں جن کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اگر مجلس قانون ساز میں ہمارے نمائندے احتیاط کے ساتھ اس اصول پر عمل کریں تو فرقہ وارانہ اختلافات آہستہ آہستہ کم ہوتے چلے جائیں گے اور ہمارے قوانین کا ارتقا بڑی اچھی طرح ہو سکے گا۔

(د) فقہ جعفری اور شیعہ علماء کا اجتہاد اسی ملک میں نافذ کیا جا سکتا ہے جہاں شیعہ فرقے کی اکثریت ہو چنانچہ ایران میں وہ نافذ ہے۔ لیکن پاکستان میں وہ شیعوں کے پرسنل لا کی حیثیت سے ہی رہ سکتا ہے۔ سنی اکثریت پر اس کو نافذ کرنے کی کیسے کوشش کی جا سکتی ہے؟

پاس کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہاں یہ مطالبہ ہے کہ قرآن کی وہ لوگ تعبیر کریں گے جو ترجموں کی مدد سے قرآن سمجھتے ہوں اور ترجمے بھی وہ جو انگریزی زبان میں ہوں۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ آدمی نے قرآن مجید کا اور اُن حالات کا جن حالات میں قرآن مجید نازل ہوا ہے گہرا اور وسیع مطالعہ کیا ہو۔ کیا اس اصول میں کوئی غلطی ہے؟ کیا موجودہ قوانین کی تعبیر کا حق کسی ایسے شخص کو دیا جا سکتا ہے جس نے قانون کی کسی کتاب کا محض سرسری مطالعہ کر لیا ہو یا اس کا محض ترجمہ پڑھ لیا ہو؟ تیسرا اصول یہ ہے کہ آدمی اس عمل درآمد سے اچھی طرح واقف ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی قوانین پر ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ قرآن خلا میں سفر کرتا ہوا براہ راست ہمارے پاس نہیں پہنچ گیا ہے۔ اس کو خدا کی طرف سے ایک نبی لایا تھا۔ اس نبی نے اس کی بنیاد پر افراد تیار کیے تھے، معاشرہ بنایا تھا۔ ایک ریاست قائم کی تھی پھر ان آدمیوں کو اس کی تعلیم دی تھی اور اس کے مطابق کام کرنے کی تربیت دی تھی۔ ان ساری چیزوں کو آخر کیسے نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔ ان کا جو ریکارڈ موجود ہے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف قرآن کے الفاظ سے احکام کیا ٹھیک طرح نکالے جا سکتے ہیں۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ آدمی اسلامی قانون کی پچھلی تاریخ سے واقف ہو۔ وہ یہ جانے کہ یہ قانون کس طرح ارتقا کرتا ہوا آج تک ہمیں پہنچا ہے پچھلی تیرہ صدیوں میں صدی بہ صدی اس پر کیا کام ہوا ہے اور مختلف زمانوں میں وقت کے حالات پر قرآن اور سنت کے احکام کو منطبق کرنے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کیے گئے ہیں اور تفصیلاً کیا احکام مرتب کیے جاتے رہے ہیں۔ اس تاریخ اور اس کام سے واقف ہوئے بغیر اجتہاد کر کے ہم اسلامی قانون کے ارتقاء کا تسلسل (Continuity) آخر کس طرح برقرار رکھ سکتے ہیں۔ ایک نسل اگر یہ طے کر لے کہ پچھلی نسلوں کے کیے ہوئے

امینی صاحب

(۹) مذکورہ کاموں کی انجام دہی کے لئے مختلف فقہاء کے اجتہادی اصولوں سے مدد لینے میں وسعت ہوگی یہ اصول بڑے کارآمد اور دوررس نتائج کے حامل ہیں ان میں بصیرت نہ ہونے کی بنا پر مختلف شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اصول قرآن و سنت کی صحیح اسپرٹ کو مدِ نظر رکھ کر وضع ہوئے ہیں اور "اسپرٹ" ہی کی روشنی میں مذکورہ تین قسم کی اجتہادی صورتیں ذکر کی گئی ہیں۔

موجودہ دور میں ان کی بھی نئی ترتیب و تہذیب کی ضرورت ہے تاکہ افادہ و استفادہ عام ہو سکے نئی ترتیب میں درج ذیل باتوں کا لحاظ ہونا چاہیئے۔

(۱) موجودہ تقاضہ کے مطابق مسائل میں باہمی ربط و نظم پیدا کیا جائے۔

(۲) فقہاء کے درمیان اختلاف کے وسیع سلسلہ کو حتی الامکان کم کیا جائے۔

(۳) جو مثالیں اور فصاحتیں قدیم زمانہ کی ہیں اور اب ان کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے انہیں جدید ضرورتوں میں لایا جائے۔

(۴) حالات و تقاضہ کے مطابق اس میں اگر وسعت کی ضرورت ہو تو اس کی توثیق بھی قدیم اصولوں سے ہو سکتی ہے اجتہاد کے سلسلہ میں درج ذیل اصول سے کافی مدد ملے گی۔

(۱) قرآن حکیم کے موقع و محل کی تعیین میں سیرت نبوی اور عہد صحابہ سے استفادہ۔

(۲) حدیث کے سلسلہ میں روایت اور درایت دونوں سے کام لینا بالخصوص غیر صحی چیزوں میں درایت کا معیار مقرر کرنا ضروری ہوگا۔

(۳) قیاس (۴) استحسان (۵) استصلاح یا مصالح مرسلہ (۶) استدلال (۷) تعامل (۸) عرف و رواج (۹) مسلمہ شخصیتوں کی رائیں (۱۰) ملکی قانون (جن سے کسی اصول کلیہ

سوال ۹

کیا "اجتہاد" جو کیا جائے گا وہ قرآن و حدیث و سابقہ اجتہادی احکام و قوانین جو خلفائے راشدین کے عہد میں نافذ کئے گئے تھے ان کے محض الفاظ پر ہی زور دے کر عمل کیا جائے گا یا آیت و حدیث کی صحیح اسپرٹ کو مدنظر رکھ کر کہ کن اور کب وکونسے حالات وماحول ورجحان کے تحت وہ جاری ہوئیں ؟

(۱) آج موجودہ قانونی دفعات میں بھی الفاظ (Wording of the Section) کی بندش جتنی اہمیت رکھتی ہے اس سے زیادہ دیباچہ قانون (Preamble) اہمیت رکھتا ہے جسکی روشنی میں آئین وقانون کی دفعات تک کلعدم قرار دے دی جاتی ہیں۔ فرض کیجیے جیسا کہ مسلمان روزہ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک رکھتے ہیں لیکن نماز روزہ کیلئے اوقات کا تعین قطبین (Pollars) پر رہنے والے مسلمانوں کیلئے کیا ہوگا۔ جہاں مہینوں لمبی راتیں اور دن ہوتے ہیں ؟

(۲) اور فرض کیجیے کہ کسی خطہ میں قربانی کیلئے گائے بیل، اونٹ بھیڑ بکری، دنبہ وغیرہ دستیاب نہ ہوتے ہوں اور مثلاً وہاں صرف سؤر، خرگوش، مچھلی، گینڈے، ہاتھی اور کتے وغیرہ موجود ہوں یا کچھ نہ ہوں تو وہاں قربانی کی کیا صورت ہوگی؟

(۳) کیا قربانی کی صحیح اسپرٹ واصل جذبے کے تحت جانور جتنی مالیت رقم کی صورت میں حکومت وقت کے بیت المال میں اگر جمع کردی جائے یا قوم کی فلاح وبہبود پر خرچ کردی تو کیا شریعت اس پر اکتفا کرلے گی؟

فذالك اليوم الذى كسنة ايكفينا فيه صلوة يوم قال لا اقدروا له قدره ؏

"وہ دن جو مثل ایک سال کے ہوگا کیا ہمیں اس میں ایک دن کی نماز کافی ہوگی رسول اللہ نے فرمایا نہیں تم اس کا اندازہ کرو۔"

اس حدیث سے فقہاء کے تصریح کی تائید ہوتی۔

"قربانی" ایک مخصوص یادگار ہے اور زندگی میں خاص قسم کی ذہنیت پیدا کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ اگر کسی خطہ میں بالفرض قربانی کے جانوروں کا وجود نہ ہو تو مقامی حالات کی مناسبت سے ایسی متوازی صورت سوچنے کی ضرورت ہے کہ حتی الامکان قربانی کی اصلی روح واسپرٹ برقرار رہے۔

پھر اس کا مصرف بھی مخصوص ہے زکوٰۃ وصدقات جیسا نہیں ہے ایسی صورت میں اس کے بدل کے لئے اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

بیت المال میں جمع کرنے کی صورت تمام پہلوؤں پر غور کرنے اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہی نکل سکتی ہے۔ مقررہ احکام ومراسم میں "بدل" کا معاملہ اتنا زیادہ آسان نہیں ہے جتنا کہ پاکستان میں بعض اہل فکر وقلم سمجھ رہے ہیں اس راہ میں قدم اٹھانے کے لئے نہایت احتیاط کی ضرورت ہے ورنہ دین وشریعت کا معاملہ "بازیچہ اطفال" بن کر رہ جائے گا۔

مودودی صاحب

اجتہاد کے لئے الفاظ اور اسپرٹ دونوں ہی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے لیکن اسپرٹ کا مسئلہ خاصہ پیچیدہ ہے اگر اسپرٹ سے مراد وہ چیز ہے جو بحیثیت مجموعی قرآن کی تعلیمات

؏ مشکوٰۃ ترمذی ومسلم

سے مدد نہ پڑتی ہیں)۔

مجموعی حیثیت سے یہ اس قدر وسیع اور جامع ہیں کہ ان کی مدد سے بہترین تدوین ہو سکتی ہے۔ ہر ایک کی تفصیل کتب اصول میں ملاحظہ کرنا چاہیئے۔

مسلم معاشرہ میں ابھی اس درجہ کہ "انگیز" کی صلاحیت نہیں پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی جزئیات و فروع میں "آفاقیت" کے تصور کو جذب کر سکے اس لئے بین الاقوامی فقہ کو بروئے کار لانے کیلئے نہ ماحول سازگار ہے نہ مفید نتیجہ کی توقع ہے۔

موزوں صورت یہی ہے کہ جس ملک میں جو فقہ رائج ہو اسی کو سامنے رکھ کر ملکی قانون مرتب کیا جائے۔ البتہ جن مسائل میں حالات و تقاضہ کے مطابق تبدیلی کرنی پڑے یا نئے مسائل حل کرنے کی صورت ہو تو ایسے مواقع میں دوسری فقہ نیز اختلاف فقہاء سے ضرور مدد لی جائے۔

اس طریق کار میں قومی فقہ کے غلط نظریہ کو کسی درجہ میں تقویت پہنچنے کا اندیشہ ہے لیکن بڑے اور اہم مقصد کی خاطر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کئے بغیر موجودہ دور میں کوئی اہم دینی خدمت نہیں ہو سکتی ہے۔

قطبین پر رہنے والوں کے لئے یا جہاں بھی موجودہ نظم قدرتی طور پر نہیں قائم رہ سکتا ہے فقہاء نے نماز کے اوقات کا اندازہ گھنٹوں کے حساب سے کیا ہے [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث میں جس میں آپ نے ایک ایسے دور کا تذکرہ فرمایا کہ اس میں دن رات اور طلوع و غروب کا موجودہ نظم نہ قائم رہ سکے گا۔ صحابہ کرام نے سوال کیا:

---

[۱] ملاحظہ ہو شامی وغیرہ۔

اپنے حالات کے لحاظ سے اوقات مقررہ میں مناسب ترمیمیں کرنی ہوں گی کیونکہ ان اوقات کی پابندی اور عبادت کی ادائیگی دونوں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں اس لئے عبادت کے حکم کو اوقات کے حکم پر قربان نہیں کیا جا سکتا ہے۔

قربانی کے حکم پر عمل کرنے کے صرف دو اصول مدنظر رکھنے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ جانور وہ ہو جو اسلام میں حرام نہیں کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جانور وہ ہو جو کسی آبادی میں مویشی (Cattle) کی حیثیت سے استعمال ہوتا ہو۔ اس طرح قربانی کے حکم پر دنیا کی ہر آبادی میں عمل کیا جا سکتا ہے۔ قربانی بہرحال جانور ہی کی ہونی چاہیئے اس کے بدلے میں کوئی مالی اتفاق کی شکل اختیار نہیں کی جا سکتی۔ میں اس موضوع پر تفصیلی بحث اپنے رسالے "مسئلہ قربانی" میں کر چکا ہوں۔

○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل، خلفائے راشدین کے عمل اور بحیثیت مجموعی فقہائے امت کے فہم سے ظاہر ہوتی ہے تو بلاشبہ یہ اسپرٹ ملحوظ رکھنے کے قابل ہے اور اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اگر الفاظ قرآن اور سنت سے لئے جائیں اور اسپرٹ کہیں اور سے لائی جائے تو یہ سخت قابل اعتراض چیز ہے اور ایسی اسپرٹ کو ملحوظ رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم خدا اور رسول کا نام لے کر اُن سے بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔

قطبین کے متعلق روزہ اور نماز کے معاملہ میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ قرآن اور حدیث کی رو سے اصل مقصود خدا کی عبادت ہے یا ان دونوں عبادتوں کو اُن خاص اوقات کے اندر ادا کرنا جن کی علامات قرآن اور سنت میں بتائی گئی ہیں۔ تمام دنیا کا یہ مسلّم قاعدہ ہے کہ کسی حکم سے جو اصل مقصود ہو وہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور اگر اس حکم کے متعلقات میں سے کوئی چیز ایسی آجائے جس کی پابندی کرنے کے ساتھ حکم کے مقصد کو پورا نہ کیا جاسکتا ہو تو مقصد میں ترمیم کرنے کے بجائے اُن متعلقات میں ترمیم کی جائے گی۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید اور سنت کی رو سے نماز ادا کرنا اور روزہ رکھنا اصل مقصد ہے اور جو اوقات ان عبادتوں کے لئے مقرر کئے گئے ہیں وہ زمین کی بہت بڑی آبادی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر مقرر کئے گئے ہیں۔ زمین کی آبادی کا بہت بڑا حصہ اُن علاقوں میں آباد ہے جہاں رات دن کا الٹ پھیر چوبیس گھنٹوں میں ہو جاتا ہے اور اُن علاقوں میں چونکہ اکثریت کے پاس ہر وقت گھڑی نہیں رہ سکتی اس لئے ان کی سہولت کو مدِنظر رکھ کر اوقات کے لئے وہ علامات بیان کی گئی ہیں جو افق پر یا آسمان پر ظاہر ہونے والی ہیں تاکہ ہر انسان اپنی عبادت کے لئے اوقات بآسانی معلوم کرلے۔ قطبین پر انسانی آبادی کا بہت چھوٹا حصہ آباد ہے۔ اس آبادی کو نماز اور روزے کے احکام پر عمل کرنے کیلئے

امینی صاحب

۱۰۔ جس روح اور مقصد کے پیش نظر" زکوٰۃ " فرض ہوئی ہے اور غیر شعوری طور پر اس کے ذریعہ جذبات کی جس انداز سے تربیت ہوتی ہے" انکم ٹیکس" کی ادائیگی سے نہ وہ روح پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی وہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔"زکوٰۃ " موجودہ دور کے ٹیکس کی حیثیت میں نہیں ہے بلکہ زندگی کی تربیت و خاص سانچہ میں ڈھالنے کیلئے ایک" آلہ" کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح نماز۔

کل کو نماز کا بھی کوئی بدل مقرر کر کے سوال ہوگا کہ اب اس کی کیا ضرورت ہے؟ زکوٰۃ کا ایک نظم بہر حال ضروری ہے۔

مودودی صاحب

زکوٰۃ کے متعلق پہلی بات یہ سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ ٹیکس نہیں ہے بلکہ ایک عبادت اور رکن اسلام ہے جس طرح نماز، روزہ اور حج ارکان اسلام ہیں۔ جس شخص نے بھی کبھی قرآن مجید کو آنکھیں کھول کر پڑھا ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ قرآن بالعموم نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ ذکر کرتا ہے اور اُسے اُس دین کا ایک رُکن قرار دیتا ہے۔ جو ہر زمانے میں انبیاء کرام کا دین رہا ہے اس لئے اُس کو ٹیکس سمجھنا اور ٹیکس کی طرح اس سے معاملہ کرنا پہلی بنیادی غلطی ہے ایک اسلامی حکومت جس طرح اپنے ملازموں سے دفتری کام اور دوسری خدمات لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب نماز کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ انہوں نے سرکاری ڈیوٹی دے دی ہے۔ اس طرح وہ لوگوں سے ٹیکس لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب زکوٰۃ کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ ٹیکس لے لیا گیا ہے۔ اسلامی حکومت کو اپنے نظام اوقات لازماً اس

سوال ۱۰

موجودہ آزاد تمدنی دور میں بھی کیا غربا و مساکین کے لئے امرا و رؤسا سے زکوٰۃ فنڈ جبراً وصول کیا جانا مناسب ہوگا۔ جبکہ وہ دیگر کئی ٹیکسوں کے علاوہ انکم ٹیکس بھی حکومتِ وقت ہی کو ادا کرتے ہوں؟

○

سوال ۱۱

مسلمانوں کے جذبۂ "جہاد" کو زندہ رکھنے کے لئے آج بیسویں صدی میں کیا طریق کار اختیار کیا جائے گا جبکہ آج کی جنگ شمشیر و سنان سے یا میدانِ جنگ میں صف آراء ہو کر دست بدست نبرد آزمائی سے نہیں ہوتی بلکہ سائنسی ہتھیاروں، دماغوں strategy اور espionage سے لڑی جاتی ہے:

(ا) آپ ایٹم بم، راکٹ، میزائل اور مشینی ایجادات وغیرہ کا سہارا لے کر اس سائنسی و ایٹمی دور میں "جہاد" کی تشریح کس طرح کریں گے؟

(ب) کیا چاند، مریخ و مشتری پر اترنے اور سٹیلائٹ چھوڑنے یا فضا میں راکٹ سے پرواز کرنے اور نت نئی ایجادات کرنیوالے مجاہدین کے زمرے میں آ سکتے ہیں؟

(ج) انتظامی امور و ملکی نظام (Civil Administration) میں فوج کو کیا مقام دیا جا سکتا ہے؟ موجودہ دور کے فوجی انقلاب نے ملکی نظام میں فوج کی شمولیت اور افادیت بہت حد تک ثابت ہو چکی ہے۔ کیوں نہ فوج کو دورِ امن میں بٹھا کر کھلانے کے بجائے ہر فیلڈ میں قوم کی خدمت سپرد ہو؟

○

طرح مقرر کرنے ہوں گے تاکہ اس کے ملازمین نماز وقت پر ادا کر سکیں۔ اسی طرح اس کو اپنے ٹیکسیشن کے نظام میں زکوٰۃ کی جگہ نکالنے کے لئے مناسب ترمیمات کرنی ہوں گی۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ حکومت کے موجودہ ٹیکسوں سے کوئی ٹیکس ان مقاصد کے لئے اس طرح استعمال نہیں ہوتا ہے جن کے لئے قرآن میں زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اور جس طرح اس کے تقسیم کرنے کا حکم ہے۔

○

منزلیں طے کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خلافت کی سب سے پہلی تقریر میں فرمایا تھا۔

" اے لوگو غور سے سن لو۔ دنیا کی جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل دخوار اور رسوا کر دیتا ہے "۔

البتہ قرآن حکیم نے مطلق جہاد کا نہیں بلکہ "جہاد فی سبیل اللہ" کا حکم دیا ہے کہ مذکورہ قسم کی ساری جدوجہد فتنہ و فساد کے ختم کرنے اور رحمت الٰہی کو عام کرنے کے لئے کی جائے نہ کہ ذاتی و قومی اقتدار اور ملک گیری کے لئے جیسا کہ دنیا کی قوموں اور حکومتوں میں ہوتا ہے۔

حتی لا تکون فتنة و یکون الدین للہ ۲ : ۱۹۲

یہاں تک کہ فتنہ و فساد نہ رہے اور اللہ کا راج قائم ہو جائے۔

رسول نے فرمایا۔

لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا (الحدیث) "تاکہ اللہ کی بات غالب ہو کر رہے"۔

جن متعصب مورخین نے جہاد کو وحشیت و بربریت کا مظاہرہ قرار دیا ہے وہ دراصل اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور بقول فرانسیسی مصنف "موسیو سیدیو" انہوں نے حق سے کان بند کر لیا ہے اور قلب کی بینائی سے وہ محروم ہو گئے ہیں [1]

موجودہ دور میں وطنیت و قومیت کے نام پر بھی جذبۂ جہاد کو بیدار کیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں جرمنی وغیرہ سے ایثار و قربانی کی عجیب دغریب مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن مذہبی جذبہ کی بیداری ان سب میں زیادہ مؤثر اور ضامن نتائج کی حامل ہے

---

[1] تاریخ عرب ص ۱۰۷

امینی صاحب

۱۱۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاد و قتال کے مفہوم میں باہمی فرق نہ کرنے کی وجہ سے یہ مغالطہ ہو رہا ہے۔ جہاد۔ ایمانیات و معتقدات کو بروئے کار لانے کے لئے ہر قسم کی انتہائی جدوجہد کرنا۔ ہاتھ پاؤں سے اس کے لئے دوڑ دھوپ کرنا زبان و قلم سے اس کی تبلیغ کرنا عقل و دماغ سے اس کے لئے تدبیریں سوچنا غرض ہر امکانی وسائل اس راہ میں صرف کرنا اور ہر مزاحمت کی پوری قوت کے ساتھ مدافعت کرنا اور جب اس راہ میں جان کی بازی لگانے کا وقت آجائے تو... بھی کسی طرح کا دریغ نہ کرنا۔
امام راغبؒ اصفہانی جہاد کی تعریف میں کہتے ہیں۔

استفراغ الوسع فی مدافعة العدو ظاھراً و باطناً[۱]

دشمن کی مدافعت میں اپنی پوری قوت و وسعت لگا دینا یہ دشمن ظاہری ہو یا باطنی (نفس و شیطان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جاھدوا اھواءکم کما تجاھدون اعداءکم[۲]

"اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو جیسا کہ دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے ہو۔"

جاھدوا المشرکین باانفسکم واموالکم والسنتکم[۳]

"مشرکین سے جہاد کرو جان و مال اور زبان کے ذریعہ"

مذکورہ تعریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کا مفہوم قتال سے بہت زیادہ وسیع اور عام ہے اور یہ جہاد ایسی فطری حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر قوم قیام و بقا کی جدوجہد میں بہمہ وجوہ اس کو اپناتی ہے اور اسی پر عمل کر کے وہ عروج و لقاء کی

---

[۱] مفردات امام راغبؒ اصفہانی [۲] نسائی و ابوداؤد [۳] حوالہ بالا

مودودی صاحب

جہاد کے متعلق اولین بات یہ سمجھ لینی چاہیئے کہ جہاد اور لڑاکا پن میں بہت فرق ہے۔ اسی طرح قومی اغراض کے لئے جہاد اور چیز ہے اور جہاد فی سبیل اللہ اور چیز مسلمانوں میں جس جذبۂ جہاد کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے وہ اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک ان کے اندر ایمان ترقی کرتے کرتے اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ وہ خدا کی زمین سے برائیوں کو مٹانے اور اس زمین میں خدا کا حکم بلند کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار نہ ہو جائیں۔ سردست تو ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ سب کچھ اس جذبے کی جڑ کاٹ دینے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ تعلیم وہ دی جا رہی ہے جو ایمان کے بجائے شک اور انکار پیدا کرے۔ تربیت وہ دی جا رہی ہے جس سے افراد میں اور سوسائٹی میں وہ برائیاں پھیلیں جنہیں ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کے نزدیک برائیاں ہیں۔ اس کے بعد یہ سوال لاحاصل ہے کہ مسلمانوں میں جذبہ جہاد کیسے پیدا ہوگا۔ موجودہ حالت میں یا تو مسلمان کرائے کا سپاہی (Mercenary) بنے گا یا حد سے حد قومی اغراض کے لئے لڑے گا۔ رہے سائنسی ہتھیار اور اسٹریٹیجی (Strategy) تو وہ اسباب ہیں جو جائز اغراض اور ناجائز اغراض سب کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔ اگر مسلمان میں سچا ایمان موجود ہو اور اسلام کا نصب العین اس کا اپنا نصب العین بن جائے تو وہ پورے جذبے کے ساتھ تمام وہ قابلیتیں اپنے اندر پیدا کرے گا۔ جو اس زمانے میں لڑنے کے لئے درکار ہیں اور تمام اُن ذرائع اور وسائل سے کام لے گا جو آج یا آئندہ جنگ کے لئے درکار ہوں۔

چاند اور مریخ اور مشتری پر اترنا اپنی نوعیت کے لحاظ سے کولمبس کے امریکہ پر

کیونکہ وہ تین بنیادی عناصر جو زندگی میں ہم آہنگی اور روح پیدا کرتے ہیں اس جذبہ میں زیادہ عمدگی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ وہ تینوں یہ ہیں (۱) عقائد میں عمومیت (۲) فوائد میں عمومیت (۳) احساس میں عمومیت۔ اسی بناء پر فلسفۂ تاریخ کا یہ مسلم فیصلہ ہے کہ دنیا میں بڑی بڑی سلطنتوں کے قیام اور تاریخی انقلاب کے پس پشت مذہبی جذبہ ہی کا اقتدار رہا ہے ماضی قریب میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی تاریخ اس کا بیّن ثبوت ہے۔

کبھی حیرت انگیز نظریہ اور وہ خیال جو عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے وہ بھی "معبود" کی قائمقامی حاصل کر لیتا ہے بشرطیکہ عوام کوئی مخفی طاقت اس میں محسوس کریں یا عام سطح سے کوئی اونچی چیز عوامی ضرورت کی ہو جیسا کہ موجودہ دور میں "کمیونزم تحریک" اسی انداز میں کام کر کے کامیابی حاصل کر رہی ہے۔

غرض مذہبی جذبہ بیدار ہونے سے جذبہ جہاد تو خود بخود بیدار ہو کر اپنے "کانٹے" کو آگے بڑھانے لگے گا۔ اور سائنسی ایجادات و ترقیات کو بڑی حد تک مفید کاموں کے لئے استعمال کرنے کے مواقع فراہم کرے گا۔

مذہبی جذبہ کے بارے میں "ڈاکٹر مرسیر" کا یہ قول بے بنیاد ہے کہ۔

"جذبۂ مذہبیت محض آرائش و تکلفات کا کام دیتا ہے اور جماعت کے لئے کوئی افادی حیثیت نہیں رکھتا ہے" [۱]

ڈاکٹر موصوف کے اس خیال کا محل سیاسی اور مفاد پرست لوگ بے شک ہیں کہ وہ مجلس کی آرائش و مقصد برآری کے لئے اس جذبہ کے ساتھ کھیلتے ہیں لیکن اس کی اصل نوعیت کے بارے میں ان کا یہ خیال تاریخ و فلسفۂ تاریخ کے مسلمہ حقائق سے انکار پر مبنی ہے

---

[۱] فلسفۂ جذبات ص ۱۱۳

سوال ۱۲

کیا اس دور میں اسلامی حکومت خواتین کو مردوں کے برابر سیاسی و معاشرتی حقوق دا نہ کرے گی جبکہ اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس نے سب سے تاریک ترین دور میں بھی عورت کو ایک مقام (Status) عطا کیا ؟

(ا) کیا آج خواتین کو مردوں کے برابر اپنے ورثہ کا حصہ لینے کا حق دیا جا سکتا ہے ؟

(ب) کیا ان کو اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم یا مردوں کے شانہ بشانہ کام کر کے ملک و قوم کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کی اجازت نہ ہو گی ؟

(ج) فرض کیجئے اگر اسلامی حکومت خواتین کو برابر کا حق رائے دہندگی دے اور وہ کثرت آراء سے وزارت و صدارت کے عہدوں کے لئے الیکشن لڑ کر کامیاب ہو جائیں تو موجودہ بیسویں صدی میں بھی کیا ان کو منصب اعلیٰ سنبھالنے کا حق اسلامی احکام کی رو سے نہیں یا سکتا ہے جبکہ بہت سی مثالیں ایسی آج موجود ہیں مثلاً سیلون میں وزارت عظمیٰ ایک عورت کے پاس ہے۔ یا نیدرلینڈ میں ایک خاتون ہی حکمران اعلیٰ ہے۔ برطانیہ پر ملکہ کی شہنشاہیت ہے ؟

(د) سفارتی حد تک جیسے عابدہ سلطانہ دختر نواب آف بھوپال رہ چکی ہیں اور اب بیگم رعنا لیاقت علی خان نیدرلینڈ میں سفیر ہیں یا دیگر جس طرح مسز وجے لکشمی پنڈت برطانیہ میں ہائی کمشنر ہیں اور اقوام متحدہ کی صدر رہ چکی ہیں اور بھی مثالیں جیسے نور جہاں، جھانسی کی رانی، رضیہ سلطانہ، حضرت محل زوجہ واجد علی شاہ جو

اترنے اور واسکو ڈے گاما کے جزائر شرق الہند پر اترنے سے زیادہ مختلف نہیں۔ اگر یہ لوگ مجاہد فی سبیل اللہ مانے جا سکتے ہیں تو چاند اور مریخ پر اترنے والے بھی مجاہدین بن جائیں گے۔

انتظامی امور اور مملکتی نظام (Civil Administration) میں فوج کا داخل ہونا فوج کے لئے بھی اور ملک کے لئے ... بھی سخت تباہ کن ہے۔ فوج بیرونی دشمنوں سے ملک کی حفاظت کرنے کیلئے منظم کی جاتی ہے۔ ملک پر حکومت کرنے کے لئے منظم نہیں کی جاتی۔ اس کو تربیت دشمنوں سے لڑنے کی دی جاتی ہے۔ اس تربیت سے پیدا ہونے والے اوصاف ملک کے باشندوں سے معاملہ کرنے کے لئے موزوں نہیں ہوتے علاوہ بریں ملکی معاملات کو جو لوگ بھی چلائیں خواہ وہ سیاست کار (Politician) ہوں یا ملکی نسق کے منتظم Civil (Administrator) ان کے کام کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے کہ ملک میں بہت سے لوگ ان سے خوش بھی ہوتے ہیں اور ناراض بھی، فوج کا اس میدان میں اترنا لامحالہ فوج کو غیر ہر دلعزیز (unpopular) بنانے کا موجب ہو گا۔ حالانکہ فوج کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ سارے ملک کے باشندے اس کی پشت پر ہوں اور جنگ کے موقع پر ملک کا ہر فرد اس کی مدد کرنے کیلئے تیار ہو۔ موجودہ دور کے فوجی انقلابات نے ملکی نظام میں فوج کی شمولیت کو مفید ثابت نہیں کیا ہے بلکہ درحقیقت تجربے سے اس کے برے نتائج ثابت ہو گئے ہیں۔

امینی صاحب

۱۲۱ خواتین کا مسئلہ تقریباً ہر دور میں نازک رہا ہے اور جذبات کی ماری ہوئی دنیا نے اکثر اس کے ساتھ بے انصافی سے کام لیا ہے۔ ادھر مذہب کی بگڑی ہوئی شکلوں اور اس کے نمائندوں نے بھی اس کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا ہے۔

یہ زمانہ کی ستم ظریفی ہو یا عورت کی فطری کمزوری کا نتیجہ کہ تقریباً ہر دور میں خواتین کی قسمت کا فیصلہ مردوں ہی کے ہاتھ میں رہا ہے اور وہی اپنے خود غرضانہ اور نفس پرستانہ جذبات کے مطابق اس سے متعلق جملہ مسائل طے کرتے رہے ہیں۔ غالباً اسی کا ردعمل ہے کہ اب وہ آزاد ہو کر اپنا اصلی مقام بھی چھوڑنے پر آمادہ ہے اور تمام اخلاقی و صنفی حدود و قیود سے آزاد ہو کر نیا مقام تلاش کرنے میں سرگرداں ہے لیکن اس میں بھی اس کے رہنما مرد ہیں اور انہیں کی بے لگام عقل و ہوش کی موشگافیاں اور سرمستیاں ہیں۔

اصلی مقام کی تلاش میں ناکامی کے جو وجوہ و اسباب پہلے تھے وہی اب بھی موجود ہیں ایسی حالت میں کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر قیام و بقاء کی جدوجہد میں اصلی کردار نمایاں کر سکے گی۔ بلکہ قوی اندیشہ ہے کہ اگر موجودہ صورت حال کو آزاد چھوڑ دیا گیا تو "ترقی معکوس" کے ذریعہ چھٹی صدی عیسوی کی مزدک ایرانی تحریک والی راہ نہ اختیار کر لی جائے جس میں زن، زمین اور زر تینوں کو مشترک قرار دیا گیا تھا۔ ؎۱

ہدایت الٰہی نے "خواتین" کو جو مقام عطا فرمایا ہے اور جو ذمہ داریاں ان کے سپرد کی ہیں اس میں ان کی فطری ساخت کا اعتبار کیا ہے نہ کہ مردوں کے خود غرضانہ جذبات

؎۱ الملل والنحل جلد اول صد ۶۶

کہ Pride of Women کہلاتی ہیں جنہوں نے انگریزوں کے خلاف لکھنؤ میں جنگ کی کمانڈ کی وغیرہ جس طرح خواتین نے خود کو پورا اہل کر دیا ہے تو اگر آج محترمہ فاطمہ جناح صدارت کا عہدہ سنبھال لیں تو اسلامی اصول پاکستان کے اسلامی نظام میں اس کی اجازت نہ دیں گے؟

(۲) کیا آج بھی خواتین کو ڈاکٹر۔ وکلا۔ مجسٹریٹ۔ جج۔ فوجی افسر یا پائلٹ وغیرہ بننے کی مطابق اجازت نہ ہوگی؟

(۳) خواتین کا یہ بھی کارنامہ کہ وہ نرسوں کی حیثیت سے کس طرح مریضوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں قابل ذکر ہے۔ خود اسلام کی پہلی جنگ میں خواتین نے مجاہدین کی مرہم پٹی کی، پانی پلایا اور حوصلے بلند کئے۔ تو کیا آج بھی اسلامی حکومت میں آدھی قوم کو مکانات کی چار دیواری میں مقید رکھا جائے گا؟

ٹھوس قسم کا مفکر معترف اور بیزار ہے۔

مودودی صاحب

اسلامی حکومت دنیا کے کسی معاملے میں بھی اسلامی اصولوں سے ہٹ کر کوئی کام کرنیکی نہ تو مجاز ہے اور نہ وہ اسکا ارادہ ہی کر سکتی ہے اگر فی الواقع اسکو چلانے والے ایسے لوگ ہوں جو اسلام کے اصولوں کو سچے دل سے مانتے ہوں اور اس پر عمل کرتے ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ عورت اور مرد عزت و احترام کے لحاظ سے برابر ہیں۔ اخلاقی معیار کے لحاظ سے بھی برابر ہیں لیکن دونوں کا دائرہ عمل ایک نہیں ہے۔ سیاست اور ملکی انتظام اور فوجی خدمات اور اسی طرح کے دوسرے کام مرد کے دائرہ عمل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس دائرے میں عورت کو گھسیٹ لانے کے دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ ہماری خانگی زندگی بالکل تباہ ہو گی جسکی بیشتر ذمہ داریاں عورتوں سے تعلق رکھتی ہیں یا پھر عورتوں پر دوہرا بار ڈالا جائیگا کہ وہ اپنے فطری فرائض بھی انجام دیں جن میں مرد قطعاً شریک نہیں ہو سکتا اور پھر مرد کے فرائض کا بھی نصف حصہ اپنے اوپر اٹھائیں عملاً یہ دوسری صورت ممکن نہیں ہے۔ لازماً پہلی صورت ہی رونما ہو گی اور مغربی ممالک کا تجربہ بتاتا ہے کہ وہ رونما ہو چکی ہے۔ آنکھیں بند کر کے دوسروں کی حماقتوں کی نقل اتارنا عقل مندی نہیں ہے۔

اسلام میں اسکے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وراثت میں عورت کا حصہ مرد کے برابر ہو۔ اس باب میں قرآن کا صریح حکم مانع ہے نیز یہ انصاف کے بھی خلاف ہے ———— کہ عورت کا حصہ مرد کے برابر ہو کیونکہ اسلامی احکام کی رو سے خاندان کی پرورش کا سارا مالی بار مرد پر ڈالا گیا ہے بیوی کا مہر و نفقہ بھی اس پر واجب ہے اسکے مقابلہ میں عورت پر کوئی مالی بار نہیں ڈالا گیا ہے۔ اس صورت میں آخر عورت کو مرد کے برابر حصہ کیسے دلایا جا سکتا ہے۔

اسلام اصولاً مخلوط سوسائٹی کا مخالف ہے اور کوئی ایسا نظام جو خاندان کو اہمیت دیتا ہو

کا یہ فطری نقشہ میں جو لکیریں مشترک تھیں ان میں دونوں کا یکساں لحاظ کیا ہے اور جو الگ الگ تھیں ان میں کچھ امتیاز سے کام لیا ہے اس بناء پر کچھ باتیں دونوں میں مشترک قرار پائیں اور کچھ دونوں کے لئے الگ الگ مخصوص ہیں مگر زندگی کی تکمیل کے لئے دونوں کی یکساں ضرورت ہے اور دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

ان دونوں کی انفرادیت واشتراکیت کو ملحوظ رکھ کر موجودہ حالات وضروریات کے ماتحت معاشرتی زندگی کا "آمیزۂ تیار کرنے کی ضرورت ہے اسی کے ذریعہ صالح معاشرہ کی تشکیل میں مدد مل سکتی ہے اسلامی تاریخ نے خواتین کی مذہبی علمی سیاسی و عملی کارنامے محفوظ کر لئے ہیں موجودہ دور میں ان کو کس طرح عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے؟ اور کس طرح قیام وبقاء کی جدوجہد میں ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی راہیں نکل سکتی ہیں؟ اسی طرح اخلاق ومعاش کا باہمی ربط جس قدر نازک ہے؟ اس کے پیش نظر معاشی میدان میں ان کے شرکت کی کونسی صورتیں مناسب ہو سکتی ہیں؟

ان سب امور پر غور وخوض کے لئے اہل فکر ونظر کی ایک "مجلس" کی ضرورت ہے تنہا ایک شخص کی رائے حجت نہ بن سکیگی۔ موجودہ "دور ردعمل" کا دور ہے لازمی طور سے گذشتہ تفریط کے مقابلہ افراط ہے۔ اس بناء پر اس دور کی ساری چیزیں نہ حجت بن سکتی ہیں اور نہ ہی وہ "متوازن قرار پا سکتی ہیں اسی طرح ہر شعبۂ زندگی میں ان کے نظر آنے سے نہ یہ استدلال درست ہو سکتا ہے۔ کہ بہمہ وجوہ وہ مردوں کے مساوی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف علم تشریح فزیالوجی سائکالوجی وغیرہ علوم وتحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ فطری طور پر مرد وعورت میں کافی فرق موجود ہے۔ مخلوط تعلیم کے مضر اثرات کا اعتراف اب مسجد ومدرسہ کی چہار دیواری تک محدود نہیں رہ گیا ہے بلکہ ہر سنجیدہ

کی ہے کہ عورتوں کے پاس پہنچ کر کوئی راز، راز نہیں رہتا۔ مغربی ممالک میں جاسوسی کے جتنے
واقعات پیش آتے ہیں ان میں بھی عموماً کسی نہ کسی طرح عورت کا دخل ہوتا ہے۔

عورتوں کی تعلیم سے اسلام ہرگز نہیں روکتا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ان کو دلوائی جانی چاہیئے
لیکن چند شرطوں کے ساتھ اول یہ کہ ان کو وہ تعلیم خاص طور پر دی جائے جس سے وہ اپنے دائرہ
عمل میں کام کرنے کے لئے ٹھیک ٹھیک تیار ہو سکیں اور ان کی تعلیم بعینہ وہ نہ ہو جو مردوں کی ہو۔
دوسرے یہ کہ تعلیم مخلوط نہ ہو اور عورتوں کو زنانہ تعلیم گاہوں میں عورتوں ہی سے تعلیم دلوائی جائے۔
مخلوط تعلیم کے مہلک نتائج مغربی ترقی یافتہ ممالک میں اس حد تک سامنے آچکے ہیں۔ جو
انسانیت کے لئے بدترین ہیں مثلاً صرف امریکہ میں ۱۸ سال تک عمر کی لڑکیاں جو ہائی
سکولوں میں پڑھتی ہیں مخلوط تعلیم کی وجہ سے ہر سال ان میں سے اوسطاً ایک ہزار حاملہ نکلتی
گو ابھی یہ شکل ہمارے ہاں پیدا نہیں ہوئی لیکن اس مخلوط تعلیم کے نتائج کچھ ہمارے سامنے
بھی آنے شروع ہو گئے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین سے ایسے اداروں
میں کام لیا جائے جو صرف عورتوں کے لئے ہی مخصوص ہوں مثلاً زنانہ ہسپتال اور
زنانہ تعلیم گاہیں وغیرہ

O

اسکو پسند نہیں کرتا کہ عورتوں اور مردوں کی مخلوط سوسائٹی ہو مغربی ممالک میں اسکے بدترین نتائج ظاہر ہو چکے ہیں۔ اگر ہمارے ملک کے لوگ ان نتائج کو بھگتنے کیلئے تیار ہوں تو شوق سے بھگتتے رہیں۔ لیکن آخر یہ کیا ضروری ہے کہ اسلام میں ان افعال کی گنجائش زبردستی نکالی جائے جن سے وہ شدت کے ساتھ روکتا ہے۔

اسلام میں اگر جنگ کے موقع پر عورتوں سے مرہم پٹی وغیرہ کا کام لیا گیا ہے تو اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ امن کی حالت میں عورتوں کو دفتروں اور کارخانوں اور کلبوں اور پارلیمنٹوں میں لاکھڑا کیا جائے مرد کے دائرہ عمل میں اگر عورتیں کبھی مردوں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں اسلئے کہ وہ ان کاموں کیلئے بنائی ہی نہیں گئی ہیں۔ ان کاموں کیلئے جن اخلاقی اور ذہنی اوصاف کی ضرورت ہے وہ دراصل مرد میں پیدا کئے گئے ہیں۔ عورت مصنوعی طور پر مرد بن کر کچھ تھوڑا بہت ان اوصاف کو اپنے اندر ابھارنے کی کوشش کرے بھی تو اس کا دہرا نقصان خود اس کو بھی ہوتا ہے اور معاشرہ کو بھی۔ اس کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ نہ پوری عورت رہتی ہے نہ پوری مرد بن سکتی ہے اور اپنے اصل دائرہ عمل میں جسکے لئے وہ فطرتاً پیدا کی گئی ہے ناکام رہ جاتی ہے۔ معاشرہ اور ریاست کا نقصان یہ ہے کہ وہ اہل کارکنوں کے بجائے نااہل کارکنوں سے کام لیتا ہے اور عورت کی آدھی زنانہ اور آدھی مردانہ خصوصیات سیاست اور معیشت کو خراب کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اس سلسلہ میں گنتی کی چند سابقہ معروف خواتین کے نام گنانے سے کیا فائدہ۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ جہاں لاکھوں کارکنوں کی ضرورت ہو کیا وہاں تمام خواتین موزوں رہ سکیں گی؟ ابھی حال ہی میں مصر کے سرکاری محکموں اور تجارتی اداروں نے یہ شکایت کی ہے کہ وہاں بحیثیت مجموعی ایک لاکھ دس ہزار خواتین جو مختلف مناصب پر کام کر رہی ہیں۔ بالعموم ناموزوں ثابت ہو رہی ہیں اور ان کی کارکردگی مردوں کی نسبت ۵۵ فیصدی سے زیادہ نہیں۔ پھر مصر کے تجارتی اداروں نے یہ عام شکایت

امینی صاحب

۱۴۱۔ ایسی ہر قسم کی آزادی و پابندی ناقابل برداشت ہوگی جسمیں خواتین معاشرہ پر بار نہیں یا بے قابو ہو کر اخلاق و شرافت کے گرانقدر اصول پائمال کریں۔

موجودہ دور کے نئے نئے فیشن حسن اور خدوخال کی نمائش وغیرہ جو جذبات کو برانگیختہ کرنے والے ہیں اور وہ تحریک و تنظیم جو ان چیزوں کو تقویت پہنچانیوالی اور فراغ دینے والی ہو صالح معاشرہ ان کو کیسے برداشت کر سکتا ہے ؟ اسلامی حکومت بتدریج مختلف تدبیروں کے ذریعہ اُن کو ختم کریگی اور اس سے اسلامی شہری آزادی میں فرق نہ آئے گا۔

معقول وجوہ کی بناپر خواتین عدالت سے طلاق حاصل کر سکتی ہیں۔

مودودی صاحب

اسلام معاشرہ کی اصلاح و تربیت کا سارا کام محض قانون کے ڈنڈے سے نہیں لیتا تعلیم نشر و اشاعت اور رائے عام کا دباؤ اسکے ذرائع اصلاح میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان تمام ذرائع کے استعمال کے بعد اگر کوئی خرابی باقی رہ جائے تو وہ قانونی وسائل اور انتظامی تدابیر استعمال کرنے میں بھی تامل نہ کریگا عورتوں کی عریانی اور بے حیائی فی الواقع ایک بہت بڑی بیماری ہے جسے کوئی سچی اسلامی حکومت برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ بیماری اگر دوسری —— تدابیر اصلاح سے درست نہ ہو یا اس کا وجود باقی رہ جائے تو یقیناً اسکو از روئے قانون روکنا پڑیگا۔ اسکا نام اگر شہری آزادی پر ضرب لگنا ہے تو چوریوں کو پکڑنا اور جیب کتروں کو سزائیں دینا بھی شہری آزادی پر ضرب لگانیکے مترادف ہے اجتماعی زندگی لازماً افراد پر کچھ پابندیاں عائد کرتی ہے افراد کو اس کیلئے آزاد نہیں چھوڑا جا سکتا کہ وہ اپنے ذاتی رجحانات اور دوسروں سے سیکھی ہوئی برائیوں سے اپنے معاشرہ کو برباد کریں۔

سوال ۱۳

کیا اسلامی حکومت خواتین کی بڑھتی ہوئی آزادی کو سختی سے روکے گی جیسے کہ ان کی زیبائش اور نیم عریاں لباس زیب تن کرنے اور فیشن کا رجحان اور جیسے آج کل نوجوان لڑکیاں نہایت تنگ و دلفریب سینٹ سے معطر لباس اور غازہ و سرخی سے مزین اپنے ہر خدوخال و نشیب و فراز کی نمائش برسرعام کرتی ہیں اور آجکل نوجوان لڑکے بھی ہالی ووڈ فلموں سے متاثر ہو کر ٹیڈی بوائز بن رہے ہیں تو کیا حکومت قانون (Legislation) کے ذریعے ہر مسلم و غیر مسلم لڑکے و لڑکی کے آزادانہ رجحان کو روکے گی؟ خلاف ورزی پر سزا دیگی؟ والدین و سرپرستوں کو جرمانہ کیا جا سکیگا؟ تو اس طرح کیا انکی شہری آزادی پر ضرب نہ لگے گی؟

(الف) کیا حکومت گرلز گائیڈ، اپوا (APWA) یا دیگر وائی۔ ایم۔ سی۔ اے (Y.M.C.A) اور وائی ڈبلیو۔ سی۔ اے (Y.W.C.A) جیسے ادارے اسلامی نظام میں گوارا کئے جا سکتے ہیں؟

(ب) کیا خواتین خواہ اسلامی عدلیہ ہی سہی خود طلاق لینے کی مجاز ہو سکیں گی اور مردوں پر ایک سے زیادہ شادی کی پابندی آج جائز ہوگی؟

(ج) خواہ اسلامی عدالت کے روبرو ہی ان کو اپنی پسند سے (Civil Marriage) کرنیکا حق حاصل ہو سکتا ہے؟ ——— (د) کیا خواتین کو دیگر فیسٹیول کھیلوں، نمائش، ڈراموں، ناچ، فلموں یا مقابلہ حسن میں شرکت یا Air Hostess وغیرہ بننے کی آج بھی اسلامی حکومت مخالفت کرے گی؟

(ہ) ساتھ ہی قومی کردار تباہ کرنے والے ادارے مثلاً سینما، فلمیں، ٹیلی ویژن۔ ریڈیو پر فحش گانے و عریاں رسائل و لٹریچر موسیقی، ناچ و رنگ کی ثقافتی محفلیں وغیرہ کو بند کر دیا جائے گا یا فائدہ اٹھانا ممکن ہوگا؟

تو نہ صرف یہ کہ وہ قابل برداشت ہے بلکہ اسکے حرامی بچوں کے حقوق محفوظ کرنے کی بھی فکر کی جاتی ہے (فرانس کی مثال ہمارے سامنے ہے) لیکن اگر اسی عورت سے نکاح کر لیا جائے تو یہ جرم ہے۔ گویا ساری پابندیاں حلال کیلئے ہیں حرام کیلئے نہیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی ابجد سے بھی واقف ہو تو کیا وہ ہر اقدار (Values) اختیار کر سکتا ہے؟ کیا اس کے نزدیک زنا قانوناً جائز اور نکاح قانوناً حرام ہونے کا عجیب و غریب فلسفہ برحق ہو سکتا ہے؟ اس طرح کے قوانین بنانے کا حاصل اسکے سوا کچھ نہ ہوگا کہ مسلمانوں میں زنا کا رواج بڑھے گا۔ گرلز فرینڈز اور داشتائیں (Mistresses) فروغ پائیں گی اور دوسری بیوی ناپید ہو جائیگی۔ یہ ایک ایسی سوسائٹی ہوگی جو اپنے خدوخال میں اسلام کی اصل سوسائٹی سے بہت دور اور مغربی سوسائٹی سے بہت قریب ہوگی۔ اس صورت حال کے تصور سے جس کا جی چاہے مطمئن ہو مسلمان کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔

سول میرج کا سوال ظاہر ہے کہ مسلمان عورت کیساتھ تو پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال اگر پیدا ہوتا ہے یا تو مشرک عورت سے شادی کرنیکے معاملہ میں یا کسی ایسی عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کے معاملہ میں جو اسلامی قانون کے تحت کسی مسلمان سے نکاح کرنے کیلئے تیار نہ ہو اور مسلمان مرد اسکے عشق میں مبتلا ہو کر اس اقرار کے ساتھ شادی کرے کہ وہ کسی مذہب کا پابند نہ ہوگا۔ یہ کام اگر کسی کو کرنا ہی ہو تو اسے اسلام سے فتویٰ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اسلام کیوں اپنے ایک پیرو کو اس کی اجازت دے؟ اور ایک اسلامی عدالت کا کام کب ہے کہ مسلمانوں کی اس طریقہ پر شادیاں کروائے؟

اگر ایک اسلامی حکومت بھی یوتھ فیسٹیول (Youth Festival) اور کھیلوں کی نمائشوں اور ڈراموں اور رقص و سرود اور مقابلہ حسن میں مسلمان عورتوں کو لائے یا ایر ہوسٹس Air Hostess بنا کر مسافروں کے دل موہنے کی کوشش کرے تو

گرلز گائیڈ (Girl Guides) کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ اپوا APWA قائم رہ سکتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے دائرہ عمل میں رہ کر کام کرے اور قرآن کا نام لے کر قرآن کے خلاف طریقے استعمال کرنا چھوڑ دے۔ YWCA عیسائی عورتوں کیلئے رہ سکتا ہے مگر کسی مسلمان عورت کو اسمیں گھسنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ مسلمان عورتیں چاہیں تو (YWMA) بنا سکتی ہیں بشرطیکہ وہ اسلامی حدود میں رہیں۔

مسلمان عورت اسلامی عدلیہ کے ذریعہ سے خلع حاصل کر سکتی ہے۔ فسخ نکاح (Nullification) اور تفریق (Judicial Separation) کی ڈگری بھی عدالت سے حاصل کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ان میں سے کوئی ڈگری حاصل کرنے کی مجاز ہو۔ لیکن طلاق (Divorce) کے اختیارات قرآن نے صریح الفاظ میں صرف مرد کو دیئے ہیں اور کوئی قانون مردوں کو اس اختیار سے محروم نہیں کر سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ قرآن کے خلاف قوانین بنائے جانے لگیں۔ پوری اسلامی تاریخ عہد رسالت سے لیکر اس صدی تک اس تصور سے ناآشنا ہے کہ طلاق دینے کا اختیار مرد سے سلب کر لیا جائے اور کوئی عدالت یا پنچائت اس میں دخل دے۔ یہ تخیل سیدھا یورپ سے چل کر ہمارے ہاں درآمد ہوا ہے اور اس کے درآمد کرنے والوں نے کبھی آنکھیں کھول کر یہ نہیں دیکھا ہے کہ یورپ میں اس قانون طلاق کا پس منظر (Back ground) کیا ہے اور وہاں اس کے کتنے برے نتائج رونما ہوتے ہیں ہمارے ہاں جب گھروں کے سکینڈل نکال کر بازاروں میں پہنچیں گے تو لوگوں کو پتہ چلے گا۔ کہ خدا کے قوانین کی نافرمانی کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔

مردوں پر ایک سے زیادہ شادی کے معاملہ میں از روئے قانون پابندی عائد کرنے کا یا اس میں رکاوٹ ڈالنے کا تخیل بھی ایک بیرونی مال ہے جسے قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کیا گیا ہے۔ یہ اس سوسائٹی میں سے آیا ہے جس میں ایک ہی عورت اگر منکوحہ بیوی کیساتھ داشتہ کے طور پر رکھی جائے

مودودی صاحب

دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے اسلام صرف ایک ہی حل پیش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا نے اپنے رزق کے جو ذرائع پیدا کئے ہیں ان کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے اور استعمال کرنے کی کوشش کی جائے اور جو ذرائع اب تک مخفی ہیں ان کو دریافت کرنے کی پیہم سعی کی جاتی رہے۔ آبادی روکنے کی ہر کوشش خواہ وہ قتل اولاد ہو یا اسقاط حمل یا منع حمل، غلط ہے اور بے حد تباہ کن۔ ضبط ولادت کی تحریک کے چار نتائج ایسے ہیں جن کو رونما ہونے سے کسی طرح نہیں روکا جا سکتا (۱) زنا کی کثرت (۲) انسان کے اندر خود غرضی اور اپنا معیار زندگی بڑھانے کی خواہش کا اس حد تک ترقی کر جانا کہ اسے اپنے بوڑھے ماں باپ اور اپنے یتیم بھائیوں اور اپنے دوسرے محتاج امداد رشتہ داروں کا وجود بھی ناگوار گزرنے لگے۔ کیونکہ جو آدمی اپنی روٹی میں خود اپنی اولاد کو شریک کرنے کے لئے تیار نہ ہو وہ دوسروں کو بھلا کیسے شریک کر سکے گا۔ (۳) آبادی کے اضافے کا کم سے کم مطلوب معیار بھی جو ایک قوم کو زندہ رکھنے کے لئے اکثریت برقرار نہ رہتا۔ اس لئے کہ جب یہ فیصلہ کرنے والے افراد ہوں گے کہ وہ کتنے بچے پیدا کریں اور کتنے نہ کریں اور اس فیصلہ کا مدار اس بات پر ہوگا کہ وہ اپنے معیار زندگی کو نئے بچوں کی آمد کی وجہ سے گرنے نہ دیں تو بالآخر وہ اتنے بچے بھی پیدا کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے جتنے ایک قوم کو اپنی قومی آبادی برقرار رکھنے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ اس طرح کے حالات میں کبھی کبھی نوبت یہ بھی آجاتی ہے کہ شرح پیدائش شرح اموات سے کمتر ہو جاتی ہے چنانچہ یہ نتیجہ فرانس دیکھ چکا ہے حتیٰ کہ اس کو "بچے زیادہ پیدا کرو" کی تحریک چلانی پڑی اور انعامات کے ذریعہ سے اس کی ہمت افزائی کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ (۴) قومی

ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلامی حکومت کی ضرورت کیا ہے؟ یہ سارے کام کفر اور کفار کی حکومت میں بآسانی
ہو سکتے ہیں بلکہ زیادہ آزادی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

سینما، فلم، ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ تو خدا کی پیدا کردہ طاقتیں ہیں جن میں بجائے خود
خرابی نہیں خرابی انکے اُس استعمال میں ہے جو انسانی اخلاق کو تباہ کرنے والا ہے۔ اسلامی حکومت
کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ان ذرائع کو انسانیت کی فلاح کے لئے استعمال کرے اور اخلاقی فساد کیلئے
استعمال ہونے کا دروازہ بند کر دے۔

سوال ۱۴

دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے آج اسلام کیا حل پیش کرتا ہے؟
(۱) برتھ کنٹرول (پیدائش روکنے) کے لئے دواؤں کا استعمال، فیمیلی پلاننگ وغیرہ
کو کیا آج بھی غیر شرعی قرار دے کر ممنوع قرار دیا جائے گا؟

ایلچی صاحب

۱۴۔ "ضبط تولید" کا مسئلہ بھی اہم ہے لیکن یہ غور و فکر کا مستحق اسوقت ہو گا جبکہ ذرائع پیداوار کی تنظیم
اور پیداوار کی تقسیم کا صحیح بندوبست ہو۔ جن ممالک نے تنظیم و تقسیم پر قابو پا لیا ہے ان کے یہاں یہ
سوال اس نوعیت سے نہیں پیدا ہوا ہے۔

دراصل عیش پرستانہ ذہنیت نے اس مسئلہ کو اٹھایا ہے اور حکومت کی نااہلی اسکی پشت پناہی
کر رہی ہے ایسی حالت میں یکطرفہ نظر سے اس پر غور کرنا کیسے صحیح نتائج کا حامل بن سکتا ہے؟ تقابلی اور

مودودی صاحب

آنکھوں کے عطیہ کا معاملہ صرف آنکھوں تک ہی نہیں رہتا۔ بہت سے دوسرے اعضاء بھی مریضوں کے کام آسکتے اور ان کے دوسرے مفید استعمال بھی کر سکتے ہیں۔ یہ دروازہ اگر کھولا جائے تو مسلمانوں کا قبروں میں دفن ہونا مشکل ہو جائے گا۔ اس کا سارا جسم ہی چندے میں تقسیم ہونا شروع ہو جائے گا۔ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہے۔ اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مرنے سے قبل اپنے جسم کو تقسیم کرنے یا چندہ دینے کی وصیت کرے۔ جسم اس وقت تک اس کے تصرف میں جب تک وہ جسم میں خود رہتا ہے۔ اس کے نکل جانے کے بعد اس جسم پر اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ اس کے معاملے میں اس کی وصیت نافذ ہو۔ اسلامی احکام کی رو سے اس کا جسم احترام کے ساتھ دفن کر دینا چاہیئے۔

اسلام نے انسانی لاش کی حرمت کا جو حکم دیا ہے وہ دراصل انسانی جان کی حرمت کا ایک لازمہ ہے۔ ایک دفعہ اگر انسانی لاش کا احترام ختم ہو جائے تو بات صرف اس حد تک محدود نہ رہے گی۔ کہ مردہ انسان کے بعض کار آمد اجزا زندہ انسانوں کے علاج میں استعمال کیے جانے لگیں گے، بلکہ رفتہ رفتہ انسانی جسم کی چربی سے بھی صابن بھی بننے لگیں گے۔ (جیسے کہ فی الواقع جنگ عظیم نمبر ۲ کے زمانے میں جرمنوں نے بنائے تھے) انسانی کھال بھی اتار کر اس کو دباغت دینے کی کوشش کی جائے گی تاکہ اس کے جوتے یا سوٹ کیس یا منی پرس بنائے جا سکیں (چنانچہ یہ تجربہ بھی چند سال قبل مدراس کی ایک ٹینری کر چکی ہے) انسان کی ہڈیوں اور آنتوں اور دوسری چیزوں کو استعمال کرنے کی بھی فکر کی جانے گی، حتیٰ کہ اس کے بعد ایک مرتبہ انسان پھر اس دور وحشت کی طرف پلٹ جائے گا۔ جب آدمی آدمی کا گوشت کھاتا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر ایک دفعہ مردہ انسان کے

دفاع کا کمزور ہو جانا۔ یہ نتیجہ خصوصی طور پر کسی ایسی قوم کے لئے بے حد خطرناک ہے جو اپنے سے تیرہ گنی زیادہ دشمن آبادی میں گھرا ہؤا ہو۔ پاکستان کے تعلقات ہندوستان و افغانستان کے ساتھ جیسے کچھ ہیں سب کو معلوم ہے۔ اور امریکہ کی دوستی نے کمیونسٹ ممالک سے بھی اُسکے تعلقات خراب کر دیئے ہیں۔ بحیثیت مجموعی ہندوستان، چین، روس اور افغانستان کی آبادی ہم سے تیرہ گنی ہے ان حالات میں لڑنے کے قابل افراد کی تعداد گھٹانا جیسی کچھ عقلمندی ہے اسے ایک صاحب عقل آدمی خود سوچ سکتا ہے۔

÷

سوال ۱۵

کیا ایک مسلمان زندگی میں اپنی آنکھیں عطیہ کر سکتا ہے کہ اس کی موت کے بعد کسی اندھے یا مریض کے استعمال ہو سکیں؟

(الف) اس طرح بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے انسانی اعضاء کی قربانی روز قیامت سزا کی مستحق تو نہ ہوگی؟

(ب) موت کے بعد ایک مسلمان کی لاش کا پوسٹ مارٹم یا ریسرچ کے لئے چیر پھاڑ مذہبی نقطۂ نگاہ سے کیا اہمیت رکھتی ہے؟

÷

مؤلف

اعضاء نکال کر علاج میں استعمال کرنا جائز قرار دے دیا جائے تو پھر کس جگہ حد بندی کر کے آپ اسی جسم کے دوسرے "مفید" استعمالات کو روک سکیں گے اور کس منطق سے اس بندش کو معقول ثابت کریں گے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

ہمارے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے!!

قائدِ اعظم محمد علی جناح خالقِ پاکستان

"اسلامی اصول ہمیشہ ہیں یہ اصول آج بھی زندگی پر اسطرح قابلِ عمل ہیں جس طرح تیرہ سو برس قبل تھے" ——

"اسلام صرف رسوم و روایات اور روحانی تعلیمات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ مسلمان کیلئے ایک ایسا ضابطہ ہے جو اسکی زندگی اور اسکے کردار کو منضبط کرتا ہے اور یہ سیاسیات معاشیات و دیگر مماثل شعبہ ہائے حیات تک محیط ہے"۔

جنوری ۱۹۴۸ء

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان

"یہ ایسے اصول ہیں (اتحاد تنظیم خدا ترسی شرافت خوش اخلاقی) جو ہر زمانے اور ہر زمین پر ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ اسلام کے اپنے اصول ہیں۔ اگر ہم خلوص و دیانتداری سے ان اصولوں کے پابند ہو جائیں تو پاکستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام یا شاید ساری دنیا کیلئے امن و سلامتی کا نمونہ بن سکتا ہے"۔